علوم الحدیث۔ اصول و مبادی

رشحات قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

ترتیب و تدوین و تعلیقات

محمد عمار خان ناصر

دار الکتاب

Marfat.com

علوم الحدیث ــ اصول ومبادی

رشحات قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

ترتیب وتدوین وتعلیقات

محمد عمار خان ناصر

دار الکتاب ناشران وتاجران کتب

6-A یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

042-37241268-0321-4650131

Marfat.com

240.29
ع 49 س
140844

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ!

کتاب: ''علوم الحدیث-اصول ومبادی''

رشحات قلم: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

ترتیب وتعلیقات: محمد عمار خان ناصر

ناشر: دارالکتاب، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 37241268,0300-8099774
Duklahore@gmail.com

اشاعت اول: محرم ۱۴۳۸ھ / اکتوبر ۲۰۱۶ء

قیمت: ۴۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ امام اہل سنت، جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

0306-6426001 / 0306-6406040

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ — ابوعمار زاہد الراشدی — ۹

دیباچہ — محمد عمار خان ناصر — ۱۲

ا۔علوم الحدیث۔مختصر تعارف

○ چند بنیادی اصطلاحات — ۱۶

''حدیث'' کا لغوی واصطلاحی معنی — ۱۶

''سنت'' کا مفہوم — ۱۸

علم حدیث کا موضوع — ۱۸

علم حدیث کی غرض وغایت — ۱۹

روایت حدیث ودرایت حدیث — ۲۰

اہل الحدیث کا مصداق — ۲۱

سندوں کی کثرت اور احادیث کی تعداد — ۲۵

○ علوم الحدیث پر معروف ومتداول تصانیف — ۲۹

مصطلح الحدیث — ۲۹

ضعیف احادیث اور رواۃ پر مشتمل کتب — ۳۱

علل احادیث — ۳۲

شان نزول حدیث — ۳۳

Marfat.com

۲-رواۃِ حدیث اوران کی توثیق

○ صحابہ کرام کی روایات کی حیثیت ۳۶
صحابہ کرام جرح سے بالاتر ہیں ۳۶
حضرت ابو ہریرہؓ کی فقاہت وعدالت ۴۰
صغار صحابہ کی روایت ۴۲
مجہول الاسم صحابی کی روایت ۴۴
○ مجہول ومستور راوی کی روایت ۴۷
معروف اور مستور میں فرق کا معیار ۴۸
○ راوی کا حفظ وضبط ۵۱
راوی کے حفظ وضبط میں امام ابوحنیفہؒ کا معیار ۵۱
حدیث حسن کی حیثیت ۵۴
معمولی وہم اور نسیان کا حکم ۵۶
راوی کا اپنی روایت کو بھول جانا ۵۷
حفظ وضبط میں ایک شیخ کے شاگردوں میں تفاوت ۵۹
○ جرح وتعدیل کے اصول وضوابط ۶۰
جرح مبہم اور جرح مفسر ۶۰
مبتدع راوی کی روایت ۶۲
متقدمین کی اصطلاح میں 'شیعہ' کا مفہوم ۶۳
اکابر محدثین اوران کی تعدیل وتوثیق کا درجہ ۶۴
جرح کس کی معتبر ہے؟ ۶۷
تعصب رکھنے والوں کی جرح کی حیثیت ۷۰
جرح اور تعدیل میں تعارض ۷۳
جرح سے متعلق بعض الفاظ واصطلاحات ۷۶

Marfat.com

۳۔ سند کے اتصال وانقطاع کی تحقیق

○ مرسل کی حجیت وعدم حجیت کی بحث	۸۴
صحابہؓ کے مراسیل	۸۸
تابعین کی مرسل روایات	۹۰
مرسل معتضد سے استدلال	۹۲
حدیث مرسل اور تلقی بالقبول	۹۶
○ تدلیس کی بحث	۱۰۰
مدلسین کی دو قسمیں	۱۰۱
صحیحین میں تدلیس سماع پر محمول ہے	۱۰۶
امکان لقاء اور امام بخاریؒ کی شرط	۱۰۸
عمرو بن شعیب کی روایات کا حکم	۱۰۹

۴۔ تنقید متن کے چند اہم پہلو

○ متن حدیث میں راویوں کے تصرفات واوہام	۱۱۶
صحت سند، صحت متن کو مستلزم نہیں	۱۱۶
ثقہ راویوں کی مخالفت	۱۱۸
سوءِ فہم سے بات کا مفہوم بدل دینا	۱۲۰
روایت کے متن میں اختصار	۱۲۴
متن حدیث میں ادراج	۱۲۶
○ زیادتِ ثقہ کی بحث	۱۳۲
ثقہ کی زیادت کب مقبول نہیں؟	۱۳۶
شاذ اور منکر کی چند مثالیں	۱۳۹
وقف ورفع اور وصل وارسال میں اختلاف	۱۴۲
○ سند یا متن میں اضطراب	۱۴۵

Marfat.com

سند میں اضطراب کی چند مثالیں ١٤٦
متن میں اضطراب کی مثال ١٤٨
○ تعارض کی صورت میں ترجیح وتطبیق کے اصول ١٥٠
مثبت کونافی پر ترجیح ١٥٠
کثرت روایات معیار ترجیح نہیں ١٥٠
احفظ واثبت رواۃ کی روایت کوترجیح ١٥١
فقہا کی روایت کردہ حدیث کوترجیح ١٥٣
صاحب واقعہ کی روایت کوترجیح ١٥٤
اختلاف کی صورت میں تطبیق کا اصول ١٥٤

۵۔ مآخذ حدیث اوران کا استنادی معیار

○ کتب حدیث کی انواع ١٦٢
○ امہات کتب حدیث ١٦٩
صحیح البخاری ١٦٩
تعدادروایات بخاری ١٧٠
شروح بخاری ١٧١
صحیح مسلم ١٧٢
صحیحین کا خصوصی مقام ١٧٥
صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر فوقیت ١٧٧
صحیح روایات صحیحین میں محصورنہیں ١٧٨
سنن النسائی ١٨١
جامع الترمذی ١٨٣
جامع ترمذی کی خصوصیات ١٨٣
جامع ترمذی کا درجہ ١٨٦

Marfat.com

امام ترمذی کی اصطلاح: هذا حديث حسن صحيح ۱۸۷
امام ترمذی کی تصحیح وتحسین کا حکم ۱۸۹
جامع ترمذی کی شروح ۱۹۱
سنن ابی داود ۱۹۱
سنن ابی داود میں ضعیف روایات ۱۹۲
سنن ابی داود کی فقہی اہمیت ۱۹۲
امام ابوداود کا معیارِ قبولیت ۱۹۴
سنن ابی داود کی شروح ۱۹۵
سنن ابن ماجه ۱۹۶
موطا امام مالکؒ ۱۹۷
موطا کی مراسیل ۱۹۸
مسند احمد بن حنبلؒ ۱۹۹
مستدرک حاکمؒ ۲۰۱
علیٰ شرطهما کی تفسیر ۲۰۱
امام حاکم کی تصحیح کا حکم ۲۰۲
تساہل کی چند مثالیں ۲۰۵
مصنف عبد الرزاق ۲۰۶
صحيح ابی عوانه وصحيح ابن خزيمه ۲۰۸
مشكوٰة المصابيح ۲۰۹
مشکوٰۃ میں چند اوہام ۲۰۹
○ حدیث کے غیر مستند مآخذ ۲۱۱

۶۔ متفرق مباحث

○ حدیث کی مختلف اقسام ۲۲۴

Marfat.com

حدیث متواتر کی اقسام ۲۲۴
متواتر کی چند مثالیں ۲۲۴
حدیث مستفیض ۲۲۸
حدیث غریب ۲۳۰
غریب حدیث کب قابل قبول نہیں؟ ۲۳۲
○ ضعیف حدیث کا درجہ اور احکام ۲۳۷
فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کا حکم ۲۳۷
ضعیف حدیث کی قبولیت کی شرائط ۲۳۸
ضعیف روایت سے متابعت ۲۴۰
○ تصحیح وتضعیف سے متعلق چند اہم نکات ۲۴۳
سند کی اہمیت ۲۴۳
تصحیح وتضعیف اجتہادی امر ہے ۲۴۳
تصحیح وتضعیف میں مختلف اہل علم کا مقام ۲۴۴
علماء کا تعصب اور جانب داری ۲۵۰
حدیث اور تاریخ کے الگ الگ دائرے ۲۵۲
تصحیح وتضعیف میں تعارض ۲۵۳
اصل ماخذ سے مراجعت ضروری ہے ۲۵۴
جید، قوی اور ثابت کی اصطلاحات ۲۵۵
چند متفرق فوائد ۲۵۸
○ ضمیمہ: علوم الحدیث سے متعلقہ اصطلاحات ۲۶۳
○ مصادر ومراجع ۲۷۸

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده تبارك وتعالىٰ ونصلي ونسلم علىٰ رسوله الكريم وعلىٰ آله واصحابه واتباعه اجمعين۔

والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے مطالعہ، تحقیق اور احقاق حق کا جو خصوصی ذوق عطا فرمایا تھا، ان کی تین درجن سے زائد علمی اور تحقیقی کتابیں اس کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ برصغیر کے معروضی حالات میں مختلف مسائل کے حوالے سے اہل السنۃ والجماعۃ حنفی دیوبندی مسلک کی وضاحت اور اثبات ان کی تدریسی، تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیوں کی جولان گاہ رہا اور اس میدان میں ان کی مسلسل محنت اور خدمات کی وجہ سے بحمد اللہ تعالیٰ انھیں دیوبندی مسلک کا علمی ترجمان سمجھا جاتا ہے۔

دور طالب علمی میں میرا لکھنے پڑھنے کا ذوق دیکھ کر حضرت والد محترم کی خواہش اور کوشش رہی کہ میں اس محاذ پر ان کا معاون بنوں، چنانچہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر ان کی ضخیم تصنیف ''احسن الکلام'' کی ''اطیب الکلام'' کے نام سے تلخیص اسی کوشش کا ثمرہ تھا اور اس موقع پر میرے لیے خوشی کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کتابچہ پر جو پیش لفظ اس وقت میں نے تحریر کیا تھا، اس میں والد محترم مدظلہ نے ایک جملہ کی تبدیلی کے علاوہ اور کسی تصحیح کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے اس میں ''بیک بندش چشم'' کی اصطلاح استعمال کی تھی جسے انھوں نے ''چشم زدن'' کے محاورہ سے تبدیل کر دیا اور اس کے علاوہ میرے لکھے ہوئے ''پیش لفظ'' کو من وعن کتابچہ میں شامل کر لیا۔

اس پر مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ اس واقعہ کو چار عشروں سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود

Marfat.com

اس کا نشاط ابھی تک ذہن میں موجود ہے، مگر میں اس راہ پر نہ چل سکا، اس لیے کہ جمعیۃ طلبائے اسلام اور جمعیۃ علمائے اسلام کے پلیٹ فارم پر سیاسی سرگرمیوں میں متحرک ہو جانے کے بعد میرے فکر ونظر کا زاویہ قدرے مختلف ہو چکا تھا اور میرے لکھنے پڑھنے کے موضوعات میں اسلامی نظام کی اہمیت وضرورت، مغربی فلسفہ وثقافت کی یلغار، اسلام پر مغرب کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات وشبہات، آج کے عالمی تناظر میں اسلامی احکام وقوانین کی تشریح، اسلامائزیشن کے علمی وفکری تقاضے، نفاذ اسلام کے حوالے سے دینی حلقوں کی ضروریات اور ذمہ داریاں، اسلام دشمن لابیوں کی نشان دہی اور تعاقب اور ان حوالوں سے طلبہ، دینی کارکنوں اور باشعور نوجوانوں کی راہ نمائی اور تیاری کو اولین ترجیح کا درجہ حاصل ہو گیا تھا، چنانچہ گزشتہ پینتالیس برس سے انھی موضوعات پر مسلسل لکھتا چلا آ رہا ہوں۔

میں بحمد اللہ تعالیٰ راسخ العقیدہ سنی، شعوری حنفی اور متصلب دیوبندی ہوں اور اپنے دائرۂ کار کو کراس کیے بغیر ان مسائل پر سنجیدہ کام کرنے والوں سے حتی الوسع تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہتا ہوں، مگر میرا اپنا دائرۂ کار وہی ہے جن کا اوپر ذکر کر چکا ہوں اور اسی دائرے میں آخر وقت تک محنت کرتے رہنے کو اپنے لیے باعث سعادت ونجات سمجھتا ہوں۔ میرے لیے یہ بات خوشی کا باعث ہے کہ میرے چھوٹے بھائی اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاذ حدیث مولانا عبد القدوس قارن سلمہ نے حضرت والد محترم کا میدان سنبھال رکھا ہے اور وہ مسلسل اس خدمت کی پوری محنت اور ذوق کے ساتھ سرانجام دیتے آ رہے ہیں مگر اس کے باوجود اس بات کی خود مجھے شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ حضرت والد محترم کی تحقیقات وتصنیفات میں مختلف حوالوں سے علمی ابحاث اور معلومات کا جو ذخیرہ بکھرا ہوا ہے، اسے اختلافی مسائل کے تناظر سے ہٹ کر مثبت انداز میں بھی سامنے لایا جائے تاکہ وہ لوگ جو کسی بھی وجہ سے اختلافی مسائل کے حوالے سے مطالعہ کا ذوق نہیں رکھتے، وہ بھی اس سے استفادہ کر سکیں، بلکہ میرے سامنے اس کی افادیت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ وہ یہ کہ یہ مباحث اگر مثبت انداز میں از سر نو مرتب ہو جائیں تو نہ صرف دینی مدارس کے مدرسین بلکہ کالجوں میں اسلامیات کے

Marfat.com

اساتذہ کے لیے بھی بہت مفید ہوں گے بلکہ آج کے عمومی حالات کے تناظر میں دینی مدارس اور عصری کالجوں کے دینیات کے نصاب میں تبدیلی، اصلاح اور ترمیم واضافہ کے لیے جو آواز اٹھائی جا رہی ہے اور اس پر کسی درجے میں کام بھی ہو رہا ہے، اس میں یہ علمی ذخیرہ نئی نصاب سازی کے لیے ایک بہتر بنیاد بن سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چند سال قبل، حضرت والد محترم کی زندگی کے آخری عرصے میں جب میرے بڑے بیٹے حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ نے بتایا کہ وہ اپنے دادا محترم کی تصنیفات پر اس حوالے سے کام کر رہا ہے اور اس نے اس سلسلے میں چند مجموعے مرتب بھی کر لیے ہیں تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، چنانچہ ''علوم الحدیث- اصول ومبادی'' کے عنوان پر ان میں سے ایک مسودہ میں خود لے کر حضرت والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں اس بات کی اطلاع دیتے ہوئے دعا کی درخواست کی تو انھوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور اس کام کی تکمیل اور کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔ بعد میں عزیزم عمار خان سلمہ بھی ان کی خدمت میں اس کی باقاعدہ اجازت کی درخواست کے لیے حاضر ہوا تو انھوں نے اجازت کے ساتھ دعاؤں سے نوازا۔

میرے دل میں ایک کسک شروع سے رہی ہے کہ میں اپنی علمی وفکری تگ وتاز کا میدان مختلف ہو جانے کے باعث حضرت والد محترم کا ان کی جدوجہد کے میدان میں معاون نہیں بن سکا۔ اس کسک کے ایک پہلو کی کسی حد تک تسکین برادرم مولانا عبد القدوس قارن سلمہ، عزیزم مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی سلمہ، برادرم مولانا عبد الحق خان بشیر سلمہ اور برادرم مولانا قاری حماد الزہراوی سلمہ کی مسلکی سرگرمیاں دیکھ کر ہوتی رہتی ہے، جبکہ دوسرے پہلو کی تسکین کا سامان عزیزم عمار خان سلمہ نے فراہم کر دیا ہے اور میں پورے اطمینان اور خوشی کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے محفوظ رکھیں، اس کار خیر کی جلد از جلد تکمیل کی توفیق دیں اور اپنی صلاحیتوں کو دین حق کی خدمت کے لیے صرف کرتے رہنے کے مواقع، توفیق، اسباب اور پھر قبولیت ورضا سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی

Marfat.com

دیباچہ

استاذ گرامی وجد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی زندگی دینی علوم کی تعلیم وتدریس اور قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ وسیرت کے ذخائر کے مطالعہ سے عبارت رہی ہے اور ان کی وسعت مطالعہ، دینی علوم کے دقائق اور اکابر اہل علم کی آرا واقوال پر ان کی گہری نظر کا اعتراف ہر اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جسے مختلف اور متنوع موضوعات پر ان کی تصانیف دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی تحقیق وتصنیف کا موضوع زیادہ تر وہ مسائل ومباحث رہے ہیں جو اہل سنت اور اہل بدعت کے مابین اور اسی طرح احناف اور اہل حدیث وغیرہ کے مابین متنازع فیہ امور کہلاتے ہیں، تاہم اپنے ذوق اور مزاج کے لحاظ سے چونکہ وہ دینی علوم کے ایک پختہ کار ناقد اور محقق ہیں، اس لیے اس طرح کے موضوعات پر گفتگو کے دوران میں بھی انھوں نے سنجیدہ اور ٹھوس علمی بحث کا طریقہ اختیار کیا ہے اور زیر بحث نکتے سے متعلق مختلف اصولی وعلمی بحثوں کی وضاحت کے علاوہ، جن کا دائرہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام اور دیگر علوم تک پھیلا ہوا ہے، انھوں نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے کہ متعلقہ موضوع پر سند سمجھے جانے والے ائمہ اور محققین کی زیادہ سے زیادہ آرا اور عبارات کو بھی باحوالہ جمع کر دیا جائے۔ اس طرح ان کی تصانیف اپنے علمی مواد اور افادیت کے اعتبار سے محض بعض فروعی مسائل کی وضاحت تک محدود نہیں رہیں بلکہ دینی علوم کے متنوع اصولی اور مستقل افادیت رکھنے والے مباحث کا بھی ایک

Marfat.com

گراں قدر ذخیرہ بن گئی ہیں۔

مجھے حضرت رحمہ اللہ کی ان تصانیف کی طرف مراجعت کا موقع وقتاً فوقتاً ملتا رہتا ہے اور ہر موقع پر مجھے اس بات کا شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کے جن مختلف اور متنوع مباحث پر اپنی محنت اور وسعت مطالعہ کا حاصل پیش کیا ہے، وہ بعض ضمنی اور فروعی مسائل کے تحت زیر بحث آنے کی وجہ سے دب گئے ہیں اور دینی علوم کے طلبہ اور اہل علم کے لیے ان سے ان کی مستقل حیثیت میں استفادہ کرنا آسان نہیں رہا۔ استاذ گرامی کی مبسوط اور مختصر تصانیف کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے اور ان میں زیر بحث آنے والے مسائل وموضوعات اور علمی نکات کا کوئی انڈیکس بھی ابھی تک میسر نہیں، چنانچہ یہ اندازہ کرنا ممکن نہیں کہ کس علمی بحث سے متعلق کہاں اور کس نوعیت کی تفصیل مل سکے گی۔

میں اسی احساس کے تحت حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف کے مطالعہ کے دوران میں اس نوعیت کی علمی بحثوں کی ایک الگ فہرست اس ارادے سے مرتب کرتا رہا ہوں کہ اہل علم کی سہولت اور استفادہ کے لیے ان مباحث کو ترتیب دے کر مستقل مجموعوں کی صورت میں پیش کیا جائے۔ حضرت رحمہ اللہ کے ایام علالت میں جب ان کی تصانیف پر مبنی اس طرح کے مجموعوں کی ترتیب وتدوین کا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا گیا تو انھوں نے کمال شفقت ومحبت سے نہ صرف فی الفور اس کی اجازت دے دی بلکہ حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اس ارادے میں کامیابی کے لیے دعا بھی فرمائی۔

بحمد اللہ تعالیٰ ''علوم الحدیث: اصول ومبادی'' کے نام سے زیر نظر مجموعہ اس سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جبکہ اسی نہج پر اصول تفسیر، اصول فقہ، علم عقائد اور سیرت وغیرہ کے موضوعات پر مجموعوں کی ترتیب وتدوین کا کام جاری ہے۔ یہ مباحث جن تصانیف سے لیے گئے ہیں، ان کے حوالے ساتھ ہی ساتھ درج کر دیے گئے ہیں تاکہ اصل سے مراجعت کرنا آسانی ممکن ہو۔ عبارت میں ربط پیدا کرنے، اسے مناسب حال یا قاری کے لیے قابل فہم بنانے کی غرض سے حضرت رحمہ اللہ کی اصل عبارات میں حسب موقع جزوی ترمیم، تقدیم وتاخیر اور تسہیل سے بھی کام لیا گیا ہے، جبکہ بہت سے مقامات پر عربی عبارات کے ترجمے شامل کیے گئے ہیں۔ متعدد مقامات پر زیر بحث نکتے

Marfat.com

سے متعلق بعض مفید اضافی معلومات یا مثالوں کا اضافہ کیا گیا اور انھیں حاشیے میں درج کر دیا گیا ہے یا ''اضافہ از مرتب'' کے الفاظ سے ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔اس طرح اس مجموعے کی تیاری میں مرتب نے اپنی بساط کی حد تک جو کوشش اور کاوش صرف کی ہے، امید ہے کہ علم حدیث کے طلبہ اسے مفید پائیں گے۔

قارئین سے استدعا ہے کہ وہ ہمارے جلیل القدر بزرگوں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحمید سواتی نوراللہ مرقدہ کی مغفرت ورفع درجات کے لیے خصوصی دعا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست کریں کہ وہ ان بزرگوں کی علمی ودینی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی برکات وفیوض کے سلسلے کو جاری رکھے، اوران کے اہل خاندان، تلامذہ ومتوسلین اور ان کی سرپرستی میں قائم ہونے والے اداروں، بالخصوص مدرسہ نصرۃ العلوم اور الشریعہ اکادمی کو اپنے بزرگوں کی علمی، دینی اور اخلاقی روایت کے مطابق دین حق کی خدمت کے تسلسل کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد عمار خان ناصر

Marfat.com

-۱-

علوم الحدیث۔مختصر تعارف

Marfat.com

چند بنیادی اصطلاحات

''حدیث'' کا لغوی واصطلاحی معنی

لغت میں حدیث کے معنی بات یا کلام کے ہوتے ہیں، عام اس سے کہ بات کرنے والا اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ اسی لغوی معنی میں قرآن کریم پر 'حدیث' کا لفظ بولا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ' (المرسلات ۷۷:۵۰)۔''اس کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

عام اصطلاح میں حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور ارشادات کو کہتے ہیں۔آپ کے ارشاد پر 'حدیث' کے لفظ کا اطلاق قرآن سے ثابت ہے۔ارشاد باری ہے: 'وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ' (الاحزاب ۳۳: ۵۳)''اور (پیغمبر کے گھر میں) باتوں میں دھیان لگا کر نہ بیٹھ جاؤ۔'' ایک تفسیر کی رو سے آپ کے گھر کھانا کھانے کے بعد کچھ لوگ آپ کی باتیں سننے کے لیے بیٹھ گئے جس سے آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو تکلیف ہوئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ آپ کی باتوں کے ساتھ مانوس ہونے کے لیے آپ کے گھر میں مت بیٹھو۔اسی طرح سورۃ التحریم میں ارشاد ہے: 'وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا' (التحریم ۶۶: ۳)''اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی کو راز کی ایک بات بتائی۔''اس مقام پر بھی آپ کے ارشاد پر لفظ حدیث بولا گیا ہے۔اس سے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ باطل ہوا کہ حدیث قرآن ہی ہے اور اس کے علاوہ حدیث کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اصطلاح محدثین میں حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ الحنفی (المتوفی ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں:

Marfat.com

هـو عـلـم يبحث فيه عن كيفية اتصال الاحاديث بالرسول صلى الـلـه عـلـيـه وسلم من حيث احوال رواته ضبطاً وعدالة ومن حيث كـيـفية السـند اتصالاً وانقطاعا وغير ذالك من الاحوال التي يعرفها نقاد الاحاديث (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ،١/٣٩٧)

''اس علم میں احادیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونے کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے، اس پہلو سے کہ ضبط اور عدالت کے اعتبار سے اس کے راویوں کے احوال کیا ہیں، اور سند متصل ہے یا منقطع، اور ان کے علاوہ دیگر پہلو جنھیں احادیث کو پرکھنے والے علما جانتے ہیں۔''

علامہ احمد بن عبدالخالق الزرقانی المالکی (المتوفی ١٢٢٢ھ) شرح بیقونیا میں لکھتے ہیں: 'عـلـم بـقـوانـيـن اى قـواعـد يعرف بها احوال السند والمتن من صحة وحسن ...' الخ۔ (یہ ان قوانین یعنی قواعد کا علم ہے جن کے ذریعے صحیح اور حسن ہونے کے اعتبار سے سند اور متن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں)۔

ان دونوں تعریفوں میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔

علامہ بدرالدین محمود عینی (المتوفی ٨٥٥ھ) 'عمدۃ القاری شرح البخاری' کے مقدمہ میں، علامہ محمد بن یوسف کرمانی (المتوفی ٧٨٦ھ) 'الکواکب الدراری شرح البخاری' میں، علامہ سیوطی 'تدریب الراوی' ص ٥ میں اور شیخ محمد اعلیٰ تھانوی 'کشاف اصطلاحات الفنون' میں یوں تعریف کرتے ہیں: 'هـو علم يعرف به اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله واحـوالـه' ۔ (اس علم کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی معرفت حاصل کی جاتی ہے)۔

توجیہ النظر ص ٢ میں ہے: 'الـحـديـث اقـوال النبي صلى الله عليه وسلم وافعاله ويـدخـل في افعاله تقريره' ۔ (حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو کہا جاتا ہے، اور افعال میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ نے خاموشی اختیار کر کے کسی کام کی اجازت دی ہو)۔ پھر آگے لکھتے ہیں: 'وهذا التعريف هو المشهور عند علماء الحديث' ۔ (علمائے حدیث

Marfat.com

کے نزدیک یہی تعریف مشہور ہے)۔

تدریب الراوی ص۵ میں ہے:'قال الشیخ عز الدین بن جماعة علم الحدیث علم بقوانین یعرف بها احوال السند والمتن'۔(الشیخ عزالدین بن جماعۃ نے کہا ہے کہ علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن کے ذریعے سے سند اور متن کے احوال کو جانا جاتا ہے)۔

ابن جماعۃ کے حوالے سے بعینہ یہی الفاظ مقدمہ فتح الملہم ص۲ میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔[۱]

''سنت'' کا مفہوم

یہ یاد رہے کہ حدیث اور سنت دونوں الفاظ مترادفہ ہیں اور اکثر محدثین کرام کا یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر پر لفظ حدیث اور لفظ سنت دونوں کا اطلاق ہوتا ہے۔اور بعض کے نزدیک لفظ حدیث صرف قول پر اطلاق ہوتا ہے اور لفظ سنت قول وفعل اور تقریر سب پر بولا جاتا ہے اور اس لحاظ سے لفظ سنت عام ہے۔[۲]

توجیہ النظر ص۳ میں ہے:

واما السنة فتطلق فی الاکثر علی ما اضیف الی النبی صلی الله علیه وسلم من قول او فعل او تقریر فهی مرادفة للحدیث عند علماء الاصول وهی اعم منه عند من خص الحدیث بما اضیف الی النبی صلی الله علیه وسلم من قول فقط۔

''سنت کے لفظ کا اطلاق عام طور پر ان اقوال وافعال اور تقریرات پر ہوتا ہے جن کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔چنانچہ علمائے اصول کے نزدیک یہ حدیث کے ہم معنی ہے۔البتہ جو علما حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اقوال کے ساتھ خاص کرتے ہیں،ان کے نزدیک سنت کا لفظ زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔'' [۳]

علم حدیث کا موضوع

مفتاح السعادۃ ۱/۳۹۷ میں ہے:'الفاظ الرسول صلی الله علیه وسلم من

Marfat.com

حیث صحة صدورها عنه صلی الله علیه وسلم وضعفه الی غیر ذلک'۔ (علم حدیث کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، اس حیثیت سے کہ صحت اور ضعف اور بعض دیگر پہلوؤں سے ان کے آپ سے صادر ہونے کی حالت کیا ہے)۔

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) مقدمہ حاشیہ نسائی ص ۱ میں لکھتے ہیں: 'المرویات والروایات من حیث الاتصال والانقطاع'۔ (علم حدیث کا موضوع مرویات اور روایات ہیں، اس پہلو سے کہ وہ متصل ہیں یا منقطع)۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) مقدمہ حاشیہ بخاری ص ۱۲ میں لکھتے ہیں: 'موضوع علم الحدیث ذات رسول الله صلی الله علیه وسلم'۔ (علم حدیث کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے)۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی ص ۲ میں لکھتے ہیں: 'وموضوعه احادیث الرسول صلی الله علیه وسلم من حیث دلالتها علی المعنی المفهوم'۔ (علم حدیث کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، اس پہلو سے کہ وہ معنی مقصود پر دلالت کرتی ہیں)۔

شیخ عزالدین بن جماعۃؒ فرماتے ہیں: 'وموضوعه السند والمتن'۔ (بحوالہ تدریب الراوی، ص ۵ ومقدمہ فتح الملہم، ص ۲) اور یہی الفاظ شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) نے بیان فرمائے ہیں جو کہ آپ کے شاگرد مولانا علی احمد صاحب الخلیلی بنگالی نے ہدیۃ المجتبیٰ، ص ۲ میں تحریر کیے ہیں اور یہی الفاظ آپ نے اپنی تقریر ترمذی میں فرمائے ہیں۔

علم حدیث کی غرض وغایت

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ مقدمہ حاشیہ بخاری ص ۱۲ میں، نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۳۴ میں، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱ میں اور علامہ سیوطی تدریب الراوی ص ۵ میں لکھتے ہیں: 'واما فائدته

Marfat.com

فهی الفوز بسعادة الدارین'۔(علم حدیث کا فائدہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا ہے) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲ میں یہ بھی منقول ہے:'وغایته التحلی بالآداب النبویة صلی الله علیه وسلم والتخلی عما یکرهه وینهاه'۔ (اس علم کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے آداب سے اپنے آپ کو مزین کرنا اور آپ کی ناپسند اور ممنوع کردہ باتوں سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے) اور علامہ عزالدین محمد بن ابی بکر عبدالعزیز بن جماعۃ الکنانی (المتوفی ۸۱۹ھ) فرماتے ہیں:'وغایته معرفة الصحیح من غیره'۔(تدریب الراوی ص۵ و مقدمہ فتح الملہم ص۲) یعنی اس علم کا مقصد یہ ہے کہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں فرق کیا جاسکے۔

روایت حدیث و درایت حدیث

علم حدیث اصولی طور پر دو قسموں کی طرف منقسم ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ الحطہ ص۳۶ میں اور مبارک پوری صاحب مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲ میں لکھتے ہیں:

وهو ینقسم الی العلم بروایة الحدیث وهو علم یبحث فیه عن کیفیة اتصال الحدیث بالرسول صلی الله علیه وسلم من حیث احوال رواتها ضبطاً وعدالة ومن حیث کیفیة السند اتصالاً وانقطاعاً وغیر ذلك وقد اشتهر باصول الحدیث والی علم بدرایة الحدیث وهو علم باحث عن المعنی المفهوم من الفاظ الحدیث وعن المراد منها مبنیا علی قواعد العربیة وضوابط الشرعیة ومطابقا لاحوال النبی صلی الله علیه وسلم۔

''علم حدیث دو شعبوں میں منقسم ہے۔ایک علم روایت حدیث، جس میں حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونے کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے، اس پہلو سے کہ ضبط اور عدالت کے اعتبار سے اس کے راویوں اور متصل یا منقطع ہونے کے لحاظ سے اس کی سند کے کیا احوال ہیں۔ یہ شعبہ اصول حدیث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا شعبہ علم درایت حدیث ہے جس میں عربی زبان کے قواعد، شریعت کے اصول وقواعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

احوال کے ساتھ موافقت کوملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ حدیث کے معنی ومفہوم اور مراد و مقصود سے بحث کی جاتی ہے۔'' [۴]

'اہل الحدیث' کا مصداق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ایک ایسے گروہ کے موجود رہنے کی پیشین گوئی فرمائی ہے جوحق پر قائم رہے گا۔آپ نے فرمایا:

لا یزال طائفة من امتی منصورین لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة (ترمذی، رقم ۲۱۱۸)

''میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم ہوتے ہوئے غالب رہے گا،اس کا ساتھ چھوڑنے والے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ اسی حالت میں اللہ کا فیصلہ آجائے۔''

اس طائفہ منصورہ کا مصداق بعض محدثین عظام نے اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کے گروہ کو قرار دیا ہے، چنانچہ امام ترمذی شیخ المحدثین امام علی بن المدینی سے نقل کرتے ہیں کہ 'هم اصحاب الحدیث' (ترمذی، رقم ۲۱۱۸) ''طائفہ منصورہ سے مراد اصحاب الحدیث ہیں۔'' امام عبداللہ بن المبارک ارشاد فرماتے ہیں کہ 'هم عندی اصحاب الحدیث' (شرف اصحاب الحدیث للبغدادی ص ۲۶۔ مفتاح الجنة للسیوطی، ص ۶۸) ''وہ میرے نزدیک اصحاب الحدیث ہیں۔'' امام بخاری سے ایک روایت میں یوں آتا ہے: 'هم اهل العلم بالآثار' (فتح الباری، ۱/۱۳۴) ''یہ وہ لوگ ہیں جو احادیث کا علم رکھتے ہیں۔'' امام احمد بن حنبل اور یزید بن ہارون ارشاد فرماتے ہیں کہ 'ان لم یکونوا اهل الحدیث فلا ادری من هم' (نووی شرح مسلم ۲/۱۴۳۔ فتح الباری، ۱/۱۳۴۔ تفسیر القرطبی، ۸/۲۹۶) ''اگر طائفہ منصورہ اہل حدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون ہوسکتا ہے؟'' سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ 'ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحدیث' (غنیة الطالبین، ص ۱۹۸) ''ان کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ اصحاب الحدیث ہے۔''

Marfat.com

اس قسم کے متعدد حوالہ جات سے یہ ثابت ہے کہ اہل حق اور طائفہ منصورہ کا مصداق اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہیں۔ اہل حدیث سے وہ حضرات مراد ہیں جو حدیث کے حفظ وفہم اور اس کی اتباع اور پیروی کے جذبہ سے سرشار اور بہرہ ور ہوں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

ونحن لا نعني باهل الحديث المقتصرين على سماعه او كتابته او روايته بل نعني بهم كل من كان احق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهرا وباطنا واتباعه باطنا وظاهر وكذالك اهل القرآن۔

(نقض المنطق، ص ۱۸ طبع قاہرہ، ۱۹۵۱)

''ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو محض اس کو سننے یا لکھنے یا روایت کرنے والے ہوں، بلکہ ہم اہل حدیث سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اس کے حفظ ومعرفت کا اہل ولائق اور اس کے ظاہر وباطن کو سمجھنے والا اور اس کے باطن وظاہر پر عمل کرنے والا ہو اور یہی معنی ہیں اہل قرآن کے۔''

اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ اہل حدیث صرف اور محض وہی نہیں جو حدیث کی روایت وحفظ کا علم بردار ہو اور درایت اور فقہ حدیث کا منکر ہو، بلکہ اہل حدیث کے مفہوم کے لیے روایت اور حفظ کے علاوہ معرفت وفہم اور اتباع بھی ضروری ہے جیسا کہ اہل القرآن وہ نہیں جو زمانہ حال کے ملحدین کی طرح حدیث کا منکر ہو بلکہ اہل القرآن وہ ہے جو قرآن کے الفاظ ومعانی، حفظ ومعرفت اور اتباع کا پورا دل دادہ ہو۔

علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر تحریر فرماتے ہیں:

اذ من المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عنى به وانقطع فى طلبه .... فهولاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا .... وقد ذكر ائمة الحديث ما يقتضى ذلك فانهم مجمعون على ان ابا عبد الله الحاكم بن البيع من ائمة الحديث مع معرفتهم انه من الشيعة۔

(الروض الباسم ۱/۱۲۲ طبع مصر)

۱۶۰۰۷۶

Marfat.com

''یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اہل حدیث ہر اس شخص کا نام ہے جس نے تحصیل حدیث کا اہتمام کیا اور اس کی طلب میں یکسو ہوگیا۔پس یہ حضرات اہل حدیث ہیں،خواہ ان کا جس مذہب سے بھی تعلق ہو۔خود ائمہ حدیث کے بیان سے اس کا ثبوت ملتا ہے،کیونکہ وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ امام حاکم ائمہ حدیث میں سے ہیں،حالانکہ محدثین جانتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے۔''

اس سے آشکارا ہوگیا کہ ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جس نے تحصیل اور طلب حدیث کا اہتمام کیا ہو اور حدیث کے لیے سعی اور کاوش کی ہو،عام اس سے کہ وہ حنفی ہو یا مالکی،شافعی ہو یا حنبلی حتیٰ کہ شیعہ ہی کیوں نہ ہو،وہ بھی اہل حدیث ہے۔نواب صدیق حسن خان صاحب نے محدث ابن الطاہر کا حاکم صاحبِ مستدرک کے بارے میں کلام نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ''وایں دلیل است برآنکہ شیعی غالی بود لیکن ذہبی گفتہ:ھو شیعی لا رافضی''(ہدایۃ السائل،ص ۵۲۵ طبع بھوپال ۱۲۹۲)''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم غالی شیعہ تھے،البتہ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے،لیکن رافضی نہیں۔''رافضی نہ سہی،شیعہ سہی،بایں ہمہ وہ اہل حدیث ہیں۔امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اصحاب الحدیث پانچ ہیں جن میں ایک ابن جریج ہیں۔(بغدادی،۴۰۲/۱۰)اور یہ حضرت وہ ہیں جنھوں نے نوے عورتوں سے متعہ کیا تھا۔(میزان الاعتدال،۶۵۹/۲)

ذیل میں شیعہ حضرات کے چند محدثین کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔محمد بن عمر المعروف بابن الجعابی کو چار لاکھ احادیث یاد تھیں اور چھ لاکھ احادیث کا وہ مذاکرہ کر سکتے تھے۔امام ابو علی الحافظ فرماتے ہیں کہ میں نے بغدادیوں میں ان سے بڑا حافظ کوئی نہیں دیکھا۔(تاریخ بغداد،۸۲/۳)اور خطیب لکھتے ہیں کہ وہ اپنے وقت کے بڑے حفاظ میں تھے اور ان کا شیعہ ہونا معروف ہے۔(تاریخ بغداد،۲۶/۲)

۲۔ابوبکر بن دارم کو علامہ ذہبی الحافظ المسند اور محدث الکوفہ لکھتے ہیں اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ وہ الشیعی تھے۔(تذکرۃ الحفاظ،۹۴/۳)

۳۔ابو محمد الحسن بن احمد السبیعی کو علامہ ذہبی العلامۃ اور الحافظ اور 'من ائمۃ ھذا الشان' (اس فن کا امام)لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اس کے باوصف ہے کہ ان میں تشیع پایا جاتا تھا۔

Marfat.com

(تذکرۃ الحفاظ،۳/۱۵۳) خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، حافظ اور بکثرت روایت کرنے والے تھے۔(ایضاً ص۱۵۴)

۴۔جعفر بن زیاد الکوفی وقت کے محدث تھے۔امام احمد ان کو صالح الحدیث، ابن معین ثقہ، ابوداؤد صدوق، اور ابن عمار صالح کہتے ہیں، اور سب کہتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے۔(بغدادی ۷/۱۵۰۔۱۵۲)

۵۔ابن خراش، الحافظ البارع اور الناقد تھے۔امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن خراش سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا، مع ہذا وہ نہ صرف یہ کہ شیعہ تھے بلکہ رافضی تھے اور انھوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے مثالب پر کتاب لکھی تھی۔(تذکرۃ الحفاظ،۲/۲۳۰)

۶۔ابوغسان الحافظ اور الحجہ تھے۔ثقہ اور ثبت ہونے کے علاوہ 'من ائمة المحدثین' (محدثین کے امام) بھی تھے۔امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ وہ تشیع میں بہت سخت تھے۔(تذکرۃ الحفاظ،۱/۳۶۴)

۷۔ابواحمد الزبیری الحافظ اور الثبت تھے۔امام وکیع بن الجراح کے ہم پایہ سمجھے جاتے تھے اور حضرت امام بخاری کے استاد تھے۔محدث بندار فرماتے ہیں کہ میں نے ابواحمد سے بڑھ کر کوئی بڑا حافظ نہیں دیکھا۔امام عجلی فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے۔(تذکرۃ الحفاظ،۱/۳۵۷)

۸۔عبیداللہ بن موسیٰ امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں مگر بایں ہمہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ وہ جلا بھنا شیعہ تھا۔(میزان الاعتدال،۳/۱۶)

۹۔محمد بن فضیل بن غزوان المحدث اور الحافظ تھے اور یہ حضرت بھی شیعہ تھے۔امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ وہ جلا بھنا شیعہ تھا۔(تذکرۃ الحفاظ،۱/۲۹۰)

بہت سے ایسے حضرات بھی تھے جو مذہباً معتزلی تھے مگر علم حدیث کی خدمت کی وجہ سے محدثین کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔مثلاً ابوسعد اسماعیل بن علی السمان جو الحافظ الکبیر اور المتقن تھے اور علامہ کتانی کا بیان ہے کہ وہ بڑے حفاظ میں سے تھے اور زاہد و عابد تھے اور معتزلی مذہب کے شیدائی تھے۔(تذکرۃ الحفاظ،۳/۳۰۰)

Marfat.com

یہ حوالہ جات اس امر کی نشان دہی کے لیے کافی ہیں کہ جن جن کتابوں میں لفظ 'اہل حدیث' یا 'محدث' یا 'اہل اثر' یا 'اصحاب الحدیث' وغیرہ آیا ہے، اس سے ہر وہ شخص یا وہ جماعت مراد ہے جو حدیث کی حفظ و معرفت اور روایت و درایت میں کوشاں رہی ہو۔ فقہی طور پر اس کا مسلک خواہ کچھ ہی ہو، حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی یا معتزلی، خواہ اس نے نوے عورتوں سے متعہ بھی کیا ہو، یہاں تک کہ اگر وہ شیعہ اور رافضی ہو اور شیخین کے مثالب پر اس نے کتابیں بھی لکھی ہوں، محدثین کی اصطلاح میں وہ 'اہل حدیث' ہی ہوگا۔[۵]

o فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب درمختار (مصنفہ علامہ علاؤالدین محمد بن علی الحصکفی) اور اس کی شرح ردالمحتار (مولفہ علامہ محمد امین الشامی) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے 'اصحاب الحدیث' پر کوئی چیز وقف کی تو شافعی المسلک اس میں داخل نہ ہوگا، تاوقتیکہ وہ حدیث کی طلب نہ کرتا ہو۔ اور حنفی، اصحاب الحدیث کے زمرہ میں داخل ہے، عام اس سے کہ وہ طلب حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتا ہے اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتا ہے (لہٰذا وہ 'اہل حدیث' کا اولین مصداق ہے)۔ (رد المحتار ۲/۴۶۹)

اس سے یہ ثابت ہو کہ اگر مطلقاً اصحاب الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے احناف ہی مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسلک مرسل کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے، اگرچہ وہ طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں، کیونکہ وہ اصولاً سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر شافعی المسلک حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقف کے حق دار ہیں۔[۶]

سندوں کی کثرت اور احادیث کی تعداد

بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ جب تین یا پانچ یا چھ یا دس لاکھ احادیث کا ذکر

Marfat.com

آتا ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس سے متون حدیث مراد ہیں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حضرات محدثین کرام کی یہ جداگانہ اصطلاح ہے کہ اگرچہ متن حدیث ایک ہی ہو، جب اس کی سند اور سند کا کوئی ایک راوی بھی بدل جائے تو اس کو وہ اپنی اصطلاح میں الگ اور جداگانہ حدیث سمجھتے ہیں۔ چنانچہ محدث جعفر بن خاقان کا بیان ہے کہ میں نے مشہور محدث امام ابراہیم بن سعید الجوہریؒ سے حضرت ابوبکر کی ایک حدیث دریافت کی تو انھوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ جا کر حضرت ابوبکر کی حدیثوں کی تیئیسویں جلد نکال لاؤ۔ ابن خاقان فرماتے ہیں کہ میں حیران ہو گیا، کیونکہ حضرت ابوبکر سے بمشکل پچاس حدیثیں ثابت ہیں تو انھوں نے حضرت ابوبکر کی احادیث کا اتنا مجموعہ کیسے اور کہاں سے تیار کر لیا جس کی تیئیس جلدیں ہیں۔ میں نے ابراہیم بن سعید سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ 'کل حدیث لایکون عندی من مائة وجه فانا فیه یتیم (تذکرۃ الحفاظ، ۸۹/۲) یعنی جو حدیث میرے پاس سو سندوں سے نہ ہو، میں اس میں اپنے آپ کو یتیم سمجھتا ہوں۔ علامہ احمد بن حسن مدیویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سے کل ایک سو چالیس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے چھ احادیث پر شیخین کا اتفاق ہے، گیارہ حدیثیں بخاری میں ہیں اور ایک حدیث مسلم میں ہے۔ (ہامش اکمال، ص ۵۸۷) باقی احادیث دیگر کتب حدیث میں ہیں۔

اسی طرح حضرت محدثین کرام جب لفظ 'حدیث' بولتے ہیں تو وہ اس سے مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے موقوفات اور آثار بھی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ علامہ بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۳۳/۷) بلکہ حضرات محدثین کرام کو قراءت وغیرہ سے متعلق روایات بھی مع سند یاد ہوتی تھیں اور ان کو بھی وہ حدیث ہی کی مد میں شامل سمجھتے تھے، چنانچہ امام ابوزرعہ کا دعویٰ تھا کہ مجھے دس ہزار حدیثیں تو صرف علم قراءت سے متعلق یاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۱۲۴/۲) امام العسال فرماتے تھے کہ مجھے پچاس ہزار حدیثیں صرف علم قراءت سے متعلق یاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۹۷/۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں آپ سے حدیث سننے والے حضرات صحابہ کرام تھے اور کوئی غیر صحابی راوی درمیان میں حائل نہیں ہوتا تھا، اس لیے احادیث کی تعداد

Marfat.com

بھی کم تھی۔ آپ کے زمانہ مبارک سے دور ہونے کی وجہ سے ائمہ حدیث کے زمانے میں رواۃ اور رجال سند کی کثرت کی وجہ سے احادیث کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہوگئی، کیونکہ جوں جوں سند بڑھتی گئی اور راوی بدلتے گئے، احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی، نہ یہ کہ متون حدیث بڑھ گئے۔ اگر کہیں سند کا ایک راوی بھی بدل گیا تو تعداد کے لحاظ سے وہ حضرات محدثین کرام کی اصطلاح میں الگ اور جدا حدیث بن گئی۔ اس کے ساتھ اگر حضرت صحابہ کرام اور تابعین کے آثار وموقوفات وفتاوی کو بھی شامل کرلیا جائے تو اس میں اور توسیع ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ جوں جوں سند طویل اور لمبی ہوتی جائے گی، رواۃ کی تعداد بڑھتی جائے گی، ان کی تعداد کے مطابق احادیث وآثار کی تعداد اور گنتی بھی بڑھتی جائے گی حتیٰ کہ متن حدیث میں کسی لفظ کے بدل جانے سے یا کسی صحابی یا نچلے رواۃ میں سے کسی راوی کے بدل جانے سے گنتی کے اعتبار سے متعدد حدیثیں بن جائیں گی، اگرچہ متن کے لحاظ سے ایک ہی حدیث ہو۔ مثلاً اگر کسی ایک محدث کو غیر مکرر ایک ہزار احادیث یاد ہیں اور ہر حدیث سو اور ساٹھ نہ سہی، اوسطاً دس طرق ہی سے ثابت ہو تو محدثین کی اصطلاح میں یہ دس ہزار حدیثیں ہوں گی۔ یہ بھی نہ بھول جایئے کہ حسب تصریح امام سیوطیؒ اکثر احادیث بالمعنیٰ مروی ہیں۔ (الاقتراح، ص ۱۶) اسی نقل بالمعنی کے اصول کے پیش نظر اگر کسی محدث نے تشریح اور تفسیر کے طور پر کسی حدیث میں تشریحی الفاظ درج کر دیے جو اکثر آخر میں ہوتے ہیں (شرح نخبۃ الفکر، ص ۶۲) تو ان کی اصطلاح میں یہ ایک الگ اور جداگانہ حدیث بن جائے گی۔

ایسی حدیث متن اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہوگی، مگر سو سندوں اور طریقوں سے جب وہ الگ الگ روایت کی جائے گی تو محدثین کرام کے نزدیک سو حدیثیں متصور ہوں گی اور اگر یہی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقوں سے مروی ہوگی تو وہ ان کے نزدیک ہزار حدیثیں ہوں گی۔ یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھیں۔ چنانچہ تدوین کتب حدیث سے پہلے کا کوئی ایسا حوالہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ لاکھ یا اس سے زیادہ حدیثیں کسی کو یاد تھیں۔ کتب تاریخ اور کتب اسماء الرجال وغیرہ میں آپ یہی پائیں گے کہ تدوین کتب حدیث کے زمانہ میں یا اس کے بعد ہی لوگوں کو لاکھ یا

Marfat.com

اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہوتی تھیں۔جن حضرات ائمہ کو لاکھ یا اس سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، مثلاً امام طیالسیؒ، امام عبدانؒ، امام ابن جعابیؒ، امام بخاریؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ، ان کا دور تدوین حدیث اور اس کے بعد کا دور تھا۔کتب حدیث کی مستقل تدوین اور فقہی ابواب پر ان کی ترتیب کے دور سے قبل اس قسم کا کوئی صریح حوالہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ فلاں بزرگ کو لاکھ یا اس سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ایسے الفاظ آپ کو بعد کے ادوار میں ہی ملیں گے۔

جہاں تک اصل متون حدیث کی تعداد کا تعلق ہے تو وہ باتفاق محدثین عظام، جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیان بن سعید ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ قابل ذکر ہیں، یہ ہے:

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی الله علیه وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة آلاف واربع مائة حدیث۔

(الامیر الیمانی،توضیح الافکار،ص ۶۳ طبع مصر)

''بلاشبہ تمام وہ مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں، ان کی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے۔''

امام حاکم اپنی کتاب المدخل، ص ۷ میں لکھتے ہیں کہ اگر تمام صحیح اور حسن قسم کی روایات کی چھان بین کی جائے تو ان کے متون دس ہزار تک نہیں پہنچ سکتے۔[۷]

Marfat.com

علوم الحدیث پر معروف ومتداول تصانیف

حضرات محدثین کرام اور فقہاے عظام نے حدیث کی سند اور معنی کی حفاظت کے لیے تقریباً پینسٹھ علوم ایجاد کیے ہیں جن کی روشنی میں احادیث کی صحت وسقم اور معانی کی درستی اور نادرستی سے بخوبی آگاہی ہوسکتی ہے۔ہم طلبہ علم کی معلومات کی خاطر اصول حدیث کی چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ امت مرحومہ نے کس محنت شاقہ سے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتوں کی حفاظت کی ہے۔

مصطلح الحدیث

فن اصطلاح حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابومحمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامہرمزی نے 'المحدث الفاصل بین الراوی والواعی' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔اس کے بعد متعدد علمائے ملت نے نظم ونثر میں اس فن پر طبع آزمائی کی اور عمدہ ونفیس کتابیں لکھ کر عالم اسباب میں امت پر احسان کیا۔ان میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ ان کے مصنفین کے ناموں اور سنین وفات کے ساتھ ذیل میں کیا جاتا ہے:

☆ معرفة علوم الحدیث	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکمؒ	۴۰۵ھ
☆ المدخل	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکمؒ	۴۰۵ھ
☆ المستخرج علیٰ علوم الحدیث	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانیؒ	۴۳۰ھ
☆ الکفایة فی علوم الروایة	حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادیؒ	۴۶۳ھ

Marfat.com

☆ الجامع لآداب الشیخ والسامع	حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادیؒ	۴۶۳ھ
☆ الالماع	قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبیؒ	۵۴۴ھ
☆ ما لا یسع المحدث جهله	ابوحفص عمر بن عبدالمجید القرشیؒ	۵۸۰ھ
☆ مقدمة ابن الصلاح	امام تقی الدین ابوعمرو عثمان بن الصلاحؒ	۶۴۹ھ
☆ الباعث الحثیث	عمادالدین اسماعیل بن کثیرؒ	۷۷۴ھ
☆ محاسن الاصطلاح فی تضمین نکت ابن الصلاح	سراج الدین ابوحفص عمر بن رسلان البلقینیؒ	۸۰۵ھ
☆ التقیید والایضاح	زین الدین عبدالرحیم العراقیؒ	۸۰۶ھ
☆ توضیح الافکار	محمد بن اسماعیل الامیر الیمانیؒ	۸۴۰ھ
☆ نخبة الفکر	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجرؒ	۸۵۲ھ
☆ نزهة النظر شرح نخبة الفکر	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجرؒ	۸۵۲ھ
☆ النکت علی ابن الصلاح	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجرؒ	۸۵۲ھ
☆ الافصاح بتکمیل النکت علی ابن الصلاح	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجرؒ	۸۵۲ھ
☆ فتح المغیث فی شرح الفیة الحدیث	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ	۹۰۲ھ
☆ تدریب الراوی	امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطیؒ	۹۱۱ھ
☆ الیواقیت والدرر شرح نخبة الفکر	عبدالرؤف بن تاج الدین المناویؒ	۱۰۳۱ھ
☆ توجیه النظر الیٰ اصول الاثر	علامہ طاہر بن احمد الجزائریؒ	۱۳۳۸ھ
☆ قواعد التحدیث	جمال الدین القاسمیؒ	۱۳۳۲ھ
☆ جامع بیان العلم وفضله	ابن عبدالبرؒ	۴۶۳ھ
☆ شروط الائمة الخمسة	ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمیؒ	۵۸۴ھ

Marfat.com

اس کے علاوہ اصول حدیث، اقسام حدیث، علل حدیث اور احوال رجال وغیرہ پر مقدمہ فتح الباری لابن حجر، مقدمہ عمدۃ القاری بدرالدین محمود بن احمد العینی، مقدمہ شرح مسلم للنووی، مقدمہ نصب الرایہ لزاہد الکوثری، مقدمہ فتح الملہم لمولانا شبیر احمد عثمانی، مقدمہ تحفۃ الاحوذی لمولانا مبارک پوری، مقدمہ اعلاء السنن لمولانا ظفر احمد عثمانی، مقدمہ معارف السنن لمولانا بنوری، مقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث للشیخ عبدالحق محدث دہلوی، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ للنواب صدیق حسن خان، عجالہ نافعہ وبستان المحدثین للشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مقدمہ حاشیہ بخاری لمولانا احمد علی سہارن پوری، مقدمہ بذل المجہود لمولانا خلیل احمد سہارنپوری، مقدمہ لامع الدراری لمولانا محمد یحیٰ کاندھلوی، مقدمہ امانی الاحبار لمولانا محمد یوسف، مقدمہ ترجمان السنۃ لمولانا محمد بدر عالم مدنی، مقدمہ انوار الباری لمولانا سید احمد رضا بجنوری، ماتمس الیہ الحاجۃ لمولانا عبدالرشید نعمانی رحمہم اللہ وغیرہ میں بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔

ضعیف احادیث اور رواۃ پر مشتمل کتب

حضرات محدثین کرام نے احادیث کو اصلی شکل میں محفوظ رکھنے کے لیے ضعیف رواۃ کے بارے میں الگ تصانیف لکھی ہیں تاکہ آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر کے ضعیف احادیث اور ضعیف رواۃ کی روایات سے اجتناب کر سکیں۔ اس سلسلے کی کتب بھی بے شمار ہیں۔ چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

☆ الضعفاء الکبیر	امام بخاریؒ	۲۵۶ھ
☆ الضعفاء الصغیر	امام بخاریؒ	۲۵۶ھ
☆ الضعفاء والمتروکین	امام نسائی ؒ	۳۰۳ھ
☆ الضعفاء	ابو اسحاق الجوزجانیؒ	۲۵۹ھ
☆ الضعفاء	ابو جعفر العقیلیؒ	۳۲۳ھ
☆ الضعفاء	ابو نعیم استراباذیؒ	۳۲۳ھ

Marfat.com

☆ الضعفاء	ابن عدیؒ	۳۶۵ھ
☆ الضعفاء	ابوعبداللہ البرقیؒ	۲۴۹ھ
☆ الضعفاء	ابوالفتح محمد بن الحسین الازدیؒ	۳۷۴ھ

اسی طرح حضرات محدثین نے اپنی دانست اور صواب دید کے مطابق جعلی، موضوع اور من گھڑت روایات کو الگ کر کے کتب تصنیف کی ہیں تا کہ ان پر عمل کر کے امت گمراہ نہ ہو جائے اور سنت صحیحہ سے ہٹ کر خود ساختہ راستوں پر نہ چل نکلے۔اس سلسلے کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

☆ الموضوعات	ابن الجوزیؒ	۵۹۷ھ
☆ اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة	جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ
☆ تذکرة الموضوعات	محمد بن طاہر الفتنیؒ	۹۸۷ھ
☆ الموضوعات الکبیر	ملا علی القاریؒ	۱۰۱۴ھ
☆ الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة	قاضی شوکانیؒ	۱۲۵۵ھ
☆ الآثار المرفوعة فی الاحادیث الموضوعة	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ
☆ تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکتانیؒ	۹۶۳ھ

علل حدیث

اسانید اور متون حدیث میں بعض رواۃ سے جو اغلاط اور اوہام سرزد ہوئے ہیں، ان کی نشان دہی کے سلسلے میں بے شمار کتابیں موجود ہیں۔اس ضمن میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی کی علل کبیر وصغیر، امام دارقطنی کی کتاب العلل، ابن ابی حاتم کی کتاب العلل، ابن الجوزی کی

Marfat.com

العلل المتناھیۃ وغیرہ کتابیں کافی مشہور اور علمائے فن کے نزدیک معروف ہیں۔

شان نزول حدیث

ہر متکلم کی بات کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا بھی اپنے مقام پر کوئی نہ کوئی سبب تھا۔اس سلسلے میں علامہ ابراہیم بن محمد بن کمال الدین الشہیر بابن حمزۃ الحسینی الحنفی کی کتاب 'البیان والتعریف فی سبب ورود الحدیث' تین جلدوں میں طبع ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہے جس میں وہ پہلے حدیث کا ایک حصہ نقل کر کے کتب حدیث سے اس کا ماخذ بتاتے ہیں، پھر اس کی تصحیح اور تضعیف کا لحاظ کرتے ہیں اور پھر اس کا سبب ورود بتاتے ہیں۔[۸]

Marfat.com

مصادر:

[۱] احسان الباری، ص۴۸، ۴۹

[۲] شوق حدیث ص۱۵۶

[۳] احسان الباری، ص۴۹

[۴] احسان الباری، ص۴۹ تا ۵۱

[۵] طائفہ منصورہ، ص۳۲ تا ۴۵

[٦] مقام ابی حنیفہ، ص۱۹۴

[۷] احسان الباری، ص۳۹ تا ۴۱۔شوق حدیث ص۲۹، ۳۴، ۳۷ تا ۴۱۔مقام ابی حنیفہ ص۱۱۵، ۱۱٦

[۸] شوق حدیث ص۱۲۸ تا ۱۳۷

Marfat.com

-۲-

رواۃِ حدیث اور ان کی توثیق

Marfat.com

صحابہ کرام کی روایات کی حیثیت

صحابہ کرامؓ جرح سے بالاتر ہیں

حضرات صحابہ کرام کی ثقاہت وعدالت، دیانت وامانت، صداقت اور للٰہیت ایسے مسلم امور ہیں جن پر مدار اسلام ہے اوران پر جرح وتعدیل کرنے والا دین کی عمارت کو گراتا ہے۔ حضرت ملاعلی القاریؒ لکھتے ہیں:

والصحابة كلهم عدول مطلقا لظواهر الكتاب والسنة واجماع من يعتد به (مرقاۃ المفاتیح،۵/۵۱۷)

''حضرات صحابہ کرام سب کے سب مطلقاً عادل اور ثقہ ہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت کے ظاہری الفاظ اور اور معتمد علیہ لوگوں کا اجماع اسی پر دلالت کرتے ہیں۔''

امام ابن اثیر عزالدین علی بن محمد الجزریؒ لکھتے ہیں:

والصحابة يشاركون سائر الرواة فی جميع ذلك الا فی الجرح والتعديل فانهم كلهم عدول لا يتطرق اليهم الجرح لان الله عزوجل ورسوله زكاهم وعدلاهم وذلك مشهور لا نحتاج لذكره

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ،۱/۲)

''حضرات صحابہ کرام تمام باتوں میں تمام راویوں کے ساتھ شریک ہیں، مگر جرح وتعدیل میں نہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں، ان پر جرح نہی کی جاسکتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کی پاک بازی اور تعدیل بیان فرمائی ہے اور یہ

Marfat.com

ایک ایسی مشہور بات ہے،جس کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

حضرات صحابہ کرامؓ کے تنقیداور جرح سے بالاتر ہونے کے لیے الاستیعاب ۱/۲، الاصابہ ۱/۱۱، تقریر الاصول ۲/ ۲۶۰، فواتح الرحموت ۱/ ۱۵۶ اور مسامرہ/ ۱۵۸ وغیرہ ملاحظہ کریں۔[۱]

۵۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک غزوے سے واپسی کے موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا کہ جب ہم مدینہ کو جائیں گے تو ہم ان کمینوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام) کو مدینہ سے ذلیل اور خوار کر کے نکال دیں گے۔حضرت زید نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی اور آپ نے عبداللہ بن ابی کو طلب کر کے پوچھا تو اس نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔زید بن ارقم کہتے ہیں:

فکذبنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وصدقه فاصابنی هم لم یصبنی مثله قط (بخاری،رقم ۴۵۲۰)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور عبداللہ بن ابی کو سچا تسلیم کر لیا۔اس پر مجھے اتنی پریشانی اور غم لاحق ہوا جو زندگی بھر کبھی لاحق نہیں ہوا تھا۔''

بے شک حضرات صحابہ کرام عادل ہیں مگر اپنی معلومات کی بنا پر کسی کی تکذیب کرنے سے اس کا نفس الامر میں جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔حضرت زید چونکہ نفس الامر میں سچے تھے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک کی غلطی ظاہر فرما دی۔[۲]

[اضافہ از مرتب]

صحابہ کے جرح ونقد سے بالاتر ہونے کے حق میں محدثین، بالعموم حسب ذیل نصوص سے استدلال کرتے ہیں:

سورہ بقرہ میں ارشاد باری ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (البقرہ۲: ۱۴۳)

Marfat.com

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک درمیان کا گروہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر (اس دین) کی شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر (اس کی) گواہی دیں۔''

سورہ آل عمران میں ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۳:۱۱۰)

''تم بہترین گروہ ہو جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

محدثین اور علمائے اصول مذکورہ آیات کا مصداق خاص طور پر حضرات صحابہ کرام کو قرار دیتے ہیں۔ (ابن عبد البر، الاستیعاب، ۱/۱۲۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۴۶۔ مقدمہ ابن الصلاح، ۱/۲۹۴، ۲۹۵۔ ابن حجر، الاصابہ، ۱/۱۰۔ الشاطبی، الموافقات، ۴/۷۴)

بعض معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ صحابہ تعدیل سے مستثنیٰ ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی، لیکن اہل سنت نے ان کے اس موقف کو کوئی وزن نہیں دیا۔ (ابن القیم، الباعث الحثیث ۱/۱۷۵)

صحابہ کے جرح وتعدیل سے بالاتر ہونے سے اہل تشیع کو اختلاف ہے اور وہ ائمہ اہل بیت کے علاوہ عام صحابہ کی روایات کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ ان کے اس مسلک کی شناعت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اگر جماعت صحابہ کو دین کے معاملے میں قابل اعتماد نہ مانا جائے تو خود اہل رفض اپنے دعووں کے حق میں استدلال نہیں کر سکتے، چنانچہ مثال کے طور پر اگر کوئی ناصبی سیدنا علی کی فضیلت کا انکار کرے تو اہل تشیع جواب میں وہ روایات پیش کریں گے جن میں حضرت علی کی فضیلت بیان ہوئی ہے، حالانکہ یہ روایات انھی صحابہ سے مروی ہیں جن کو اہل رفض قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔ نیز اہل رفض کے لیے فضیلت علی کی روایات کو متواتر ثابت کرنا بھی مشکل ہوگا، کیونکہ جن صحابہ کو وہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے جو تواتر کے اثبات کے لیے ناکافی ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ۴/۴۶۶)

Marfat.com

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا آپ کی تعلیمات کی پیروی کرنا، اقالیم وممالک کو فتح کرنا، آپ کی نمائندگی کرتے ہوئے کتاب وسنت کو لوگوں تک پہنچانا اور انھیں جنت کی راہ دکھانا، ہمہ وقت نماز، زکوٰۃ اور ہر قسم کے کارہائے خیر میں مشغول رہنا، اور اس کے ساتھ ایسی شجاعت وبراعت، کرم وایثار اور عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرنا جس کی نظیر نہ ان سے پہلی ملتی ہے اور نہ ان کے بعد، یہ تمام چیزیں رافضہ کے موقف کے باطل ہونے کے واضح اور بین دلائل ہیں۔ (الباعث الحثیث ۱/۱۷۵)

صحابہ کے حالات کا عمومی مشاہدہ اور تجربہ بھی روایت کے باب میں ان کے عادل ہونے کی تائید کرتا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت بیان کی تو ان کے شاگرد قتادہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ انھوں نے فرمایا: 'نعم او حدثنی من لم یکذب، ما کنا نکذب ولا ندری ما الکذب' (تفسیر ابن کثیر، آیت ۹۳، سورۂ آل عمران) ''ہاں، میں نے خود سنی ہے یا کسی ایسے شخص نے مجھے بتائی ہے جس نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے، بلکہ ہم جانتے بھی نہیں تھے کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے۔''

یہی بات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمائی کہ 'انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنہ' (سنن الدارمی، رقم ۴۲۷) ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کی جاتی تھی تو ہم آپ کی نسبت سے روایات بیان کیا کرتے تھے، لیکن جب لوگوں نے ہر طرح کی کچی پکی باتیں بیان کرنا شروع کر دیں تو ہم نے آپ کی نسبت سے حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دیا۔''

البتہ حنفی اصولیین کا نقطۂ نظر صحابی کی تعریف میں جمہور سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک صحابی کی اصطلاح اس پر صادق آتی ہے جسے کافی عرصہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی ہو اور آپ سے دین سیکھنے کا موقع ملا ہو۔ حنفی اصولیین 'الصحابۃ کلھم عدول' کے قاعدے کا اطلاق بھی انھی پر کرتے ہیں، جبکہ ایسے صحابہ (مثلاً وابصہ بن معبد، سلمہ بن سنان اور معقل بن یسار

Marfat.com

رضی اللہ عنہم) کو جن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی ، مذکورہ قاعدے کے تحت شمار نہیں کرتے ۔ تاہم جمہور اصولیین اور متاخرین حنفیہ نے اس نقطہ نظر کو قبول نہیں کیا اور مطلقاً تمام صحابہ کو عادل تسلیم کیا ہے ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے عبدالمجید الترکمانی، دراسات فی اصول الحدیث علیٰ طریقۃ الحنفیۃ، ص ۱۹۴، ۱۹۵) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی فقاہت وعدالت

سب اہل السنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ تمام حضرات صحابہ کرامؓ عادل ہیں اوران کے نزدیک 'الصحابۃ کلھم عدول' کا جملہ مشہور ہے ۔ احناف میں سے عیسیٰ بن ابانؒ نے (جوکہ امام شافعیؒ کے ہم عصر ہیں) کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہ تھے اور اصول فقہ کی بعض کتابوں مثلاً نورالانوار ص ۱۸۳، اور اصول الشاشی ص ۷۵ وغیرہ میں یہی لکھ دیا گیا ہے کہ حدیث مصراۃ میں 'صاع من تمر' اور دودھ کا کوئی توازن نہیں اور یہ قیاس کے خلاف ہے اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ غیر فقیہ ہیں، اس لیے یہ قابل عمل نہیں ہے ۔ لیکن محققین احناف اس کے خلاف ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ کو فقیہ مانتے ہیں، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ مدینہ کے قاضی تھے (بخاری ۱/ ۳۲۳) اور غیر فقیہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ الشیخ عبدالعزیز البخاری فرماتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ تھے، بلکہ وہ فقیہ تھے ۔ (کشف الاسرار ۲/ ۷۰۳ طبع مصر) امام ابو محمد عبدالقادر القرشیؒ الجواہر المضیہ ۴۱۸/۲ میں فرماتے ہیں کہ امام عبدالعزیز نے 'تحقیق' میں فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں مفقود نہ تھی اور وہ حضرات صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتویٰ دیتے تھے ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقہا صحابہ کرام میں تھے ۔ علامہ ابن حزمؒ نے ان کا تذکرہ فقہاء صحابہ کرام میں کیا ہے اور ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام تقی الدین سبکیؒ نے حضرت ابو ہریرہ کے فتووں کی ایک جزء جمع کی ہے جو میں نے خود ان سے سنی ہے ۔

Marfat.com

علامہ ابن الہمامؒ فتح القدیر ۱۴۱/۲ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مجتہدین اور فقہا صحابہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی اور ان کے علاوہ باقی سب حضرات ان کی طرف رجوع کرتے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ ابن الہمام نے مجتہد صحابہ کی فہرست میں حضرت ابو ہریرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالحلیم لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ فقیہ تھے۔ (قمر الاقمار ص ۱۸۳) مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ اور مفتی تھے۔ (مقدمہ ہدایہ اخیرین ص ۸، الہسہتہ ص ۱۱) مولانا شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ۱۱/۱ میں زوردار الفاظ میں تصریح کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ تھے۔ مولانا محمد سید انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ کون یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ نہ تھے۔ (فیض الباری ۲۳۰/۳۔ العرف الشذی ص ۲۳۶)* [۳]

---

*امام ابن تیمیہؒ نے اس ضمن میں حسب ذیل نکات پیش کیے ہیں:

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین کا والی مقرر کیا تھا اور وہ انھیں دقیق فقہی امور میں فتویٰ دیا کرتے تھے، مثلاً وہ عورت جسے تین سے کم طلاقیں دی گئی ہوں اور وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کرلے، لیکن پھر اس سے جدا ہونے کے بعد پہلے خاوند کے نکاح میں آئے تو کیا اس کو از سر نو تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا یا سابقہ نکاح سے باقی ماندہ ایک یا دو طلاقوں کا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے قول پر فتویٰ دیا اور سیدنا عمر نے ان کی تصویب فرمائی۔

۲۔ تمام علمائے امت نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خلاف قیاس روایت پر عمل کیا ہے، جیسا کہ ان کی روایت ہے کہ 'من اکل او شرب ناسیا فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ و سقاہ' (جو شخص بھول کر کچھ کھا پی لے، وہ اپنا روزہ مکمل کرے، کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے)۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیاس یہ ہے کہ ایسے شخص کا روزہ ٹوٹ جائے، لیکن انھوں نے ابو ہریرہ کی حدیث کی بنیاد پر یہاں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۳۔ فرض کریں کہ ابو ہریرہ غیر فقیہ تھے تو بھی اگر راوی اپنی روایت کے الفاظ کو یاد رکھے تو اس کا غیر فقیہ ہونا روایت کے معتبر ہونے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ یہ خدشہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب راوی روایت بالمعنیٰ کرے جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ بے حد قوی تھا۔

Marfat.com

صغار صحابہ کی روایت

حضرات محدثین کرام کا اس بات میں خاصا اختلاف ہے کہ کس عمر کا آدمی حدیث کی سماعت کا اہل اور مجاز ہے۔ جمہور کا نظریہ ہے کہ پانچ سال کا ہو تو سماع حدیث کا مجاز ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ فن حدیث والوں نے اس ابتدائی زمانہ کی جس میں سماع حدیث صحیح ہے، حد پانچ سال مقرر کی ہے اور اسی تحقیق پر عمل جاری ہے۔ (تقریب النواوی ص ۲۳۷) امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن الصلاح نے اسی پر محدثین کرام کے ہاں عمل کو مستقر قرار دیا ہے اور قسطلانی کی کتاب المنہج میں اسی کو صحیح مذہب کہا ہے۔ (تدریب ص ۲۳۸)

جمہور کے اختیار کردہ اس قول کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے:
'باب متی یصح سماع الصغیر' یعنی چھوٹے بچے کا سماع کس زمانہ میں صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اس باب میں محمود بن الربیع کی حدیث نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول سے پانی لے کر (مزاح یا تبرک کے طور پر) میرے منہ پر تھوکا تھا اور میں اس وقت پانچ برس کا تھا۔ (بخاری ۱/۱۷)

علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبریٰ زادہ مولانا احمد الکورانی کی ''الکوثر الجاری الیٰ ریاض

۴۔ تمام صحابہ مثلاً عمر، ابن عمر، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کو قبول کرتے تھے۔

۵۔ صحابہ میں سے کسی نے بھی ابو ہریرہ کی روایت پر یہ طعن نہیں کیا کہ وہ روایت میں خطا کرتے ہیں۔ بلکہ ابو ہریرہ، حضرت عائشہ کے حجرے کے پاس بیٹھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے اور پھر ان سے دریافت کرتے تھے کہ انھیں کسی روایت پر اعتراض ہے؟ حضرت عائشہ نے یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرح تیز تیز گفتگو نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر یوں کلام فرماتے تھے کہ یاد کرنے والا یاد کر سکتا تھا۔ سیدنا عمر نے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایت میں زیادہ احتیاط کے پہلو سے روکا تھا، نہ کہ نفس حدیث کو بیان کرنے سے۔ (مجموع الفتاویٰ ۴/۵۲۷)

Marfat.com

البخاری'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام ابن الصلاح نے فرمایا کہ جمہور نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تحمل حدیث کی عمر کو کم سے کم پانچ سال مقرر کیا ہے، لیکن حق بات یہ ہے کہ اس حدیث سے پانچ سال سے کم عمر میں سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ مدار اس بات پر ہے کہ چھوٹا بچہ ضبط پر قادر ہو اور یہ فطرت کے لحاظ سے متفاوت ہے۔ (مفتاح السعادۃ ۲/۶۵) [۴]

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جو صحابی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کافی عرصہ رہا ہو یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جہاد کیا ہو یا جس نے آپ کے جھنڈے کے نیچے شہادت کا رتبہ پایا ہو، ایسے صحابی کا مرتبہ یقیناً اس صحابی سے زیادہ ہے جس نے آپ کی خدمت اقدس میں کافی وقت نہ گزارا ہو یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جنگ نہ کی ہو یا جس کو آپ کی معیت میں شہادت نصیب نہ ہوئی ہو یا جس نے آپ سے معمولی گفتگو کی ہو یا تھوڑی مسافت آپ کے ساتھ طے کی ہو۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

او رآہ علی بعد او حال الطفولیة وان کان شرف الصحبة حاصلا للجمیع ومن لیس له منهم سماع منه فحدیثه مرسل من حیث الروایة وهم مع ذلك معه ودون فی الصحابة لما نالوہ من شرف الرؤیة (شرح نخبۃ الفکر ص۸۳)

''اور اسی طرح ان کا درجہ اس صحابی سے زیادہ ہوگا جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپ کو دیکھا ہو، اگرچہ صحابی ہونے کا شرف ان سب کو حاصل ہوگا۔ ان میں سے جس نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں کی، اس کی حدیث مرسل ہوگی، لیکن شرف صحبت کی بنا پر ان کا شمار بھی بہرصورت حضرات صحابہ کرامؓ ہی میں کیا جائے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا دینی خدمات انجام دینے کی وجہ سے آپس میں یقیناً بہت تفاوت ہے، لیکن مع ہذا جنھوں نے عہد طفولیت اور بچپن کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، ان کا شمار بھی صحابہ میں ہے اور وہ صغار صحابہ میں

Marfat.com

شامل ہیں اور چونکہ ان کی روایتیں براہ راست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوتیں بلکہ حضرات صحابہ کرام سے ہوتی ہیں، اس لیے بعض محدثین کرام نے ایسے صغار صحابہ کو کبار تابعین میں شمار کردیا ہے۔ ولکل وجھۃ۔ اور ایسے صغار صحابہ کی روایات مراسیل ہوں گی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور محدثین کے نزدیک پانچ سال کا بچہ سن تمیز کو پہنچ جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے، جیسا کہ عبداللہ بن الزبیرؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے، کہ چار سال سے کم عمر میں بھی تمیز حاصل ہوجاتی ہے۔ (شرح مسلم ۲۸۱/۲) [۵]

○ علامہ سیوطی تدریب الراوی ص ۲۳۶ میں لکھتے ہیں کہ محدثین نے نوعمر صحابہ مثلاً حسن، حسین، عبداللہ بن زبیر، ابن عباس، نعمان بن بشیر، سائب بن یزید، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایات قبول کی ہیں، خواہ انھوں نے روایت کا تحمل بلوغ سے قبل کیا ہو یا بعد میں۔ [۶]

مجہول الاسم صحابی کی روایت

امام حاکمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ جزائریؒ صحیح حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں:

وصفة الحديث الصحيح ان يروى عن النبى صلى الله عليه وسلم صحابى زائل عنه اسم الجهالة ۔ (توجیہ النظر ص ۱۷۸۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۲۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۱۳۔ نووی، مقدمہ مسلم ص ۱۶)

"صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا صحابی روایت کرے جس سے جہالت کا اسم دور ہو (یعنی مجہول نہ ہو)۔"

علامہ عراقی اور محقق جزائریؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق بھی ہوتے تھے اور مرتد بھی۔ جب تک راوی صحابی کا نام نہ بیان کرے اور اس کا صحابی ہونا نہ معلوم ہوجائے تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی، خواہ وہ راوی 'عن رجل من الصحابة' کہے یا 'حدثنى من سمع النبى صلى الله عليه وسلم' کہے۔ (التقیید والایضاح ص ۱۲۵۔ توجیہ النظر ص ۱۶۶، ۲۴۶) امام سیوطیؒ ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات صحابی کو تابعی اور تابعی کو

Marfat.com

صحابی سمجھ لینے کی غلطی بھی ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام محمد بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن غنم کو صحابی سمجھ لیا ہے، لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ صحابی نہ تھے۔ (تدریب الراوی، ص۴۲۳) اس لیے نام کی ضرورت سمجھی گئی کہ اگر واقعی وہ صحابی ہیں تو 'الصحابة كلهم عدول' کے قاعدہ کے تحت داخل ہوں گے اور اگر وہ دوسری شق میں داخل ہے تو اختلاط اور اشتباہ سے نجات مل جائے گی۔ علامہ صیرفیؒ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب تابعی ایسے ہی 'رجل من الصحابة' سے عنعنہ کرے تو وہ روایت کسی صورت میں قابل قبول نہ ہوگی۔ (تدریب الراوی، ص ٦٦۔ ایضاح، ص ۵۸)

امام بیہقیؒ 'رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم' کو مرسل کہتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ، ۸۳/۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: حمید بن عبدالرحمٰن نے جو یہ کہا ہے کہ 'لقيت رجلا صحب النبي صلى الله عليه وسلم' (میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے ملا) تو چونکہ اس نے صحابی کا نام نہیں بتایا، اس لیے یہ روایت مرسل ہوگی۔ (السنن الکبریٰ، ۱۹۰/۱) ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کی ایک عورت کہتی ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ امام خطابیؒ لکھتے ہیں کہ یہ عورت مجہول ہے۔ (معالم السنن، ۱۱۹/۱) علامہ ابن حزمؒ 'رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم' پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ (المحلی، ۴/۴۱۶ و ۳۳۸/۷) نواب صدیق حسن خان نے مسک الختام ۳۴/۱ میں، علامہ سیوطی نے تدریب الراوی ص ۲۱۵ میں اور علامہ عراقی نے ایضاح ص ۵۸ میں 'رجل من الصحابة' کی سند پر کلام کیا ہے اور ایسی سند کو مجہول کہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک صحابی کا نام نہ بتایا جائے گا، روایت صحیح نہ ہوگی۔ جو حضرات اس صورت کو صحیح سمجھتے ہیں، وہ شرط لگاتے ہیں، چنانچہ مولف خیر الکلام نے بحوالہ تدریب الراوی، ص ٦٦ لکھا ہے کہ "اور جہاں صحابی کا نام مذکور نہ ہو تو وہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر سند کا پہلا حصہ صحیح ہو تو حدیث صحیح ہوتی ہے۔" (ص ۲۷۸)* [4]

---

* محدثین کے ہاں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں روایت قبول کی جائے گی۔ خطیب بغدادیؒ نے 'الکفایہ' میں ابوبکر الاثرم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر

Marfat.com

تابعین میں سے کوئی شخص یہ کہے کہ 'حدثنی رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم' تو کیا حدیث صحیح ہوگی؟ امام احمد نے کہا کہ ہاں۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ بن عمار کا قول ہے کہ اگر کسی صحابی کا نام لیے بغیر اس سے روایت نقل کی جائے تو وہ حجت ہوگی، کیونکہ تمام صحابہ حجت ہیں۔ (الکفایہ فی علوم الروایہ ص ۴۱۵)

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ایک روایت کی سند پر امام علی بن المدینیؒ اور امام ترمذیؒ کی تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'الظاهر انه لاجل جهالة مولی ابی بکر ولکن جهالة مثله لا تضر لانه تابعی کبیر ویکفیه نسبته الی ابی بکر الصدیق فهو حدیث حسن' (تفسیر ابن کثیر، تفسیر آیت ۳۵ سورۂ آل عمران) یعنی بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں مولیٰ ابی بکر مجہول ہے، لیکن وہ ایک بڑے تابعی ہیں جن کا مجہول ہونا مضر نہیں، اور ان کا ابوبکر صدیقؓ کا غلام ہونا کافی ہے، اس لیے یہ ایک حسن حدیث ہے۔ (مرتب)

Marfat.com

مجہول و مستور راوی کی روایت

محدثین کی اصطلاح میں ایسا راوی جس کا نام مذکور ہو مگر اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو، اس کو 'مبہم' اور 'مجہول العین' کہتے ہیں، جبکہ ایسا راوی جس سے دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو، اسے 'مجہول الحال' اور 'مستور' کہتے ہیں۔[۸]

امام بیہقی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں۔ (کتاب القراءۃ، ص ۱۲۷) امام خطابیؒ فرماتے ہیں: 'شرها الموضوع ثم المقلوب ثم المجهول' (تدریب الراوی، ص ۱۹۴) کہ بدترین حدیث جعلی ہے، پھر مقلوب اور پھر مجہول۔[۹]

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستور کی حدیث حجت ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۱) لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ مستور کی روایت فاسق کی طرح مردود ہوگی۔ جب تک اس کی عدالت ثابت نہ ہو جائے، اس کی حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک غیر ظاہر روایت یہ ہے کہ جس کو سلف نے رد نہ کیا ہو، وہ مقبول ہے، لیکن ظاہر روایت وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی۔ (تحریر الاصول، ص ۳۱۶) امام سراج الدین ہندی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ مستور کی حدیث باتفاق علمائے احناف فاسق کی طرح مردود ہے، اس لیے کہ حدیث میں کافی سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہاں پانی کے مسئلے میں اختلاف ہے کہ مستور کی خبر پانی کی نجاست اور طہارت کے سلسلے میں مقبول ہے یا مردود؟ (حاش

Marfat.com

تلویح ص ۴۷۴) مستور کی حدیث کے بارے میں یہی مسلک صاحب حسامی علامہ حسام الدین اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ بھی نقل کرتے ہیں۔ (حسامی، ص ۷۱۔ مقدمہ مشکوٰۃ، ص ۵) علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک مجہول کی روایت مردود ہے۔ (عقود الجواہر المنیفہ، ص ۶) لہٰذا مستور کی حدیث کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک وہ ہے جو علمائے احناف نے پیش کیا ہے، نہ کہ وہ جو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے، کیونکہ مشہور ہے کہ 'صاحب البیت ادری بما فیہ'۔[۱۰]

معروف اور مستور میں فرق کا معیار

جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

ان روی عنہ اثنان فصاعدا ولم یوثق فھو مجھول الحال وھو المستور۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۰)

''اگر کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت بیان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے۔''

امام ابن الصلاحؒ نے نچلے دو راویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۵۴) لیکن امام ابن حبان اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دو راویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجہول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی لکھتے ہیں:

وارتفاع اسم الجھالۃ عنہ ان یروی عنہ رجلان فصاعدا فاذا کان ھذہ صفتہ ارتفع عنہ اسم الجھالۃ وصار حینئذ معروفا (دارقطنی ۳۶۱/۲)

''راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں۔ جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔''

علامہ سخاویؒ نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ: من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جھالتہ وثبتت عدالتہ (فتح المغیث ص ۱۳۷) یعنی جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو

Marfat.com

اس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اوراس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگر چہ مجہول العین نہیں رہا، مگر مجہول الوصف اور مجہول الحال بدستور رہے گا، لیکن امام ابن حبان اور دارقطنی کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک جمہور محدثین سے الگ ہے۔ ان کے نزدیک باوجود مجہول الحال اور مستور ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اوراس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں، چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ لکھتے ہیں:

قلت الا انه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهما عنه وقد زعم قوم ان عدالته تثبت بذلك ونحن نذكر فساد قولهم بمشية الله و توفيقه

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۸۹)

''میں کہتا ہوں کہ ایسے مجہول راوی سے دوراویوں کی روایت کر لینے سے اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی مگر ہم ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔''

جو مسلک امام دارقطنی کا ہے، سو وہی نظریہ امام ابن حبان کا ہے، چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ: وتبعه ابن حبان اذ العدل عنه من لا يعرف فيه الجرح (شرح نخبۃ الفکر، ص ۷۱) ''ابن حبان بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔''

علامہ ذہبیؒ عمارۃ بن حدید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

انه مجهول ولا تفرح بذكر ابن حبان له في الثقات فان قاعدته معروفة من الاحتجاج لمن لا يعرف۔ (میزان الاعتدال، ۳۳۲/۲)

''وہ مجہول ہے اوراس پر خوش مت ہو کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اس لیے کہ ان کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ مجہول سے راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

Marfat.com

ویحییٰ الکندی غیر معروف ذکرہ البخاری وابن ابی حاتم ولم یذکروا فیہ جرحا وذکرہ ابن حبان فی الثقات کعادتہ فی من لم یجرح (فتح الباری، پ۲۱، ص۵۴)

''یحیٰ الکندی مجہول ہے۔ امام بخاریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اس پر انھوں نے جرح ذکر نہیں کی اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں لکھا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں ہوتی، وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ ابن حبان کو متساہل گردانا گیا ہے، چنانچہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ کی طرح ابن حبان بھی متساہل ہیں۔ (فتح المغیث، ص۲۴) علامہ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن حبان تساہل میں حاکم کی مانند ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ص۹) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن حبان اور امام حاکم تساہل میں ایک دوسرے کی نظیر ہیں۔ (تدریب الراوی، ص۳۲) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔ (تحقیق الکلام، ۱/۷۷) مولف 'خیر الکلام' لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ (ص، ۳۴۶)

امام دارقطنی بسا اوقات ضعیف راویوں کو ثقہ اور ان کی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں، چنانچہ ایک سند میں عبداللہ بن لہیعہ آیا ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور خود امام دارقطنی کو بھی اس کا اقرار ہے، مگر بایں ہمہ وہ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں: 'ھذا اسناد حسن وابن لھیعۃ لیس بالقوی' (دارقطنی ۱/۱۳۴) اور دوسری جگہ ابن لہیعہ کو 'سیئ الحفظ' لکھتے ہیں۔ (دارقطنی ۱/۸۹) عبدالرحمٰن بن ابراہیم القاص کو پہلے ثقہ لکھتے ہیں اور پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ضعیف الحدیث لکھتے ہیں۔ (دارقطنی ۱/۲۴۳) عبداللہ مثنی کو ایک موقع پر ثقہ لکھتے ہیں اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۹/۳۸۸)

اس جملہ بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ امام دارقطنی اپنی قائم کردہ اصطلاح پر بھی پورے مطمئن نہیں ہیں اور رواۃ کی ثقاہت اور جرح کے بارے میں وہ متردد رہے ہیں۔[11]

Marfat.com

راوی کا حفظ وضبط

راوی کے حفظ وضبط میں امام ابوحنیفہؒ کا معیار

روایت اور حدیث کے بارے میں جس قدر احتیاط کی ضرورت ہے، وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درجہ اول میں متواتر حدیث 'من کذب علی متعمدا' کے الفاظ سے آئی ہے، اس لیے محدثین کرام اس سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں، تا کہ کوئی غلط قول وفعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے روایت حدیث کے بارے میں بڑے حزم واحتیاط سے کام لیا ہے، چنانچہ امام خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں:

انه سئل عن الرجل يجد الحديث بخطه لا يحفظه فقال ابو زكريا كان ابو حنيفة يقول لا يحدث الا بما يعرف ويحفظ

(الکفایہ ص ۲۳۱)

"ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے خط سے لکھی ہوئی حدیث پائے لیکن وہ اسے یاد نہیں تو وہ کیا کرے۔ امام ابوزکریا، یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ تو فرماتے تھے کہ وہ اس کو بیان کرنے کا مجاز نہیں ہے، وہ صرف وہی حدیث بیان کرسکتا ہے جو اسے یاد ہو۔"

امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوریؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے:

كان ابو حنيفة شديد الاخذ للعلم ذابا عن حرم الله ان تستحل، ياخذ بما صح من الاحاديث التى كانت يحملها الثقات وبالآخر

Marfat.com

من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما ادرك عليه علماء الكوفة ثم شنع عليه قوم يغفر الله لنا ولهم۔ (ابن عبدالبر، الانتقاء، ص ۱۴۲)

''امام ابوحنیفہ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدود الٰہی کی بے حرمتی پر بے حد مدافعت کرنے والے تھے اور صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انھوں نے علمائے کوفہ کو عامل پایا ہوتا تھا مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اوران سب کی مغفرت کرے۔''

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا کہ:

لا يحل الرجل ان يروى الحديث الا اذا سمعه من فم المحدث فيحفظه ثم يحدث به (المدخل فی اصول الحدیث ص ۱۵)

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی حدیث بیان کرے تاوقتیکہ محدث سے بالمشافہہ وہ حدیث نہ سنے اور پھر وہ اسے اسے وقت تک یاد رہے جس وقت کہ وہ اس کو بیان کرے۔''

امام ابو یوسف کا یہ مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ حافظ قرشیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ (الجواہر المضیہ، ۲۵۷/۱)

علامہ القرشیؒ نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ایک کڑی شرط یہ بھی نقل کی ہے کہ راوی نے جب سے حدیث یاد کی ہو، اس وقت تک درمیان میں اسے روایت بھولی نہ ہو۔ (الجواہر ۳۰/۱) یہی مضمون امام ابن حجر مکیؒ نے تھوڑے بہت تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان، ص ۶۰)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ امام ابوحنیفہ کی ایک اور شرط یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

وقد كان الامام ابو حنيفة يشترط فى الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به ان يرويه عن ذلك

Marfat.com

الصحابی جمع اتقیاء عن مثلھم وھکذا (المیزان الکبریٰ، ۱/۶۳)

''جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اس میں امام ابوحنیفہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راویٔ حدیث سے صحابی تک پرہیزگاروں کی ایک خاصی جماعت اسے نقل کرتی ہو، پھر وہ قابل عمل ہوگی۔''

امام جلال الدین سیوطی تشدید روایت کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وھذا مذھب شدید وقد استقر العمل علی خلافہ فلعل الرواۃ فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف۔

(تدریب الراوی ص ۱۶۰)

''اور یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری اور مسلم کے ان رواۃ کی تعداد جو شرط مذکور پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔''

مولانا مبارک پوری صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ''حدیث کی (قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابوحنیفہ نے کی ہے، اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔'' (تحفۃ الاحوذی، ۲/۱۵)

اس سے معلوم ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی شرط امام بخاری اور امام مسلم کی شرطوں سے بھی زیادہ کڑی ہے۔ اگرچہ جمہور محدثین اس شرط میں امام موصوف کا ساتھ نہیں دیتے مگر چونکہ علم حدیث میں بھی وہ کبار مجتہدین میں سے تھے، اس لیے دیانتاً اپنے اجتہاد کے پیش نظر انھوں نے یہ شرط لگائی ہے۔ [۱۲]

چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے روایت حدیث کے لیے نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں، اس لیے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابوحنیفہ کو قلیل الروایہ کہا جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں، نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ فن روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعۃ ہیں۔

Marfat.com

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

والامام ابو حنیفة انما قلت روایته لما شدد فی شروط الروایة والتحمل وضعف روایة الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی وقلت من اجلها روایته فقل حدیثه لا لانه ترك روایة الحدیث متعمدا فحاشاه من ذلك ویدل علی انه من کبار المجتهدین فی علم الحدیث (مقدمہ ص ۴۴۵)

''امام ابوحنیفہ کی روایتیں اس لیے کم ہیں کہ انھوں نے روایت اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو، ضعیف ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں کمی واقع ہوئی ہے، نہ اس لیے کہ انھوں نے جان بوجھ کر روایت حدیث کو ترک کر دیا ہے۔ ان کی ذات اس سے بہت بلند ہے اور علم حدیث میں ان کے کبار مجتہدین میں سے ہونے کی یہ دلیل ہے۔''

یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت امام بخاریؒ امکان لقا پر اکتفا نہیں فرماتے اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے، اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ رہے گا اور ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا نطاق وسیع ہوگا اور اسی قدر ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ [۱۳]

حدیث حسن کی حیثیت

اگر سند کے تمام راوی تام الضبط نہ ہوں بلکہ ان میں سے کسی کے حافظے اور ضبط میں معمولی کمزوری پائی جائے تو ایسی روایت کو 'حسن' کہتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایسی حدیث سے جو حسن ہو، احتجاج صحیح ہے، لیکن امام بخاری حدیث حسن سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ: 'والحق ما قاله الجمهور' (دلیل الطالب، ص ۸۸۲) حق بات صرف وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے۔

فن حدیث میں جب مطلق 'حسن' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے حسن لذاتہ مراد ہوتی ہے کیوں کہ

Marfat.com

فرد کامل یہی ہے اور اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وهذا القسم من الحسن مشارك للصحيح فى الاحتجاج به وان كان دونه ومشابه له فى انقسامه الى مراتب بعضها فوق بعض وبكثرة طرقه يصحح۔ (شرح نخبۃ الفکر،ص۳۴)

''حدیث حسن کی یہ قسم قابل استدلال ہونے میں صحیح کے ساتھ شریک ہے، اگرچہ (تعارض کے وقت) اس سے کم ہو۔ اور حدیث حسن منقسم ہونے میں صحیح کے مشابہ ہے کہ اس کی طرح اس کے مراتب میں بھی اعلیٰ وادنیٰ ہونے کا فرق ہے۔ اور کثرت اسانید کی وجہ سے حسن حدیث، صحیح بن جاتی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث صحیح قابل استدلال ہے، اسی طرح حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہے۔ ہاں، معارضہ میں فرق ہونا الگ بات ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وعليه مدار اكثر الحديث ويقبله اكثر العلماء واستعمله عامة الفقهاء۔ (تقریب مع التدریب،ص۸۷)

''اور اس پر اکثر احادیث کا مدار ہے اور حدیث حسن کو اکثر علما قبول کرتے ہیں اور عام فقہا اس کو معمول بہ بناتے ہیں۔''

اسی کے قریب الفاظ علامہ جزائری کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص ۱۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح کی بہ نسبت حسن قسم کی حدیثیں زیادہ ہیں اور اکثر علمائے محدثین اور فقہا نے حدیث حسن کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

حدیث حسن سے استدلال کا انکار امام ابو حاتمؒ نے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۸۷ و توجیہ النظر ص ۱۴۶) اور اسی طرح امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے کیا ہے۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وهكذا يجوز الاحتجاج بما صرح احد الائمة المعتبرين بحسنه لان الحسن يجوز العمل به عند الجمهور ولم يخالف فى الجواز الا البخارى وابن العربى والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب

Marfat.com

العمل بالاحاد وقبولها شاملة له (نیل الاوطار ۲/۲۲)

''اسی طرح جب ائمہ معتبرین میں سے کسی ایک نے حدیث کے حسن ہونے کی تصریح کی ہو تو اس سے استدلال جائز ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث حسن پر عمل جائز ہے۔ اس جواز میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے، لیکن حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ خبر آحاد پر عمل کرنے اور اس کو قبول کرنے کے واجب ہونے کے دلائل حدیث حسن کو بھی شامل ہیں۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ عمل کے لیے صرف حدیث صحیح پر دار و مدار رکھنے سے حسن قسم کی تمام حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے، اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جو حسن ہیں۔ امام عجلیؒ مشہور محدث حماد بن سلمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثقة رجل صالح حسن الحديث وقال انه عنده الف حديث حسن ليس عند غيره (تہذیب التہذیب ۳/۱۳)

''وہ ثقہ مرد صالح اور حسن الحدیث ہیں اور فرمایا کہ ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔''

ہشام بن حسان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: 'ثقة حسن الحديث يقال انه عنده الف حديث حسن ليست عند غيره' (تہذیب التہذیب، ۱۱/۳۴) یعنی وہ ثقہ اور حسن الحدیث ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔[۱۴]

معمولی وہم اور نسیان کا حکم

فن اصول حدیث کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ معمولی وہم، تغیر یسیر اور نسیان کی وجہ سے ثقہ رواۃ کی روایتوں کو ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔ امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ وہم سے کون بچ سکا ہے؟ (لسان المیزان، ۱/۱۷) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید پختہ کار محدث تھے اور بہت کم خطا ان سے سرزد ہوتی تھی، مگر باوجود اس کے چند حدیثوں میں ان سے بھی خطا ہوئی ہے۔ آگے فرماتے ہیں: ومن يعرى من الخطا و التصحيف (بغدادی ۱۴/۱۴۰) یعنی متن اور

Marfat.com

سند میں خطا سے کون محفوظ رہ سکتا ہے؟ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابوالحسن القطان نے ہشام بن عروہ اور سہیل بن ابی صالح پر جو تخلیط کا الزام لگایا ہے، وہ باطل ہے۔ ہاں ان کے حافظہ میں کچھ نقص ضرور پیدا ہو چکا تھا، لیکن کیا وہ نسیان سے معصوم تھے؟ پھر کیا ہوا؟ کیا اس قسم کا وہم امام مالکؒ، امام شعبہؒ، اور امام وکیعؒ وغیرہ اکثر ائمہ اور ثقات کو پیش نہیں آتا رہا؟ تو کیا ان کی روایتیں رد کر دی جائیں گی؟ خبط چھوڑ دے اور ائمہ ثقات سے بدظنی نہ کر۔ (میزان الاعتدال،۲۵۵/۴) محدث عقیلیؒ نے امام علی بن المدینی پر جرح کی تھی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فمالك عقل یا عقیلی اتدری فی من تکلم؟ یعنی اے عقیلی، تجھ میں بالکل عقل نہیں۔ کیا تو جانتا نہیں کہ کس امام میں کلام کر رہا ہے؟ پھر آگے جوش تحریر میں آ کر عقیلی سے ملتی جلتی عقل والوں کو الٹی میٹم دیتے ہیں: وانما اشتھی ان تعرفنی من ھو الثقة الثبت الذی ما غلط (میزان الاعتدال ۲۳۱/۲) یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تم کسی ایسے ثقہ کا نام تو ذرا ہمت کر کے پیش کرو جس سے غلطی سرزد نہ ہوئی ہو۔

مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی غلطی کا ہو جانا یہ کوئی ایسا اعتراض نہیں ہے جس سے حدیث ضعیف ہو جائے، پس یہ حدیث صحیح ہے۔ (ص ۳۰۷) وہم اور اختلاط کی مزید تحقیق مطلوب ہو تو فتح المغیث وغیرہ اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔[۱۵]

راوی کا اپنی روایت کو بھول جانا

جامع ترمذی (رقم ۴۹) میں ایک روایت کے راوی جریر کہتے ہیں کہ یہ حدیث میرے ثقہ شاگرد علی بن مجاہد نے مجھ سے بیان کی ہے، اس کے بقول میں نے یہ روایت ثعلبہ سے اور انھوں نے زہری سے بیان کی ہے۔ محدثین اس کو اپنی اصطلاح میں 'من حدث ونسی' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام نوویؒ شرح مسلم ۲۳۰/۲ میں لکھتے ہیں کہ راوی اگر اپنی بیان کردہ روایت کو بھول جائے تو جمہور علما کے نزدیک اس کا نسیان روایت کی صحت میں قادح نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے۔

Marfat.com

زیلعیؒ نصب الرایہ ۱۸۵/۳ میں لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ اس سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ صاحب ضبط اہل علم بسا اوقات ایک حدیث بیان کر کے بھول جاتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جائے تو وہ اس روایت کو پہچان نہیں پاتے، لیکن ان کا بھول جانا اس روایت کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔

امام حاکمؒ مستدرک ۱۶۸/۲ میں فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ثقہ اور حافظ راوی حدیث بیان کرنے کے بعد بھول جاتا ہے اور ایسا متعدد حفاظ حدیث کے ساتھ ہوا ہے۔ نصب الرایہ ۱۸۶/۳ میں امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا قول منقول ہے کہ سفیان ابن عیینہ بعض اوقات لوگوں کو حدیث بیان کیا کرتے تھے اور پھر بعد میں کہتے کہ یہ میری بیان کردہ حدیث نہیں ہے اور نہ میں اسے پہچانتا ہوں۔

خطیب بغدادیؒ نے الکفایہ فی علوم الروایہ ص ۳۷۹ میں لکھا ہے کہ اگر شاگرد ثقہ ہو تو مذکورہ صورت میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ روایت کو حجت تسلیم کرتے ہیں، جبکہ امام ابو حنیفہ انکار کرتے ہیں۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم ۲۱۷/۱ میں لکھا ہے کہ جمہور علما، فقہا اور محدثین واصولیین یہ کہتے ہیں کہ جب شیخ شک یا نسیان کی وجہ سے روایت کا انکار کر دے لیکن نقل کرنے والا شاگرد ثقہ ہو تو یہ روایت حجت ہے، جبکہ امام کرخی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں، اگر شیخ پورے یقین سے قطعی طور پر اپنی طرف اس روایت کی نسبت کو جھوٹ قرار دے تو پھر اس سے استدلال درست نہیں۔ * [۱۶]

---

*'من حدث ونسی' کی ایک مثال کتب حدیث میں یہ ملتی ہے کہ سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ سہیل سے یہ روایت ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن روایت کرتے ہیں، اور سہیل کہا کرتے تھے کہ 'اخبرنی ربیعة وھو عندی ثقة انی حدثته ایاہ و لا احفظه'۔ سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے اس روایت سے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے کہا کہ یہ روایت مجھے ربیعہ نے آپ کے واسطے سے بیان کی ہے تو سہیل نے کہا کہ 'فان کان ربیعة اخبرك عنی فحدث به عن ربیعة عنی' (ابو داؤد، رقم ۳۱۳۲) ''اگر ربیعہ نے یہ روایت تمھیں میرے

Marfat.com

حفظ وضبط میں ایک شیخ کے شاگردوں میں تفاوت

o امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ امام زہریؒ کے تلامذہ میں سے زیادہ ثبت کون ہے؟ فرمایا 'معمر اثبت الناس فی الزھری' (مقدمہ فتح الباری ص ۴۵۵) امام ابن معین کا بھی یہی بیان ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۷۹/۱) لہٰذا زہری کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند روایت صرف معمر بن راشد کے طریق ہی سے ہوسکتی ہے۔[۱۷]

o گو امام اوزاعیؒ بہت بڑے محدث، فقیہ اور امام تھے، لیکن کتب الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے کہ امام زہریؒ سے جو روایت وہ کرتے ہیں، وہ حجت نہیں ہوسکتی۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کی امام زہریؒ اور یحییٰ بن ابی کثیر سے جملہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ (کتاب الانصاف ص ۲۰۱ و کتاب العلم ص ۲۰۱) امام ابن معینؒ کا بیان ہے کہ اوزاعیؒ فی الزھری لیس بذاك (تہذیب التہذیب ۲۴۱/۶) کہ امام اوزاعیؒ، زہریؒ سے روایت کرنے میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ امام یعقوب بن شیبہؒ کا بیان ہے کہ امام اوزاعیؒ ثقہ اور ثبت تھے، لیکن ان کی زہریؒ سے جملہ روایتیں کمزور اور ضعیف ہیں۔ (ایضاً) [۱۸]

واسطے سے سنائی ہے تو تم اسے میری نسبت سے بیان کرسکتے ہو۔"

اس کی ایک اور مثال اس حدیث میں ملتی ہے جو امام زہری نے عروہ سے اور انھوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل' (ترمذی، رقم ۱۰۲۱) امام ترمذی اس روایت کے تحت ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ میری امام زہری سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ زہری کے انکار سے روایت پر طعن لازم نہیں آتا، کیونکہ بعض اوقات ثقہ راوی اپنی روایت کو بیان کرنے کے بعد بھول جاتا ہے۔ (زیلعی، نصب الرایہ ۱۸۶/۳)

Marfat.com

جرح وتعدیل کے اصول وضوابط

جرح مبہم اور جرح مفسر

○ جمہور کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ 'هذا الحديث غير ثابت او منكر' (یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے) یا کسی راوی کے بارے میں 'فلان متروك الحديث او ليس بعدل' (فلاں کی حدیث قابل ترک ہے یا وہ عادل نہیں ہے) کہے لیکن سبب طعن کا ذکر نہ کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہی جمہور فقہا اور محدثین کا مذہب ہے۔ (الرفع والتکمیل ص ۸)

تدریب الراوی ص ۲۰۴ میں ہے:

فان كان من جرح مجملا قد وثقه احد من ائمة هذا الشان لم يقبل الجرح فيه من احد كائنا من كان الا مفسرا ـ

''سو اگر جارح نے مجمل جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق کی ہو تو جرح کسی کی بھی قبول نہ ہوگی، خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو، الا یہ کہ جرح مفسر ہو۔''

مولف ندائے حق امام نووی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام مسلم نے غیر ثقہ راوی سے کیوں روایت کی ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ امام مسلم کے نزدیک اس راوی پر جرح مفسر ثابت نہیں اور جرح صرف مفسر ہی قبول کی جاسکتی ہے۔ (نووی ص ۱۳۔ ندائے حق ص ۱۸۲ محصلہ) پھر آگے مقدمہ بخاری ص ۱۱ کے حوالے سے لکھا ہے کہ متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیف راویوں کی روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ (ندائے حق ص ۱۸۲)

ہاں اگر جارح ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہو، متشدد، متعنت اور متعصب نہ ہو اور جرح کے

Marfat.com

اسباب کو جانتا ہو تو پھر جرح، تعدیل پر مقدم ہوگی بشرطیکہ جمہور کے قول سے متصادم نہ ہو۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فى من ثبتت عدالته۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۱)

''جرح تعدیل پر مقدم ہے اور ایک جماعت نے اس کو مطلق رکھا ہے، لیکن اس تقدیم کا صحیح محل یہ ہے کہ جرح مفسر ہو اور ایسے شخص سے ہو جو جرح کے اسباب کو جانتا ہو، کیونکہ اگر جرح مفسر نہ ہوئی تو ایسے شخص کے بارے میں اس سے کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔'' [۱۹]

o اگر کسی راوی کے بارے میں فاحش الغلط اور کثیر الوہم وغیرہ کے الفاظ بولے جائیں تو جرح مفسر ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ حدیث کی مردود قسموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمن فحش غلطه او كثرت غفلته او ظهر فسقه فحديثه منكر (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۹)

''سو جس شخص کی غلطیاں زیادہ ہوں یا اس کی غفلت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔''

پھر آگے راوی کے وہم کی بحث کی ہے اور اس کی حدیث کو معلل کہا ہے اور آخر میں راوی کے سوء حفظ پر کلام کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر سوء حفظ تمام حالات میں راوی کو لازم رہے تو اس کی حدیث شاذ کہلاتی ہے اور اگر سوء حفظ طاری ہے تو اس کو مختلط کہتے ہیں۔ تقریب النواوی میں ہے:

واذا قالوا متروك الحديث او واهيه او كذاب فهو ساقط لا يكتب حديثه (تقریب مع التدریب ص ۲۳۳)

''جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور اس کی حدیث لکھی بھی نہیں جا سکتی۔''

Marfat.com

اور اس کی شرح میں لکھا ہے:

ولا يعتبر به ولا يستشهد (تدریب الراوی ص ۲۳۳)

''اور نہ تو اس کو اعتبار (ومتابعت) میں پیش جاسکتا ہے اور نہ شاہد میں۔'' [۲۰]

o اگر جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو 'لیس بالمتین' سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ (تدریب الراوی، ص ۲۳۳) اور روایت میں عدالت ہی رکن اکبر ہے۔ (توجیہ النظر، ص ۷۰۴، طبع مصر) [۲۱]

o کثیر الکلام ہونا فن حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں۔ ویسے کوئی صوفی قسم کا آدمی اس سے روایت لینے میں احتیاط کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی نظریہ ہے۔ تدریب الراوی ص ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ منہال بن عمرو کے گھر سے طنبور کی آواز سننے کی وجہ سے امام شعبہ کا ان کی روایت کو نہ لینا اور حکم بن عتیبہ کا کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے زاذان کی روایت کو لینا اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ہے۔ (محصلہ تہذیب التہذیب، ۳/۳۰۳) [۲۲]

o عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو امام ابن معین نے ضعیف، ابوحاتم نے 'لیس بقوی فی الحدیث' اور نسائی نے 'لیس بثقة' اور 'متروك الحديث' لکھا ہے، لیکن مولف خیر الکلام نے ص ۴۷، ۴۸ میں الرفع والتکمیل ص ۸ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ جرح مفسر نہیں اور عام فقہا اور محدثین کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ [۲۳]

مبتدع راوی کی روایت

اصول حدیث کا ضابطہ ہے کہ بدعت غیر مکفرہ کے مرتکب راوی اگر ثقہ ہوں تو ان کی روایت حجت ہے جبکہ وہ بدعت کا داعی نہ ہو اور وہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس بدعت کے عقیدہ کا اہل السنّت میں سے کوئی قائل نہ ہو۔ امام سیوطی نے تدریب الراوی ص ۲۱۹ و ۲۲۰ میں متعدد بدعتی راویوں کے نام ذکر کیے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

فهولاء المبتدعة ممن اخرج لهم الشيخان او احدهما۔

''یہ وہ بدعتی راوی ہیں جن کی روایتیں بخاری اور مسلم دونوں نے یا ان میں سے ایک میں

Marfat.com

موجود ہیں۔" [۲۴]

o علی بن ابی طلحہ صحیح مسلم کا راوی اور ثقہ ہے اور اس نے مجاہد اور سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے تفسیر حاصل کی ہے اور امام حاکم اور ناقد فن رجال علامہ ذہبی وغیرہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ رہا امام احمد کا یہ فرمانا کہ 'لہ اشیاء منکرات' تو بجا ہے لیکن اس کی وجہ ان کا روایت میں ضعف نہیں بلکہ یہ ہے کہ 'لہ رای سوء کان یری السیف' (تہذیب التہذیب ۷/۳۴۰) ان کی رائے اچھی نہ تھی کیونکہ وہ خلیفہ کے مقابلے میں خروج کو جائز سمجھتے تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس کے طریق سے اپنے ابواب کے تراجم وغیرہ میں بہت زیادہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ ان کا نام نہیں لیتے بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا یا ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں اس کی وجہ پر مطلع ہو چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ وہ بادشاہ کے خلاف تلوار کے استعمال کی اجازت دیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۷/۳۴۰) ان کے ایسے خیالات 'اشیاء منکرات' کی مد میں ہیں اور ایسے راوی جو شیعہ، مرجی اور قدری وغیرہ ہیں، صحیحین میں ان کی بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ [۲۵]

o شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں۔ [۲۶]

متقدمین کی اصطلاح میں 'شیعہ' کا مفہوم

لفظ شیعہ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح جدا جدا ہے۔ حضرات متقدمین کے نزدیک لفظ شیعہ کا مفہوم اور ہے اور حضرات متاخرین کے نزدیک اور ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ متقدمین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کو صرف حضرت عثمان پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علی اپنی جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے اور وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تقدیم وتفضیل کے قائل تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ متاخرین کے عرف واصطلاح میں تشیع کا مفہوم خالص رفض ہے۔ نہ تو غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے

Marfat.com

اور نہ اس کی عزت کی جا سکتی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱/۹۴)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ وہ تھے جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت سے متفق تھے، صرف حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دیتے تھے۔ اس دور کی شیعیت سے مراد اس دور کی رافضیت ہرگز نہیں ہے۔ اس زمانہ میں تمام حضرات صحابہ کرام سے حسن ظن رکھتے ہوئے بعض مذہبی اور سیاسی وجوہ سے حضرت علی کی طرف مائل ہونے والے لوگ شیعہ کہلاتے تھے۔ امام نسائی، عبدالرزاق، ابن ہمام اور صاحب مستدرک امام حاکم وغیرہ اسی قبیل سے تھے اور ایسے شیعہ کی روایتوں سے کتب صحاح بھری اوراٹی پڑی ہیں۔ * [۲۷]

اکابر محدثین اور ان کی تعدیل و توثیق کا درجہ

o واضح بات ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث صحیح اور حجت نہ ہو۔ ** [۲۸]

---

*علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے جن مبتدع راویوں سے روایات لی ہیں، ان میں سے خوارج کی طرف رجحان رکھنے والے راویوں کی تعداد رافضی راویوں سے زیادہ ہے، لیکن ایسے سب راوی عادل اور صادق ہیں۔ خوارج روافض کے مقابلے میں زیادہ سچے ہیں، کیونکہ ان کی غلطی علمی نوعیت کی ہے جس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، جبکہ روافض کا وتیرہ جھوٹ بولنا ہے جو روایت کے معاملے میں سب سے سنگین سبب جرح ہے۔ (فیض الباری ۶/۴۴)

** حافظ ابن حجر صحیحین کے رواۃ کے بارے میں ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان تخريج صاحب الصحيح لاى راو كان مقتض لعدالته عنده وصحة ضبطه وعدم غفلته ولاسيما ما انضاف الى ذلك من اطباق جمهور الائمة على تسمية الكتابين بالصحيحين فهو بمثابة اطباق الجمهور على تعديل من ذكر فيهما، هذا اذا خرج له فى الاصول۔ فاذا وجدنا لغيره فى احد منهم طعنا فذالك الطعن مقابل لتعديل هذا الامام فلا يقبل الا مبين السبب مفسرا بقادح يقدح فى عدالة هذا الراوى وفى ضبطه مطلقا او فى

Marfat.com

o یہ بالکل ایک ظاہر امر ہے کہ صحاح ستہ کے راوی میں اگر کوئی کمزوری ہو تو قابل برداشت ہوتی ہے، جبکہ مقابلے میں کوئی ثقہ تر راوی نہ ہو۔[۲۹]

o مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی بغیۃ الالمعی ۱/۱۷ میں لکھتے ہیں کہ بعض محدثین کا قاعدہ ہے کہ جس راوی کو محدث ابن حبان ثقات میں نقل کر دیں تو وہ مجہول نہیں رہتا۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور ابن حبان اس کو ثقات میں بیان کر دیں تو اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۳۱) [۳۰]

o امام دارقطنی اپنی سنن ۱/۳۶۱ میں لکھتے ہیں کہ جب کسی راوی سے دو راوی روایت کرنے والے ہوں اور اس پر جرح نہ کی گئی ہو تو وہ جہالت کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔[۳۱]

o ابن حبان کو متساہل گردانا گیا ہے، چنانچہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ کی طرح ابن حبان بھی متساہل ہیں۔ (فتح المغیث، ص ۲۴) علامہ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن حبان تساہل میں حاکم کی مانند ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن حبان اور امام حاکم تساہل میں ایک دوسرے کی نظیر ہیں۔ (تدریب الراوی، ص ۳۲) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری

ضبطه لخبر بعینه (مقدمہ فتح الباری ۳۸۴، فتح الباری ۱۳/۴۵۷)

''صاحب صحیح کا کسی راوی کی روایت کو لینا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک عادل اور ضابط ہو اور اس میں غفلت کا عیب نہ پایا جاتا ہو۔ اور بالخصوص جب جمہور ائمہ محدثین کا ان دونوں کتابوں کو صحیح کا نام دینے پر اتفاق بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو وہ گویا جمہور کا اس بات پر اتفاق ظاہر کرنا ہے کہ صحیحین کے راوی بھی ان کے نزدیک عادل ہیں، البتہ یہ اس صورت میں ہے جب صاحب صحیح نے کسی راوی کی روایت (بطور متابع نہیں) بلکہ اصل کے طور پر درج کی ہو۔ چنانچہ اگر بخاری اور مسلم کے علاوہ ہمیں کسی اور محدث کی طرف سے اس راوی پر طعن ملے تو یہ جرح صاحب صحیح کی تعدیل کے مقابلے میں ہوگی، اس لیے اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس جرح کا کوئی ایسا واضح سبب بیان نہ کیا گیا ہو جو اس راوی کی عدالت یا حفظ وضبط میں مطلقاً یا کسی مخصوص روایت کو یاد رکھنے میں قدح کا موجب ہو۔''

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔ (تحقیق الکلام، ۱/۷۷) مولف 'خیر الکلام' لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ (ص، ۳۴۶) [۳۲]

o امام دار قطنی بسا اوقات ضعیف راویوں کو ثقہ اور ان کی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں، چنانچہ ایک سند میں عبداللہ بن لہیعہ آیا ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور خود امام دارقطنی کو بھی اس کا اقرار ہے، مگر بایں ہمہ وہ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں: 'هذا اسناد حسن وابن لهيعة ليس بالقوى' (دارقطنی ۱/۱۳۴) اور دوسری جگہ ابن لہیعہ کو 'سیئ الحفظ' لکھتے ہیں۔ (دارقطنی ۱/۸۹) عبدالرحمٰن بن ابراہیم القاص کو پہلے ثقہ لکھتے ہیں اور پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ضعیف الحدیث لکھتے ہیں۔ (دارقطنی ۱/ ۲۴۳) عبداللہ ثنی کو ایک موقع پر ثقہ لکھتے ہیں اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۹/۳۸۸) [۳۳]

o حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ اگر کسی راوی کی دیگر محدثین توثیق کریں (بلکہ اس سے روایت کرنے والا بھی، اگر وہ اہل توثیق سے ہو، خود توثیق کر دے) تو اس پر جہالت کا الزام نہیں رہتا۔ وہ ثقہ اور عادل راویوں کی صف میں آ جاتا ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۰۔ غنیۃ الالمعی ص ۳۵۲، مولانا شمس الحق المنضم مع المعجم الصغیر للطبرانی) [۳۴]

o مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی یہ شرط نہیں کہ اس سے روایت کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں۔ جیسے ابن اکیمہ لیثی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حالانکہ امام زہریؒ کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت نہیں کی۔ (ابکار المنن ص ٦١) امام ابن معینؒ کا بیان ہے کہ ابن اکیمہ کی توثیق کے لیے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ امام زہری جیسے جلیل القدر امام ان سے روایت کرتے ہیں۔ (الجوہر النقی ۲ /۱۵۸) [۳۵]

o کسی راوی سے کسی محدث کا روایت کرنا اس کی توثیق کی دلیل نہیں، کیونکہ بڑے بڑے کذاب اور دجال راوی بھی ہوئے ہیں جن سے بعض محدثین کرام نے روایتیں کی ہیں اور کتب اسماء الرجال میں اس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں، لہٰذا ابن طہمان اور سفیان ثوری وغیرہ کا ابراہیم

Marfat.com

بن ابی یحییٰ سے روایت کرنا اس کی ثقاہت کی ہرگز دلیل نہیں ۔[٣٦]

○ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ امام تاج الدین سبکیؒ نے ابو طاہر فقیہ کو گو شیخ، ادیب، عارف اور امام المحدثین والفقہا لکھا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہا ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے؟ (تحفۃ الاحوذی ٧٥/٢) محقق نیمویؒ نے ابوعبداللہ فنجویہ دینوریؒ کو کبار محدثین میں لکھا ہے ۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: 'فان مجرد کونه من کبار المحدثین لا یستلزم کونه ثقه' (تحفۃ الاحوذی ٧٥/٢) ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟[٣٧]

جرح کس کی معتبر ہے؟

○ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام نسائی وغیرہ نے امام محمد کو حافظہ کی بنا پر کمزور قرار دیا ہے ۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جرح کرنے والا اگر متعنت اور متشدد ہو تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر جرح معتبر نہیں ۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ متشددین میں ابو حاتم، نسائی، ابن معین، ابن قطان کو شمار کرتے ہیں ۔ (ص ٥٠) لہٰذا امام نسائی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں اور امام محمد ثقہ ہیں ۔[٣٨]

○ امام ابن حبان متشدد بھی تھے اور متساہل بھی ۔ کبھی کبھی بے سروپا باتیں کہہ جاتے تھے، چنانچہ ناقد فن رجال علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ 'ابن حبان لا یدری ما یخرج من راسه' (الاجوبۃ الکاملۃ لمولانا عبدالحی، ص ٥٣) ''ابن حبان نہیں جانتے کہ ان کے سر اور دماغ سے کیا نکلتا ہے ۔'' [٣٩]

○ علامہ ابن حزم کا معاملہ رواۃ کی توثیق وتضعیف کے بارے میں بڑا ہی نرالا ہے اور وہ رواۃ کی جرح وتعدیل میں فاحش غلطیاں کر جاتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن حزم قوت حافظہ گھمنڈ پر جرح وتعدیل میں فاحش غلطیاں کر جاتے ہیں اور بری طرح وہم کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ (لسان المیزان ١٩٨/٤) یہی وجہ ہے کہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ امام ترمذی مجہول ہیں ۔ (تہذیب التہذیب ٣٨٨/٩ ۔ میزان ١١٧/٣) اگر امام ترمذی مجہول ہیں تو دنیا میں معروف کون

Marfat.com

ہوگا؟اسی طرح امام ابوالقاسم بغوی وغیرہ پر بھی وہ جرح کرتے ہیں (ملاحظہ ہوالرفع والتکمیل ص ۱۹) حالانکہ وہ فن حدیث کے بلامدافعت امام ہیں۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ جن حضرات نے رواۃ حدیث پر بے تحاشا کلام اور جرح کی ہے، ان میں ایک ابن حزم بھی ہیں۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۶۱) بڑے بڑے ائمہ دین ان کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکے، چنانچہ امام ابوالعباس بن العریف الصالح الزاہد فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کی زبان، دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۳۲۸۔لسان المیزان ۴/۲۰۱)

علامہ ذہبیؒ ائمہ دین کی شان میں ان کی گستاخی کی یوں شکایت کرتے ہیں کہ ابن حزم بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ان پر سختی بھی کی گئی اور جلاوطن بھی کیے گئے اور کئی مصائب کا شکار بھی ہوئے، کیونکہ وہ بڑے بڑے ائمہ کے حق میں زبان دراز کرتے اور ان کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے اور حضرات ائمہ مجتہدین کے بارے میں قبیح ترین عبارتیں اور گھناؤنے محاورات استعمال کرتے اور نامناسب لہجے میں تردید کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۳/۳۲۸)

دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں کہ میں ابن حزمؒ سے محبت بھی کرتا ہوں کہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے ہیں اور اس کی معرفت بھی رکھتے ہیں، لیکن میں ان بہت سے امور کے بارے میں ان کی موافقت نہیں کرتا جو وہ رواۃ اور علل کے بارے میں کہتے ہیں اور اسی طرح ان کے اصول وفروع میں بہت سے ناپسندیدہ نظریات ہیں اور میں بہت سے مسائل میں ان کو یقیناً خطاکار سمجھتا ہوں، مگر پھر بھی ان کی تکفیر وتضلیل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے عفوودرگزر کا امیدوار ہوں اور ان کی فرط ذکا اور وسعت علمی کا معترف ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۶۹)

علامہ جزائریؒ نے بھی ان کی یہی شکایت کی ہے کہ وہ بڑے بڑے ائمہ کرام کو خطاکار بتاتے اور ان پر زبان درازی کرتے ہیں۔ (توجیہ النظر، ص ۳۳۳)

ہمارا مقصد ان حوالوں سے حاشاوکلا حافظ ابن حزمؒ کی تحقیر وتوہین نہیں بلکہ بتانا صرف یہ ہے کہ بعض مقامات میں حدیث کے راویوں سے متعلق اور بعض احادیث کو معلول ٹھہرانے میں ان سے

Marfat.com

صریح کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اور اصول و فروع کے کئی مسائل میں ان سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ [۴۰]

○ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ازدی خود متکلم فیہ ہے۔ (میزان ۱/۴) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ محدث برقانی اور اہل موصل اس کو کسی قابل نہیں سمجھتے تھے۔ (میزان ۳/۴۶) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ازدی خود ضعیف ہے، اس سے ثقات کی تضعیف کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۵) [۴۱]

○ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں:

''اور ضعیف کہنا غزالی کا اور رویانی کا اور دبوسی کا اور صاحب ہدایہ کا اور شیخ ابن الہمام کا اور بعضے مالکیوں کا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا، کیونکہ یہ لوگ مقلدین ہیں، ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں۔..... اب رہا ضعیف کہنا ابن عبدالبرؒ کا اور ابوداؤدؒ کا اور علی بن المدینی کا، سوالبتہ جرح ان کا پایہ اعتبار میں ہے لیکن اگر بابیان سبب اور بادلیل ہو تو معتبر ہے ورنہ بے بیان سبب ان کا جرح بھی مقبول نہیں ہونے کا۔'' (معیار الحق، ص ۲۴۲)

مولانا محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ لکھتے ہیں:

''جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں، اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں۔ اس کے لیے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ'' (مودودیت اور احادیث نبویہ، ص ۹)

مثال کے طور پر حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے محمد بن اسحاق کی توثیق کی ہے، مگر ائمہ جرح و تعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلے میں ان کی توثیق مسلم نہیں ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ نے محمد بن اسحاق پر کچھ اعتماد ظاہر کیا ہے، لیکن کتب اسماء الرجال کے مقابلے میں ان کی بات قابل قبول نہیں ہے۔ مقدمہ زیلعی ص ۴۹ میں ہے:

مولانا عبد الحی له آراء شاذة لا تقبل فی المذهب واستسلامه لکتب التجریح من غیر ان یتعرف دخائلها لا یکون مرضیا عند من

Marfat.com

يعرف ما هنالك۔

''مولانا عبدالحی کی بعض شاذ آرا ہیں جو مذہب حنفی میں غیر مقبول ہیں اور کتب جرح وتعدیل میں ان کا کسی طرف مائل ہو جانا بغیر ان مقامات کی تحقیق کے ارباب فن کے ہاں نا قابل قبول ہے۔'' [۴۲]

o مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ اپنے وقت کے متبحر عالم اور وسیع النظر فقیہ اور مفتی تھے، لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح وتعدیل میں تھے اور نہ بغیر کسی سند کے ان کا کوئی قول معتبر ہوسکتا ہے۔ (دیکھیے مقدمہ زیلعی ص ۴۹) رواۃ کی جرح وتعدیل میں وہ تو صرف ہماری طرح کے ناقل ہیں۔ [۴۳]

تعصب رکھنے والوں کی جرح کی حیثیت

امام ابو حنیفہؒ کے مثالب جن حضرات نے ذکر کیے ہیں، ان میں علامہ خطیب بغدادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کا تعصب بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، چنانچہ حافظ ابن الجوزی الحنبلیؒ اسماعیل بن ابی الفضل القومسی الاصبہانی سے نقل کرتے ہیں:

ثلاثة من الحفاظ لا احبهم لشدة تعصبهم وقلة انصافهم الحاكم ابو عبد الله وابو نعيم الاصبهاني وابوبكر الخطيب (المنتظم ۲۶۹/۸)

''تین حفاظ کو میں پسند نہیں کرتا، کیونکہ وہ سخت متعصب اور قلیل الانصاف ہیں: امام حاکم، ابونعیم اصبہانی اور خطیب بغدادی۔''

اسی قسم کا قول بعینہ انھی الفاظ کے ساتھ علی بن علی الریحانی سے بھی منقول ہے۔ (السہم المصیب للملک المعظم ص ۱۱۹) ابن الجوزی اسماعیل بن ابی الفضل کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ 'وصدق اسماعيل و كان من اهل المعرفة' (المنتظم ۲۶۹/۸) اسماعیل نے بالکل سچ کہا اور وہ اہل معرفت میں سے تھے۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ، علامہ خطیب بغدادی کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خطیب کے تعصب پر جو چیز دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ کی قدح میں جو

Marfat.com

سندیں پیش کی ہیں، وہ بیشتر متکلم فیہ یا مجہول راویوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانید سے بالاتفاق کسی عام مسلمان کی ہتک عزت بھی نہیں کی جا سکتی، چہ جائیکہ مسلمانوں کے ایک امام کی۔ (الخیرات الحسان، ص ۶۹)

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی فرماتے ہیں کہ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ کی عظمت کو مجروح کرنے والی جو باتیں نقل کی ہیں، ان سے دھوکا نہ کھانا۔ خطیب بغدادی نے اگر چہ پہلے ان کی مدح کرنے والوں کے اقوال نقل کیے ہیں، لیکن اس کے بعد دوسرے لوگوں کی باتیں بھی نقل کی ہیں جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی کتاب کو بے حد داغ دار کر دیا ہے اور ایسا کرنے سے وہ چھوٹوں اور بڑوں کی طرف سے ملامت کا ہدف بن گئے ہیں۔ انھوں نے ایسی گندگی اچھالی ہے جسے دھونے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں ہیں۔

اسی طرح امام دارقطنی بھی امام ابوحنیفہ کے بارے میں متعصبانہ رویہ رکھتے ہیں۔ علامہ جمال الدین یوسف بن حسن بن عبدالہادی الحنبلی اپنی کتاب 'تنویر الصحیفہ' میں فرماتے ہیں:

ومن المتعصبین علی ابی حنیفة الدارقطنی وابو نعیم (بحوالہ ماتمس الیہ الحاجۃ ص ۳۲)

''امام ابوحنیفہ کے بارے میں تعصب برتنے والوں میں دارقطنی اور ابونعیم بھی شامل ہیں۔''

علامہ محمد معین السندی لکھتے ہیں کہ امام دارقطنی نے امام الائمہ ابوحنیفہ کے بارے میں طعن کیا ہے اور جو حدیثیں ان کے طریق سے مروی ہیں، ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی بہت ہی غلو سے کام لیا ہے، لیکن ان دونوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات کی روش کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ کی توثیق اور جلالت شان اور بڑی فضیلت پر سب کا اتفاق ہے۔ (دراسات اللبیب ص ۲۸۹)

امام شمس الدین السخاویؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالشیخ نے اپنی کتاب السنۃ میں بعض ایسے ائمہ پر جو کلام نقل کیا ہے جن کی تقلید کی جاتی ہے، اسی طرح حافظ ابن عدی نے 'الکامل' میں، حافظ ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، اور ان سے پہلے دوسرے حضرات مثلاً ابن ابی شیبہ نے اپنے

Marfat.com

مصنف میں، اور امام بخاری اور امام نسائی نے جو کلام کیا ہے، میں انھیں ان کے شایان شان نہیں سمجھتا۔ باوجودیکہ یہ حضرات مجتہد تھے اور ان کے مقاصد بھی اچھے تھے مگر پھر بھی اس معاملے میں ان کی پیروی سے اجتناب کرنا ہی مناسب ہے۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۶۹) [۴۴]

○ علامہ ذہبیؒ، ساجی کے بارے میں 'احد الاثبات ما علمت فيه جرحا' کہتے ہوئے بھی امام ابوالحسن بن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی توثیق اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (میزان ۷۹/۲) امام ابوبکر رازی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ 'انه ليس بمامون ولا ثقة' (تقدمہ نصب الرایہ ص ۵۸) نہ وہ مامون ہے اور نہ ثقہ۔ یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ:

كان وقاعا ينفرد بمناكير عن مجاهل بادى التعصب قال ابن القطان وثقه قوم وضعفه آخرون وكلام ابن حبان فى رواية النجيرمى مذكوره فى انساب ابن السمعانى (ہامش تاریخ بغداد ۳۲۵/۱۳)

''وہ لوگوں کی پگڑیاں اچھالا کرتے تھے اور مجہول راویوں سے منکر روایتیں بیان کرنے میں متفرد ہوتے تھے۔ ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ ایک قوم نے ان کو ثقہ اور دوسروں نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کا کلام نجیرمی کی روایت کے بارے میں علامہ سمعانی کی کتاب الانساب میں مذکور ہے۔''

اگر ہم ان کی تضعیف سے صرف نظر بھی کرلیں اور ان کو ثقہ بھی تسلیم کرلیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی رائے ہے (ملاحظہ ہو لسان ۴۸۸/۲) تب بھی ان کا تعصب خصوصیت سے احناف کے بارے میں ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مقدمہ فتح الملہم ص ۷۰ اور تقدمہ نصب الرایہ ص ۵۸ میں ان کے تعصب کا خصوصیت سے ذکر موجود ہے: 'وتعصبه البارد مما لا يطاق'۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: 'والساجی مما كان ينافس اصحاب ابى حنيفة' (الانتقاء ص ۱۵۰) یعنی امام ساجی حنفیوں سے چڑتے تھے۔ [۴۵]

○ علامہ ذہبی کو رواۃ اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے

Marfat.com

والے جملہ حضرات محدثین کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی یہ بات لکھی ہے اور مبارک پوری صاحب بھی فرماتے ہیں کہ 'الذھبی ھو من اھل الاستقراء التام فی نقد اسماء الرجال' (تحقیق الکلام ۱/۱۷۵۔ ابکار المنن ص ۶۰۔ تحفۃ الاحوذی ۷/۲) کہ علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے۔ علامہ ذہبیؒ کے بعد آج تک (اس درجے کا) کوئی ناقد رجال پیدا نہیں ہوا اور حافظ الدنیا ابن حجرؒ بھی ان کے ناقد رواۃ ہونے پر نہ صرف اعتماد کرتے ہیں بلکہ ان کے خوشہ چین بھی ہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۰) مع ہذا شیخ الاسلام تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ بڑے متعصب ہیں۔ وہ ہمارے استاذ ہیں اور ہم پر ان کا حق ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا حق ان پر مقدم ہے۔ ہم جو کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی حنفی یا شافعی کے حق میں ذہبی کا قول مسموع نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ شافعیوں اور حنفیوں کے حق میں اکثر تعصب سے کام لیتے ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ ۴/۱۹۱) [۴۶]

جرح اور تعدیل میں تعارض

○ تقریب النواوی اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:

واذا اجتمع فیہ ای الراوی جرح مفسر و تعدیل فالجرح مقدم ولو زاد عدد المعدل ھذا ھو الاصح عند الفقھاء و الاصولیین و نقلہ الخطیب عن جمھور العلماء (تدریب الراوی ص ۲۰۴)

''اگر راوی میں جرح اور تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مقدم ہوگی، اگرچہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ بھی کیوں نہ ہو۔ فقہا اور ارباب اصول حدیث کے نزدیک یہی صحیح ہے اور خطیب بغدادی نے جمہور علما سے یہی نقل کیا ہے۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہو اور جارح امر خفی پر مطلع ہو چکا ہو جس کی اطلاع معدل کو نہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہے اور یہی محققین اور جمہور کا مختار ہے۔ (شرح مسلم ۱/۲۱) [۴۷]

Marfat.com

o جرح کے توثیق پر مقدم ہونے میں بحث ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فى من ثبتت عدالته وان صدر من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به ايضا (شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۱۱۱ طبع مجیدی کانپور)

''جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ اس کو ایک جماعت نے تو مطلق چھوڑا ہے، لیکن اس کا مصداق یوں ہے کہ جب جرح کے اسباب جاننے والے کی طرف سے مفسر جرح ہو تو تعدیل پر مقدم ہوگی، کیونکہ جب جرح مفسر نہ ہو تو جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو، اس کے بارے میں جرح قادح نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر جرح کے اسباب نہ جاننے والے کی طرف سے جرح ہو تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مفسر ہو اور عارف باسباب الجرح سے صادر ہو، تب وہ توثیق پر مقدم ہے، ورنہ نہیں۔ اس کی تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے مطلقاً جرح کے توثیق پر مقدم ہونے کو اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ بنا کر طعن کرنا قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔

تدریب الراوی میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

واختار شيخ الاسلام تفصيلاً حسناً فان كان من جرح مجملاً قد وثقه احد من ائمة هذا الشان لم يقبل الجرح فيه من احد كائناً من كان الا مفسرا لانه قد ثبتت له رتبة الثقة فلا يزحزح عنها الا بامر جلى فان ائمة هذا الشان لا يوثقون الا من اعتبروا حاله فى دينه ثم فى حديثه ونقدوه كما ينبغى وهم ايقظ الناس فلا ينقض حكم احدهم الا بامر صريح (ص ۲۰۴)

''اور شیخ الاسلام نے اس میں ایک اچھی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ وہ یوں ہے کہ اگر جارح نے اجمالی طور پر جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق کی ہو تو اس کی جرح قبول نہ ہوگی، خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو، کیونکہ جس کو ثقاہت کا درجہ حاصل ہو، اس

Marfat.com

سے بغیر کسی واضح بات کے عدول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس فن کے امام صرف اسی شخص کی توثیق کرتے ہیں جس کے دین کا اور پھر حدیث میں اس کا حال بخوبی ان کو معلوم ہوتا ہے اور جس طرح اس کو پرکھنا مناسب ہے، وہ اس کو پرکھتے ہیں۔ اور وہ اس فن میں سب لوگوں سے زیادہ بیدار واقع ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی کا حکم کسی صریح بات کے بغیر نہیں توڑا جاسکتا۔'' [۴۸]

○ امام شافعیؒ نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کو ثقہ کہا ہے اور کتب رجال میں ابن عقدہ اور ابن عدی کی توثیق بھی منقول ہے، لیکن علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ جرح مقدم ہے۔ (میزان الاعتدال ۵۹/۱) یہاں جرح اس لیے مقدم ہے کہ اس پر کذاب وغیرہ کے سنگین الفاظ سے جرح کی گئی ہے جو جرح مفسر ہے اور جرح کرنے والے ائمہ جرح وتعدیل مثلاً یحییٰ بن سعید، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی وغیرہ ہیں جو سب کے سب اس کو کذاب کہتے ہیں، جبکہ حمدان ابن عقدہ اور ابن عدی وغیرہ میں سے کوئی بھی ان ائمہ جرح وتعدیل کے ہم پلہ نہیں بلکہ یہ سب مل کر بھی امام یحییٰ بن سعید، امام یحییٰ بن معین اور امام علی بن المدینی وغیرہ میں سے کسی ایک کے ہم پایہ بھی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح امام شافعی کا ابراہیم بن ابی یحییٰ کو ثقہ کہنا یقیناً ان کی غلطی ہے، کیونکہ ان کا اصل میدان فقہ ہے، نہ کہ جرح وتعدیل۔ چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ 'قلت للشافعی وفی الدنیا احد یحتج بابراھیم بن ابی یحیی؟' (تہذیب التہذیب ۱۶۱/۱) ''میں نے امام شافعی سے سوال کیا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو ابراہیم بن ابی یحییٰ سے احتجاج کرتا ہو؟'' [۴۹]

○ امام تاج الدین سبکی الشافعیؒ ضابطہ بیان کرتے ہیں:

بل الصواب عندنا ان من ثبتت امامته وعدالته وكثر مادحوه ومزكوه وندر جارحوه وكانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبی او غيره فانا لا نلتفت الى الجرح فيه ونعمل فيه بالعدالة والا فلو فتحنا هذا الباب او اخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۸۸/۱ طبع مصر)

Marfat.com

''ہمارے نزدیک درست بات یہ ہے کہ جس کی امامت وعدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور صفائی بیان کرنے والے زیادہ اور ان پر جرح کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جرح تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جرح کو قابل التفات نہیں سمجھیں گے اور ہم ان کو عادل ہی کہیں گے، ورنہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں یا ہم جرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو ائمہ میں سے کون بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہوں۔''

پھر اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:

ولکن نری ان الضابط ما نقوله من ان ثابت العدالة لا یلتفت فیه الی قوم من تشهد القرائن بانه متحامل علیه اما لتعصب مذهبی او غیره (ایضاً)

''لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی عدالت ثابت ہو، اس کے بارے میں اس شخص کی شہادت قابل التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرائن یہ شہادت دیتے ہوں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے الزام قائم کرتا ہے۔'' [۵۰]

○ اگر جمہور محدثین کرام اور ائمہ جرح وتعدیل کسی راوی کو ثقہ کہیں اور ان میں کوئی ایک یا دو اس راوی پر جرح کا کلمہ بولیں تو اس سے وہ راوی مجروح نہیں ہو جاتا کیونکہ حق جمہور کے ساتھ ہے۔[۵۱]

جرح سے متعلق بعض الفاظ واصطلاحات

○ لسان المیزان ج ا ص ۸ میں ہے کہ جرح کا سنگین لفظ دجال، کذاب، وضاع اور یضع الحدیث ہے۔ پھر متهم بالکذب و متفق علیٰ ترکه ہے۔ پھر متروك ولیس بثقة و سکتوا عنه و ذاهب الحدیث و فیه النظر هالك و ساقط ہے۔ پھر واه بمرة ولیس بشئ وضعیف جدا وضعفوه وضعیف واه ومنکر الحدیث وغیرہ کے الفاظ ہیں۔[۵۲]

Marfat.com

○ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: 'واردی عبارات الجرح دجال کذاب' (میزان الاعتدال ۳/۱) یعنی جرح کی عبارتوں میں سب سے زیادہ ردی عبارت دجال اور کذاب کی ہے۔ [۵۳]

○ 'منکر الحدیث' کے بارے میں امام احمد اور امام بخاری کی اصطلاح بالکل جدا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ان ابن حنبل یطلق علی من یغرب علی اقرانه فی الحدیث ان یاتی بالغرائب انه منکر الحدیث (ہامش تدریب الراوی ص ۲۳۴)

''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جو راوی اپنے باقی ساتھیوں سے متفرد ہو کر کوئی غریب حدیث بیان کرے تو وہ منکر الحدیث ہوتا ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اگر امام بخاری کسی راوی کو منکر الحدیث کہیں تو اس سے روایت کرنا ان کے ہاں جائز نہیں۔ امام احمدؒ اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ (ص ۴۹)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جس راوی سے متعلق امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں، اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ۵/۱) اسی طرح طبقات سبکی ۹/۲ اور تدریب الراوی ص ۲۳۵ میں امام بخاری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں جس راوی کے بارے میں منکر الحدیث کہوں، اس سے روایت بیان کرنا جائز اور حلال نہیں ہے۔ [۵۴]

○ ترمذی، رقم ۹۹ کے تحت حارث بن وجیہ کے بارے میں ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ 'وھو شیخ لیس بذالك'۔ اس پر اشکال ہے کہ لفظ 'شیخ' تو کلمہ تعدیل ہے اور 'لیس بذالك' کلمہ تضعیف ہے تو ان دونوں کا اجتماع کیسا؟

تحفۃ الاحوذی ۱۰۹/۱ اور ہدیۃ المجتبیٰ ص ۴۹ میں اس کے تین جوابات دیے گئے ہیں: ایک یہ کہ 'شیخ' سے لغوی معنی مراد ہے یعنی بوڑھا، نہ کہ اصطلاحی معنی جو کہ کلمہ تعدیل ہے۔ اور 'لیس بذالك' کلمہ تضعیف ہے تو ان کے اجتماع میں کوئی تعارض نہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ راوی کے اندر دو صفتیں ضروری ہیں۔ ایک عدالت اور دوسرے ضبط، چاہے ضبط کتاب ہو یا ضبط صدر۔ اب ایسا

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ایک راوی عدالت کے لحاظ سے تو قابل اعتماد ہوتا ہے لیکن کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ضبط نہیں رہا تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ 'شیخ ای عدل' اور 'لیس بذلك ای لیس بضابط'۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ لفظ 'شیخ' مراتب تعدیل میں ادنیٰ مرتبہ ہے اور 'لیس بذالك' مراتب تضعیف میں ادنیٰ مرتبہ ہے، تو دونوں کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں لہٰذا ان کا اجتماع، اجتماع متضادین نہیں۔[۵۵]

o علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں 'فیه نظر' کہتے ہیں تو وہ انتہائی درجہ کا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے۔ (مقدمہ، ص ۳۱۸) [۵۶]

o میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور لسان المیزان وغیرہ کتابیں صرف صحاح ستہ کے رواۃ کے لیے وقف ہیں۔ دارمی صحاح ستہ میں شامل نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کے سب راویوں کے حالات ان کتابوں میں موجود ہوں۔[۵۷]

Marfat.com

مصادر:

[۱] راہ سنت ص ۳۸، ۳۹

[۲] تبرید النواظر ص ۸۶، ۸۷

[۳] الکلام المفید ص ۲۶۹ تا ۲۷۲۔ خزائن السنن ۳/ ۹۱، ۹۲۔ تسکین الصدور، ص ۶۵

[۴] الکلام المفید ص ۲۴۸ تا ۲۵۰

[۵] احسن الکلام ۱/ ۳۲۶، ۳۲۷

[۶] خزائن السنن ۳/ ۳۴

[۷] احسن الکلام ۲/ ۱۲۳، ۱۲۴۔ دل کا سرور ص ۱۳۹، ۱۴۰

[۸] دفائن السنن، ص ۲

[۹] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۰

[۱۰] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۶

[۱۱] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۱ تا ۱۰۴

[۱۲] مقام ابی حنیفہ، ص ۱۳۲ تا ۱۳۶

[۱۳] مقام ابی حنیفہ، ص ۱۴۳، ۱۴۴

[۱۴] تسکین الصدور، ص ۶۲، ۶۳۔ احسن الکلام، ۲/ ۸۴۔ مقام ابی حنیفہ، ص ۱۳۵

[۱۵] احسن الکلام ۱/ ۳۰۸، ۳۰۹

[۱۶] خزائن السنن ۱/ ۱۲۲، ۱۲۳

[۱۷] احسن الکلام ۱/ ۲۸۳، ۲۸۴

[۱۸] احسن الکلام ۱/ ۲۸۴

[۱۹] سماع الموتی ص ۲۰۹، ۲۱۰۔ تسکین الصدور، ص ۱۰۸، ۱۰۹

[۲۰] احسن الکلام ۲/ ۱۳۸

Marfat.com

[۲۱] تسکین الصدور، ص۱۰۹

[۲۲] تسکین الصدور، ص۱۰۹، ۱۱۰

[۲۳] احسن الکلام ۱/ ۳۱۳

[۲۴] المسلک المنصور ص ۹۷

[۲۵] احسن الکلام ۱/ ۱۳۱

[۲۶] تسکین الصدور، ص ۱۱۰

[۲۷] ارشاد الشیعہ ص ۲۰۔ تبرید النواظر ص ۱۶۷

[۲۸] تسکین الصدور، ص ۳۳۹، ۳۴۰

[۲۹] احسن الکلام، ۱/ ۲۸۸

[۳۰] خزائن السنن ۱/ ۱۷۷۔ احسن الکلام ۲/ ۵۶

[۳۱] خزائن السنن ۱/ ۱۸۴

[۳۲] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۳

[۳۳] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۴

[۳۴] احسن الکلام ۱/ ۲۸۰

[۳۵] احسن الکلام ۱/ ۲۷۷، ۲۷۸

[۳۶] اخفاء الذکر، ص ۱۸

[۳۷] احسن الکلام ۲/ ۸۴، ۸۵

[۳۸] احسن الکلام ۱/ ۳۴۵

[۳۹] تسکین الصدور، ص ۱۰۹

[۴۰] تسکین الصدور، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ عمدۃ الاثاث ص ۵۹۔ احسن الکلام ۱/ ۱۰۶، ۲/ ۱۰۸

[۴۱] عمدۃ الاثاث، ص ۶۰

[۴۲] احسن الکلام، ۲/ ۸۳۔ الکلام الحاوی، ص ۹۱

[۴۳] احسن الکلام ۲/ ۱۱۶

Marfat.com

[۴۴] مقام ابی حنیفہ ص۲۵۲ تا ۲۵۴۔ص ۲۷۰ تا ۲۷۲

[۴۵] مقام ابی حنیفہ ص ۲۲۲، ۲۲۳

[۴۶] احسن الکلام ۱/ ۱۰۶، ۱۰۷۔ ۲/ ۱۰۷

[۴۷] احسن الکلام ۲/ ۱۳۸، ۸۵

[۴۸] تسکین الصدور، ص ۶۱، ۶۲

[۹۰] اخفاء الذکر ص ۱۴، ۱۷، ۱۸

[۵۰] مقام ابی حنیفہ ص ۲۲۳، ۲۲۴

[۵۱] المسلک المنصور ص ۹۶

[۵۲] کتابچہ ''عبدالرحمٰن فیصل آبادی کی مکاریاں''، ص ۲۱، ۲۲

[۵۳] الکلام الحاوی، ص ۹۰

[۵۴] احسن الکلام ۱/ ۱۹۱، ۲۹۷، ۳۱۳۔ خزائن السنن ۲/ ۸۸۔ عمدۃ الاثاث ص ۱۰۷

[۵۵] خزائن السنن ۱/ ۲۱۱، ۲۱۲

[۵۶]

[۵۷] اخفاء الذکر ص ۱۷

Marfat.com

Marfat.com

-۳-

سند کے اتصال وانقطاع کی تحقیق

Marfat.com

مرسل کی حجیت وعدم حجیت کی بحث

مرسل وہ روایت ہوتی ہے جس کو کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور صحابی کا نام ذکر نہ کرے۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ مرسل سے حجت درست نہیں۔ (جزء القراءۃ ص ۱۱) امام بیہقی لکھتے ہیں: 'وھو ضعیف من حیث انه مرسل' (کتاب القراءۃ ص ۱۳۱) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ ''ومرسل از قسم ضعیف است'' (دلیل الطالب ص ۲۹۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ومرسل حجت نیست'' (بدور الاہلہ ص ۷۹) مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں: 'والمرسل وان کان حجة عند الحنفية لكن المحقق انه ليس بحجة' (تحفۃ الاحوذی ۳۶۵/۱) احناف مرسل کو حجت کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں ہے۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محقق مذہب محدثین کے ہاں یہی ہے کہ مرسل حجت نہیں ہوتی۔ (ص ۴۷۸) [1]

علل الترمذی ۲۳۹/۲ میں ہے:

والحديث اذا كان مرسلا فانه لا يصح عند اكثر اهل العلم بالحديث قد ضعفه غير واحد منهم۔

(''حدیث جب مرسل ہو تو وہ اکثر اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی اور بہت سے محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔'')

مقدمہ نووی ص ۱۷ میں ہے کہ امام شافعی اور محدثین میں سے جمہور اور فقہا میں سے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ مرسل حدیث قابل احتجاج نہیں۔ مقدمہ مسلم ص ۲۲ میں امام نووی لکھتے ہیں کہ ہمارے

Marfat.com

قاعدہ کے مطابق اور اخبار وروایات کا علم رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک مرسل حجت نہیں۔ تدریب الراوی ص ۶۶ میں ہے کہ مرسل جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ کتاب القراءۃ بیہقی ص ۱۳۱، اور ابکار المنن میں مرسل ہونے کی بناپر حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے۔

تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ کسی صورت میں یا کسی امام کے نزدیک بھی مرسل حجت نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مرسل حجت ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہائے کرام کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۷) تاہم اس کی چند شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب مرفوع روایت موجود نہ ہو اور مرسل ہی ہو تو مرسل حجت ہے، لیکن وہ قوت کے اعتبار سے مرفوع اور متصل روایت کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴۔ توجیہ النظر ص ۱۵۲، ۲۴۵) [۲]

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (کتاب العلل ۲۳۹/۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام مالک، ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہائے کرام کا یہ مسلک ہے کہ حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۷) علامہ جزائری کا بیان ہے کہ علماء سابقین میں امام سفیان ثوری، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ مرسل حدیث کو بھی حجت سمجھتے تھے۔ (توجیہ النظر ص ۲۴۵۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۱۰۶ از نواب صاحب) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن اعلال بارسال موجب ترک او نیست زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمعے از فحول علماء اصول است۔'' (دلیل الطالب ص ۳۲۵) [۳]

امام شافعی مطلقاً صرف کبار تابعین کے مراسیل کو ہی حجت سمجھتے ہیں، لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری اور دوسری صدی کے اواخر تک کی ساری امت مطلق مراسیل کو حجت مانتی ہے، کبار تابعین کے ہوں یا صغار کے، طبقہ اولیٰ کے ہوں یا دوسرے، تیسرے اور چوتھے طبقہ کے۔ [۴]

امام سیوطی، علامہ قاسم بن قطلوبغا، محدث جزائری اور مولانا عثمانی نقل کرتے ہیں:

وقال ابن جرير اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم

Marfat.com

یـات عنهم انکاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الی راس المائتین قال ابن عبد البر کانه یعنی الشافعی اول من رده
(تدریب الراوی ص ۱۲۰۔منیۃ الالمعی ص ۲۷۔توجیہ النظر ص ۲۴۵۔مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴)

''امام ابن جریر نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب اس امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے۔تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک ائمہ میں سے کسی نے مرسل کے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ گویا امام شافعی ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے مرسل سے احتجاج کرنے کا انکار کیا ہے۔''

نواب صدیق حسن خان اور علامہ جزائری لکھتے ہیں:

واما المراسیل فقد کان یحتج بها العلماء فی ما مضی مثل سفیان الثوری ومالك والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیه
(الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۱۰۶۔توجیہ النظر ص ۲۴۵)

''گزشتہ زمانے میں علماء مراسیل سے احتجاج کیا کرتے تھے،مثلاً امام سفیان ثوری،امام مالک اور امام اوزاعی،یہاں تک کہ امام شافعی آئے اور انھوں نے مرسل کی حجیت میں کلام کیا۔''

عہد حاضر کے محقق علامہ زاہد الکوثری (المتوفی ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں:

والاحتجاج بالمرسل کان سنة متوارثة جرت علیه الامة فی القرون الفاضلة حتی قال ابن جریر رد المرسل مطلقا بدعة حدثت فی راس المائتین کما ذکره الباجی فی اصوله وابن عبد البر فی التمهید وابن رجب فی شرح علل الترمذی (تانیب الخطیب ص ۱۵۲)

''مرسل کے ساتھ احتجاج کرنا ایک ایسا متوارث طریق تھا جس پر قرون فاضلہ میں امت عمل پیرا رہی ہے۔امام ابن جریر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مطلقاً مرسل کو رد کر دینا بدعت ہے جو دوسری صدی کے آخر میں ایجاد ہوئی،جیسا کہ علامہ باجی نے اپنے اصول میں اور ابن عبد البر نے تمہید میں اور ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں ذکر کیا ہے۔[۵]

○ امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

Marfat.com

فاذا لم یکن مسند ضد المرسل ولم یوجد مسند فالمرسل یحتج به ولیس هو مثل المتصل فی القوة (رسالہ ابوداؤد ص ۵)

''جب مرسل کے خلاف کوئی مسند حدیث موجود نہ ہو اور مسند اس باب میں نہ پائی جائے تو مرسل حجت ہوگی، مگر متصل کی طرح قوی نہ ہوگی۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مراسیل سے احتجاج اور عدم احتجاج کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما المراسیل فقد تنازع الناس فی قبولها وردها واصح الاقوال ان منها المقبول والمردود ومنها الموقوف فمن علم من حاله انه لا یرسل الا عن ثقة قبل مرسله ومن عرف انه یرسل عن الثقة وغیر الثقة کان ارساله روایة عن من لا یعرف حاله فهذا موقوف وما کان من المراسیل مخالفا لما رواه الثقات کان مردودا واذا کان المرسل من وجهین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ اخر فهذا یدل علی صدقه فان مثل ذلك لایتصور فی العادة تماثل الخطا فیه وتعمد الکذب (منہاج السنۃ ۴/۱۱۷)

''بہر حال مراسیل کے قبول اور رد کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ مراسیل میں مقبول و مردود اور موقوف سبھی اقسام ہیں۔ سو جس کے حال سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہے تو اس کا مرسل قبول کیا جائے گا اور جو ثقہ اور غیر ثقہ سب سے ارسال کرتا ہے اور جس سے اس نے حدیث مرسل روایت کی ہے، اس کا علم نہیں تو ایسی مرسل حدیث موقوف ہوگی۔ اور جو مراسیل ثقات کی روایت کے خلاف ہوں تو وہ مردود ہوں گے اور جب مرسل دو طریقوں سے مروی ہو، ایک مرسل الگ شیوخ سے اور دوسرا الگ سے تو یہ اس کے صدق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عادتاً اس میں دونوں کا خطا میں مبتلا ہو جانے اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔''

Marfat.com

امام ابن الجوزی اپنی کتاب 'التحقیق' میں اور محدث خطیب بغدادی اپنی تالیف 'الجامع فی آداب الراوی والسامع' میں امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں: 'ربما کان المرسل اقوی من المسند' (شرح نقایہ ۱/۱۰ طبع ہند) یعنی بسا اوقات حدیث مرسل مسند سے قوی تر ہوتی ہے۔[۶]

صحابہؓ کے مراسیل

یہ حکم تو عام مراسیل کا تھا، جبکہ مراسیل صحابہ کے بارے میں تقریباً تمام علماء کرام متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے یں کہ مراسیل سے حجت صحیح نہیں ہے، مگر حضرات صحابہ کرام اور سعید بن المسیب کے مراسیل حجت ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴ عن الوجیز لابن برہان) امام بیہقی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام کے مراسیل حجت ہیں۔ (شرح مسلم ۱/ ۲۸۴ و مقدمہ ص ۱۷) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور دیگر تمام علماء کے نزدیک صحابی کا مرسل حجت ہے۔ (شرح مہذب ۴/ ۴۸۳) علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی ص ۶۶ میں تصریح کرتے ہیں کہ حضرات کرامؓ کے مراسیل حجت ہیں اور التوضیح (نول کشور ص ۴۶۸) میں لکھا ہے: 'فمرسل الصحابی مقبول بالاجماع' کہ صحابی کا مرسل اجماعاً مقبول ہے۔ علامہ نیمویؒ لکھتے ہیں کہ صحابی کا مرسل حجت ہے۔ (التعلیق الحسن ۲/ ۷۷) قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام کے مراسیل حدیث مسند کے حکم میں ہیں۔ (نیل الاوطار ۱/ ۳۴۱) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ مراسیل صحابہ حجت است۔ (دلیل الطالب ص ۳۸۰) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ مرسل صحابی محکوم بصحت است بر مذہب صحیح۔ (ایضاً ص ۸۹۶) [۷]

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کا مرسل، یعنی وہ روایت جو صحابی نقل کرے اور اس وقت کو (جس کی روایت کرتا ہے) نہ پایا ہو یا اس وقت مسلمان تو ہو گیا ہو مگر موجود نہ تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اول جو آثار وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے، وہ سچی خوابیں تھیں، تو امام شافعی اور جمہور اہل اسلام فرماتے ہیں کہ ایسا مرسل صحابی حجت ہے۔ امام ابو اسحاق اسفرائینی کہتے ہیں کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ صحابی کسی تابعی وغیرہ سے روایت نہیں کرتا، بلکہ صحابی ہی

Marfat.com

سے روایت کرتا ہے تو ایسا مرسل حجت ہوگا، ورنہ حجت نہ ہوگا۔ (تقریب النواوی ص ۱۷) امام نووی فرماتے ہیں کہ مرسل صحابی کے مطلقاً حجت ہونے میں جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے۔ [۸]

○ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت میں ذکر ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ 'ای عم قل لا الہ الا اللہ احاج له بها عند الله' (اے چچا، آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں تا کہ میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کر سکوں) وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے ابو طالب سے کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے ہٹنا چاہتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل انھیں اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن ابو طالب نے آخری بات یہ کہی کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہی ہوں، اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ (بخاری ۲/۶۷۵۔ مسلم ۱/۱۸۱)

(اس روایت کے آخری راوی حضرت مسیب ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ چنانچہ بعض علما نے اس روایت کے مرسل ہونے کی بنا پر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کی تائید ایک دوسرے مرسل صحابی سے ہوتی ہے، چنانچہ مسلم ۱/۴۰ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ابو طالب کو دعوت اسلام دی تو انھوں نے کہا کہ 'لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حمله علی ذلك الجزع لاقررت بها عينك'۔ (اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ ابو طالب کو گھبراہٹ نے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا تو میں کلمہ پڑھ کر تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا))

گو حضرت ابو ہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صحابی کا مرسل حجت ہے۔* [۹]

---

* بعض اہل علم صحابہ کے مراسیل کو قبول کرنے کے معاملے میں بھی تحفظ رکھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کی عدالت تو یقیناً شک وشبہ سے بالاتر ہے، لیکن بعض دفعہ صحابہ کسی تابعی سے یا کسی ایسے اعرابی سے جس کی صحبت غیر معروف ہے، بھی روایت کرتے ہیں۔ البتہ اگر ان کی طرف سے یہ تصریح موجود ہوتی

Marfat.com

تابعین کی مرسل روایات

امام بیہقی فرماتے ہیں:

و كذالك مراسيل كبار التابعين اذا انضم اليها ما يو كدها من عدالة رجال من ارسل منهم حديثه و شهرتهم و اجتنابه رواية الضعفاء والمجهولين (کتاب القراءۃ ص ۱۴۳)

''اور (جس طرح حضرات صحابہ کے مراسیل حجت ہیں) اسی طرح کبار تابعین کے مراسیل بھی حجت ہیں جب کہ ان کے رواۃ میں عدالت اور شہرت موجود ہو اور کمزور اور مجہول رواۃ کی روایت سے اجتناب وغیرہ کی صفات شامل ہوں۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غور وفکر اور قلت غفلت سے متصف ہو کر علمی دلائل پر نگاہ ڈالے گا تو وہ کبار تابعین کے مراسیل کے علاوہ دیگر مراسیل سے منقبض ہو گا جس کے دلائل ظاہر ہیں۔ (الرسالہ ص ۶۴) [۱۰]

علمی اور تحقیقی طور پر بعض حضرات تابعین اور اتباع تابعین ایسے بھی ہیں جن کے مراسیل کو امت مسلمہ نے بخوشی قبول کیا ہے حتیٰ کہ خود حضرت امام شافعیؒ نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے، جبکہ وہی مرسل کو رد کرنے میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت سعید

کہ وہ جو روایت بھی نقل کریں گے، وہ انھوں نے یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو گی یا کسی دوسرے صحابی سے تو پھر ان کی مراسیل کو قبول کرنا واجب ہوتا۔ صحابہ کے مراسیل کو قبول کرنے والے اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ صحابی جو روایت مرسلاً یعنی سماع کی تصریح کے بغیر نقل کرے، اس کے بارے میں زیادہ قرین قیاس بات یہی ہے کہ یا تو اس نے وہ روایت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو گی یا کسی دوسرے صحابی سے۔ اگر کسی صحابی نے کسی غیر صحابی سے کوئی روایت نقل کی ہے تو یہ بہت نادر ہے اور ایسے موقع پر انھوں نے مروی عنہ کی تصریح بھی کر دی ہے، چنانچہ جہاں وہ غیر صحابی کی تصریح نہ کریں، وہاں یہی سمجھا جائے گا کہ انھیں براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی دوسرے صحابی سے سماع حاصل ہے۔ (خطیب بغدادی، الکفایہ فی علوم الروایہ، ص ۳۸۵)

Marfat.com

بن المسیبؒ کے مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص۱۲۰) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب کے مراسیل صحیح ترین ہیں۔ (تدریب ص۱۲۳) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب کے مراسیل صحیح تر ہیں اور ابراہیم نخعی کے مراسیل لا باس بھا ہیں۔ (ایضاً ص ۱۲۳، ۱۲۴) امام ابن معین نے فرمایا کہ مراسیل ابراہیم نخعی مجھے شعبی کے مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ایضاً ص۱۲۴) امام المحدثین علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے مراسیل جن کو ان سے ثقہ راوی نقل کریں، بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ (ایضاً) علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ مجھے مجاہد کے مراسیل، عطاء کے مراسیل سے کئی درجہ زیادہ پسند ہیں۔ (ایضاً ص۱۲۳۔ تہذیب التہذیب ۷/۲۰۲) امام یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ مجاہد کا مرسل مجھے طاؤس کے مرسل سے زیادہ پسند ہے۔ (تدریب الراوی ص۷۰ و کتاب العلل ترمذی ص۳۲۹) [۱۱]

امام دارقطنی، امام طحاوی، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجر وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی مرسل روایتیں بھی حجت اور صحیح ہیں۔ (دارقطنی ۲/۳۶۱۔ طحاوی ۱/۱۳۳۔ زاد المعاد ۴/۲۵۴۔ درایہ ص۱۶) اور امام بیہقی تحریر فرماتے ہیں کہ 'مرسلات ابراهیم صحیحة الا حدیث تاجر البحرین' (السنن الکبریٰ/۱۴۸) کہ تاجر بحرین کے مضمون والی روایت کے علاوہ ابراہیم کی تمام مرسل روایتیں صحیح ہیں۔ طحاوی ۱/۱۱۱ میں ہے کہ ابراہیم جب عبداللہ بن مسعود سے اسی وقت مرسلاً روایت کرتے تھے جب وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی اور عبداللہ بن مسعود سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوتی۔ اور حدیث تاجر البحرین بھی صحیح ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ، میں تجارت کی غرض سے بحرین جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس سے کہا کہ دو رکعتیں ادا کرو۔ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں۔ [۱۲]

امام احمد فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب کے تمام مراسیل صحیح ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۵۱) امام حاکم لکھتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح تر مراسیل ان کے ہیں۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۵) امام بیہقی ان کے مراسیل کو اصح المراسیل کہتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ۱/۴۲۱) علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیب کا ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۶۶) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کے مراسیل صحیح ترین ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۶) امام شافعی باوجود یکہ وہ دیگر تابعین کے مراسیل میں کلام کرتے ہیں، مگر حضرات صحابہ کرام کے مراسیل کی طرح وہ سعید بن المسیب کے مرسل کو حجت اور صحیح مانتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴)* [۱۳]

مرسل معتضد سے استدلال

ایسے مرسل کے حجت ہونے میں جس کی تائید کسی اور حدیث سے ہوتی ہو، گو وہ مرسل ہی کیوں نہ ہو، سب کا اتفاق ہے، چنانچہ امام بیہقی، امام نووی، حافظ ابن القیم اور مبارک پوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۴۳۔ مقدمہ نووی ص ۱۷۔ زاد المعاد ۱/۱۰۵۔ ابکار المنن ص ۱۳۸) امام نووی فرماتے ہیں:

ومذهب مالك وابى حنيفة واحمد واكثر الفقهاء انه يحتج به ومذهب الشافعي انه اذا انضم الى المرسل ما يعضده احتج به

---

* سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے مراسیل کے بارے میں امام شافعی کی رائے کے صحیح محل کے حوالے سے فقہائے شافعیہ کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ امام شافعی سعید بن میتب کے مراسیل کو مسند روایت ہی کے درجے میں حجت مانتے ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے 'الام' میں النهي عن بيع الحيوان باللحم کے مسئلے میں سعید بن میتب ہی کی مرسل روایت پر انحصار کرتے ہوئے اس سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے سعید بن میتب کی تمام مرسل روایتوں کے بارے میں تحقیق سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ وہ دیگر طرق سے مسنداً مروی ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ امام شافعی کا موقف تمام مراسیل کے بارے میں یہی ہے کہ وہ تنہا کسی حکم کے اثبات کے لیے بنیاد نہیں بن سکتیں، لیکن اگر کسی دوسرے ذریعے سے ان کی تائید ہو جائے تو پھر قابل استدلال بن جاتی ہیں، اور سعید بن المسیب کی مراسیل کو بھی انھوں نے اسی لیے قبول کیا ہے کہ ان کی تائید دیگر روایات سے ہو جاتی ہے۔ خطیب بغدادی نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ سعید بن میتب کی بعض مراسیل ایسی بھی ہیں جو کسی دوسری صحیح سند سے مسنداً ثابت نہیں۔ (الکفایہ فی علوم الروایہ، ص ۴۰۴، ۴۰۵)

Marfat.com

وذلك بان يروى مسندا او مرسلا من جهة اخرى او يعمل به بعض الصحابة او اكثر العلماء (مقدمہ نووی برشرح مسلم ص ۱۷)

''امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرام یا اکثر علمانے اس پر عمل کیا ہو۔''

امام شافعی نے یہ بحث اپنی کتاب الرسالۃ فی اصول الفقہ ص ۶۳ میں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرسل معتضد کے حجت ہونے کے امام موصوف بھی قائل ہیں اور اس کی ان کے نزدیک چند شرطیں ہیں جن کا اختصار کے ساتھ امام نووی نے تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ:

وزاد في الاعتضاد ان يوافق قول صحابي او يفتي اكثر العلماء بمقتضاه (تدریب الراوی ص ۱۲۰)

''امام شافعی نے اعتضاد کے لیے یہ شرط زائد بیان کی ہے کہ وہ کسی صحابی کے قول کے موافق ہو یا اکثر علمانے اس کے مقتضی پر فتویٰ دیا ہو۔''

اصول فقہ کی مشہور کتاب التوضیح مع التلویح میں ہے:

فمرسل الصحابي مقبول بالاجماع ويحمل على السماع ومرسل القرن الثاني والثالث لا يقبل عند الشافعي الا ان يثبت اتصاله من طريق آخر كمراسيل سعيد بن المسيب قال لاني وجدتها مسانيد (ص ۴۶۸)

''صحابی کا مرسل بالاجماع مقبول ہے اور وہ سماع پر محمول ہے اور امام شافعی کے نزدیک دوسرے اور تیسرے قرن کا مرسل مقبول نہیں، الا یہ کہ کسی دوسرے طریق سے اس کا اتصال ثابت ہو جائے جیسے سعید بن المسیب کے مراسیل، چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مسند ہی پایا ہے۔''

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

والمرسل ان اقترن بقرینة مثل ان یعتضد بموقوف صحابی او مسنده الضعیف او مرسل غیره والشیوخ متغایرة او قول اکثر اهل العلم او قیاس صحیح او ایماء من نص او عرف انه لا یرسل الا عن عدل صح الاحتجاج به و کان نازلا من المسند والا لا (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۴۰)

''اور مرسل اگر قرینہ کے ساتھ مل جائے مثلاً کسی صحابی کے موقوف یا اس کے مسند ضعیف سے معتضد ہو جائے اور شیوخ متغایر ہوں یا اکثر اہل علم یا قیاس صحیح یا کسی نص کے اشارہ سے معتضد ہو جائے یا یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صرف عادل ہی سے ارسال کرتا ہے تو اس سے احتجاج صحیح ہے اور یہ مسند سے کم ہوگا۔ اور اگر یہ شرائط نہ ہوں تو احتجاج صحیح نہیں ہے۔''

مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔'' (تحقیق الکلام ۱/۹۱) [۱۴]

○ مستدرک ۳/۴۱۸ میں امام حاکم نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں صحابی کا ذکر نہیں، اس لیے علامہ ذہبی اس کو مرسل کہتے ہیں، لیکن یہی روایت درمنثور ۵/۱۷۰ میں آئی ہے اور اس میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ درمیان میں صحابی حضرت ابوامامہ ہیں۔ اب مرسل ہونے کا خدشہ بھی جاتا رہا۔[۱۵]

○ حافظ ابن القیم زاد المعاد ۱/۱۵۰ میں لکھتے ہیں کہ شہد میں زکوٰۃ واجب ہونے کے آثار ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ان کے طرق اور مخارج الگ الگ ہیں اور ان میں سے جو مرسل ہیں، ان کی تائید مسند روایات سے ہو جاتی ہے۔[۱۶]

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیر لکم وموتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیه وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم

Marfat.com

(الخصائص الکبریٰ ۲/۲۸۱)

''میری زندگی بھی تمھارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے۔ جو اچھے ہوں گے، ان پر میں حمد الٰہی بجالاؤں گا اور جو برے ہوں گے، میں خدا تعالیٰ سے تمھارے لیے معافی طلب کروں گا۔''

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ روایت بزار نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۲۴) مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ (فہرست مضامین عقیدۃ الاسلام ص ۱۱)

یہ روایت طبقات ابن سعد ۲/۱۹۴ میں بھی مرسلاً موجود ہے اور علامہ عزیزی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (السراج المنیر ۲/۲۳۳) یہ روایت امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ ۲/۲۸۱ میں بھی نقل کی ہے مگر ہے دونوں جگہوں میں مرسل۔

امام حارث نے اپنے مسند میں حضرت انسؓ سے یہ روایت 'حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم' کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ (السراج المنیر ۲/۲۳۳) علامہ عزیزی نے حکیم ترمذی کے طریق سے والد عبد العزیز سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ تعالیٰ وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامہات (السراج المنیر ۲/۱۶۵)

''سوموار اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین کے سامنے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔''

یہ دونوں روایتیں اور پہلا مرسل، سب مل کر حضرت ابن مسعود کی جید اور صحیح روایت کی موید ہیں۔[۱۷]

○ مرسل روایت سے اصول حدیث کی رو سے ترجیح اور تفسیر درست ہے، چنانچہ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ 'والترجیح بالمرسل جائز (تدریب الراوی ص ۱۲۱)''مرسل سے ترجیح

Marfat.com

جائز ہے۔''اور مولانا عثمانی تدریب الراوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 'قال شیخ الاسلام والمرسل یفسر المتصل' (مقدمہ فتح الملہم ص ۲۵) ''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مرسل روایت سے متصل روایت کی تفسیر کی جاسکتی ہے۔'' [۱۸]

حدیث مرسل اور تلقی بالقبول

اگر کسی روایت میں کچھ معمولی سا ضعف اور کمی بھی ہو تو امت مسلمہ کے اجماع اور اس پر تعامل سے وہ ضعف بھی رفع ہو جاتا ہے اور اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

واذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیه ضعف فوجدنا ذلك الحدیث مجمعا علی اخذه والقول به علمنا یقینا انه حدیث صحیح لا شك فیه (توجیہ النظر الٰی اصول الاثر ص ۵۰)

''جب کوئی مرسل روایت آئے یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے رواۃ میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقیناً یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔'' [۱۹]

حضرت معاذؓ سے مروی حدیث اجتہاد

○ شیخ الاسلام حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی حدیث معاذ کے بارے میں فرماتے ہیں: 'وحدیث معاذ صحیح مشهور رواه الائمة العدول' (جامع بیان العلم ۲/۷۷) حضرت معاذ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اور کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ 'وهذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید کما هو مقرر فی موضعه' (تفسیر ابن کثیر ۱/۳) یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور ثابت شدہ ہے۔ قاضی شوکانی اس حدیث سے متعلق ارقام فرماتے ہیں: 'وهو حدیث صالح للاحتجاج به کما اوضحنا ذلك فی بحث

Marfat.com

مفرد' (فتح القدیر ۳/۳۱۹) یہ حدیث استدلال واحتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی ہے، جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مستقل بحث میں کر دی ہے۔[۲۰]

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو یہ علمی طور پر یہ اشکال پیش آئے کہ ابوداؤد اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت معاذ کی حدیث کی سند کی آخری کڑی یوں ہے: 'عن ناس من اصحاب معاذ من اهل حمص عن معاذ' (مسند احمد ۵/۲۳۰۔ ابوداؤد ۲/۱۴۹) اور یہ اناس مجہول ہیں اور تابعین کے طبقہ میں رواۃ کی جہالت سند کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے کہ تابعین میں ثقہ اور ضعیف ہر قسم کے لوگ ہیں، بخلاف صحابہ کرام کے کہ وہ کلهم عدول ہیں تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن القیم نے اس سند کی آخری کڑی یوں نقل کی ہے: 'عبادة بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم عن معاذ' اور فرماتے ہیں کہ 'وهذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة' (اعلام الموقعین ۱/۱۷۶) حافظ ابن القیم اس سند کو متصل اور صحیح قرار دینے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ امت کی تلقی بالقبول سے بھی یہ حدیث موید ہے۔ الغرض اصول حدیث اور تعامل امت سے اس حدیث کی صحت بالکل واضح ہے۔[۲۱]

صحیفہ عمرو بن حزمؓ

○ عمرو بن حزم کی ایک مرسل روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے نام ایک تفصیلی خط کا ذکر ملتا ہے۔ امام شوکانی نیل الاوطار ۱/۲۲۶ میں لکھتے ہیں کہ عمرو بن حزم کا یہ خط حدیث متواتر کے مشابہ ہے کیونکہ اس کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔* [۲۲]

---

*ابن حزم نے عمرو بن حزم کے صحیفہ کی روایت کو سنداً منقطع ہونے کی بنیاد پر نا قابل استدلال قرار دیا ہے، لیکن جمہور محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔ ابن دحیہ الکلبی فرماتے ہیں:

وان كان هذا الحديث فى الموطا مرسلا فهو بارساله اصح من كثير من المسند لانه من كتاب النبى صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم حين ولاه نجران رواه عنه ابنه محمد ورواه عنه بنوه وهم فقهاء عدول

Marfat.com

مـرضيـون ائمة فاى اسناد اقوى من هذا واى سماع اثبت منه .... وقد تـلقى جمهور العلماء كتاب عمرو بن حزم بالقبول والعمل (کتاب اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب،ص ۱۷۱)

''یہ حدیث اگرچہ موطا میں مرسلاً مروی ہے لیکن یہ مرسل ہونے کے باوجود بہت سی مسند روایتوں سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحریر میں مذکور ہے جو آپ نے عمرو بن حزم کو نجران کا عامل مقرر کرتے ہوئے انھیں لکھ کر دی تھی۔ اسے ان سے ان کے بیٹے محمد نے اور ان سے ان کی اولاد نے روایت کیا ہے اور یہ سب فقیہ، عادل اور قابل اعتماد ائمہ ہیں۔ پس اس سے زیادہ مضبوط سند اور اس سے زیادہ ثابت سماع کیا ہو سکتا ہے؟.... اور جمہور علما نے عمرو بن حزم کے لیے لکھی جانے والی اس تحریر کو قبول بھی کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔''

قاضی ثناء اللہ مظہریؒ لکھتے ہیں:

اختـلف اهـل الـحـديث فى صحة هـذا الـحديث قال ابو داود فى المراسيل قد اسند هذا الحديث ولا يصح وصححه الحاكم وابن حبان والبيهـقـى ونـقل عن احمد انه قال ارجو ان يكون صحيحا وقد صحح الـحـديث بالكتاب المذكور جماعة من الائمة لا من حيث الاسناد بل مـن حيث الشهرة فقال الشافعى فى رسالته لم يقبلوا هذا الحديث حتى ثبـت عـنـدهم انه كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ابن عبد البـر هـذا كـتـاب مشهـور عـند اهل السير معروف ما فيه عند اهل العلم مـعـرفة يستـغـنى بشهرتها عن الاسناد لانه اشبه التواتر فى مجيئه لتلقى الـنـاس لـه بـالقبول والمعرفة وقال الحاكم قد شهد عمر بن عبد العزيز وامام عصره الزهرى بالصحة لهذا الكتاب (تفسیر مظہری، ۳۷۹/۲۔ نیز ۱۶۷/۱)

''اس حدیث کی صحت کے متعلق علمائے حدیث کا اختلاف ہے۔ امام ابوداودؒ نے مراسیل

Marfat.com

میں کہا ہے کہ اس حدیث کو مسنداً نقل کیا گیا ہے لیکن وہ درست نہیں۔ حاکمؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہ صحیح ہوگی۔ مذکورہ خط سے متعلق حدیث کو ائمہ کی ایک جماعت نے سند کے پہلو سے نہیں، بلکہ شہرت کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ 'الرسالہ' میں فرماتے ہیں کہ علماء نے اس حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک ان کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہو گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نامہ مبارک ہے۔ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ اہل سیرت کے نزدیک یہ بڑا مشہور خط ہے اور اس میں جو باتیں درج ہیں، وہ اہل علم کے نزدیک اس درجے میں جانی پہچانی ہیں کہ اس کی شہرت، اس کی سند سے بے نیاز کر دیتی ہے، کیونکہ یہ اپنے ورود میں متواتر کے مشابہ ہے اور لوگوں نے اس کو قبول کیا اور درست تسلیم کیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ اور اپنے زمانہ کے امام، زہریؒ نے بھی اس خط کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہے۔''

Marfat.com

تدلیس کی بحث

تدلیس کا لغوی معنی چھپانا ہے اور اصطلاح میں 'مدلس' وہ حدیث ہوتی ہے جس کو کوئی ایسا راوی روایت کرتا ہو کہ وہ جس استاد سے روایت کرتا ہو، اس سے ملاقات کی ہو یا اس کا ہم عصر ہو مگر اس سے روایت کو نہ سنا ہو اور ایسے الفاظ سے بیان کرتا ہو جن سے شبہ ہوتا ہو کہ اس نے یہ روایت اس سے سنی ہے، حالانکہ نہ سنی ہو۔

فن حدیث میں تدلیس بڑا جرم ہے۔ امام نووی حضرت امام شعبہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ زنا، تدلیس سے ہلکا گناہ ہے: 'الزنا اھون من التدلیس' (شرح مسلم ۱/۱۶۳) اور مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری امام شعبہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تدلیس حرام ہے اور مدلس ساقط العدالت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۷)

مدلس راوی 'عن' سے روایت کرتے تو وہ حجت نہیں الا یہ کہ وہ تحدیث کرے* یا اس کا کوئی ثقہ

---

*اگر معنعن روایت کی کسی ایک آدھ سند میں تحدیث کی صراحت آ جائے تو اس میں راوی کے تصرف کا احتمال موجود ہونے کی وجہ سے اس تصریح کو اتصال کا حتمی قرینہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کسی راوی کے زیادہ تر شاگرد روایت کو 'عن' سے نقل کریں جبکہ کوئی ایک آدھ شاگرد سماع کی تصریح کرے تو بدیہی طور پر اس سے انقطاع کے امکان کی حتمی طور پر نفی نہیں ہو جاتی۔ مثال کے طور پر حضرت عمر پر قاتلانہ حملے کی روایت 'ھشام عن عروۃ عن المسور بن مخرمۃ' کی سند سے نقل کی گئی ہے۔ ہشام کے شاگردوں میں سے زائدہ، اسماعیل بن زکریا، علی بن مسہر، ابوضمرہ، لیث بن سعد، مفضل بن فضالۃ،

Marfat.com

متابع ہو۔مگر یہ یادرہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ اسی طرح قتادہ،اعمش اورابوالزبیر،محمد بن مسلم وغیرہ کی تدلیس ہوتو وہ قطعاً مضر نہیں۔[۲۳]

○ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں کہ:'ومن اقسام الضعیف المدلس' (دلیل الطالب ص۸۸۲) کہ مدلس روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوتی ہے۔مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:'وعنعنة المدلس غیر مقبولة' (ابکار المنن ص ۲۲۵)اوردوسرے مقام پر لکھتے ہیں:''اورعنعنہ مدلس کا مقبول نہیں۔''(تحقیق الکلام ۲/۲۲۵) [۲۴]

مدلسین کی دوقسمیں

علامہ جزائری نے حافظ ابن حزم کے حوالے سے مدلسین کی دوقسمیں بیان کی ہیں۔پہلی قسم ان مدلسین کی ہے جوحافظ وعادل ہوں اوران کے بارے میں وہ تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وسواء قال اخبرنا فلان او قال عن فلان او قال فلان عن فلان کل ذلك واجب قبوله ما لم یتیقن انه اورد حدیثا بعینه ایراد غیر مسند فان ایقنا ذلك ترکنا ذلك الحدیث وحده فقط واخذنا سائر روایاته ..... وهذا النوع منهم کان جلة اصحاب الحدیث وائمة المسلمین کالحسن البصری وابی اسحاق السبیعی وقتادة بن دعامة وعمرو بن دینار وسلیمان الاعمش وابی الزبیر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینة (الاحکام فی اصول الاحکام ۲/۱۴۱۔توجیہ النظر ص ۲۵۱)

ابواسامہ،حماد بن سلمہ،ابومعاویہ اورعبدہ اسے 'عن المسور بن مخرمة' کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں،جبکہ امام مالک نے اسے 'ان المسور بن مخرمة اخبره' کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔امام دارقطنی فرماتے ہیں:'وقول مالك عن هشام عن ابیه ان المسور بن مخرمة اخبره وهم منه والله اعلم لکثرة من خالفه ممن قدمنا' (العلل ۲/۲۱۰)یعنی امام مالک کا یہ قول کہ''مسور بن مخرمہ نے ہشام کوخبردی''،ان کا وہم ہے کیونکہ ان کے برخلاف 'عن' سے روایت کرنے والے راویوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

Marfat.com

''اور برابر ہے کہ وہ مدلس 'اخبرنا فلان' کہے یا 'عن فلان' کہے یا 'قال فلان عن فلان' کہے، ان سب صورتوں میں اس کی روایت واجب القبول ہے جب تک کہ یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ اس نے کوئی حدیث غیر مسند پیش کی ہے اور جب ہمیں اس کا یقین ہو جائے کہ اس نے فلاں حدیث مسند بیان نہیں کی تو ہم صرف وہی روایت اس کی ترک کریں گے اور باقی اس کی تمام روایات لیں گے۔..... اور اس قسم میں بڑے بڑے محدثین اور ائمۃ المسلمین شامل ہیں، جیسے حسن بصری، ابو اسحاق السبیعی، قتادہ بن دعامہ، عمرو بن دینار، سلیمان الاعمش، ابوالزبیر، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ بیشتر صحیح احادیث کے رواۃ یہی حضرات ہیں۔ اس عبارت سے یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ ان مذکور حضرات کی معنعن احادیث مطلقاً قابل قبول ہیں اور ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ چوٹی کے محدثین نے ان حضرات کی معنعن روایات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

وفی الصحیح قطعة من الاحتجاج بعنعنة المدلس کابی الزبیر عن جابر و سفیان عن عمرو بن دینار و نظائر کثیرة لذلك

(تہذیب سنن ابی داؤد ۷/۹۸)

''صحیح (یعنی بخاری و مسلم) میں مدلس کے عنعنہ والی روایتوں سے احتجاج کا ایک کافی حصہ موجود ہے جیسے ابوالزبیر عن جابر اور سفیان عن عمرو بن دینار، اور اس جیسی بکثرت نظیریں۔'' [۲۵]

o قتادہ کا شمار طبقہ اولیٰ کے ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی کتاب میں مضر نہیں ہے۔ چنانچہ امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ مدلسین کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنے جیسے یا اپنے سے بڑھ کر یا اپنے سے کچھ کم ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے، مگر وہ اس زمرہ سے خارج نہیں جس کی روایتیں قابل قبول ہوتی ہیں۔ سو ایسے مدلسین میں ابوسفیان طلحہ بن نافع اور قتادہ بن دعامہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳) علامہ جزائریؒ علامہ ابن حزم سے محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور

Marfat.com

ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منهم كان جلة اصحاب الحديث وائمة المسلمين كالحسن البصري وابی اسحاق السبيعي وقتادة بن دعامة وعمرو بن دينار وسليمان الاعمش وابی الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة (توجیہ النظر ص ۲۵۱)

''ان مدلسین میں جلیل القدر محدث اور مسلمانوں کے امام شامل ہیں، جیسے حسن بصری، ابواسحاق السبیعی، قتادہ بن دعامہ، عمرو بن دینار، سلیمان اعمش، ابوالزبیر، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ۔'' [۲۶]

o ابوالزبیر ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مضر نہیں۔ امام بخاری نے ابوالزبیر کی مقرون بعطاء کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (۲۹۱/۱) اور ابوالزبیر عن جابر کو متابعات میں پیش کیا ہے۔ (۹۸/۱، ۲۳۳/۱، ۱۷۶/۱) بلکہ امام بخاری نے ابوالزبیر عن جابر کی سند سے احتجاج بھی کیا ہے۔ امام بخاری نے ۲۲۴/۱ میں یہ عنوان قائم کیا ہے: 'باب الاهلال من البطحاء وغيرها للمكي'، یعنی مکہ مکرمہ میں رہنے والے کا بطحاء وغیرہ سے احرام باندھنے کا باب۔ امام بخاری نے اس دعوے کے اثبات کے لیے 'وقال ابو الزبير عن جابر اهللنا من البطحاء' کے اثر سے احتجاج کیا ہے۔ باب میں پیش کردہ اس دعوے کے اثبات کے لیے اور کوئی دلیل انھوں نے پیش نہیں کی۔ اگر اس دعوے کے اثبات کے لیے کوئی اور مسند اور مرفوع حدیث پیش کی ہوتی اور ساتھ یہ اثر بھی پیش کیا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ ابوالزبیر عن جابر کا اثر صرف متابعت میں پیش ہوا ہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

واحتج الجمهور بحديث ابی الزبير عن جابر وهو الذی علقه المصنف فی هذا الباب (فتح الباری ۲۵۲/۴)

''جمہور نے ابوالزبیر عن جابر کی روایت سے احتجاج کیا ہے اور وہ یہی حدیث ہے جس کو امام بخاری نے اس باب میں معلق بیان کیا ہے۔''

Marfat.com

الغرض جمہور محدثین کرام ابوالزبیر عن جابر کی سند سے احتجاج کرتے اور اس کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔ (زادالمعاد ۶۵/۴) توجیہ النظر میں ہے کہ ابوالزبیر کا شمار ان مدلسین میں ہے جن کی تدلیس کسی صورت میں مضر نہیں ہے۔ ایک سند یوں آتی ہے: 'عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیر'۔ امام دارقطنی لکھتے ہیں: 'ھذا اسناد صحیح' (۱۳۳/۱) یعنی امام دارقطنی ان کی معنعن سند کو بھی صحیح کہتے ہیں۔ [۲۷]

○ ابراہیم نخعی اس طبقہ کے مدلس تھے جن کی تدلیس مضر نہیں ہے اور ان کی جملہ روایتیں، علاوہ ایک روایت تاجر بحرین کے، حجت ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: 'قلت استقر الامر علی ان ابراھیم حجة' (میزان الاعتدال ۳۵/۱) میں کہتا ہوں یہ طے شدہ بات ہے کہ ابراہیم حجت تھے۔ [۲۸]

○ ہشیم بن بشیر ثقہ اور ثبت، لیکن کثیر التدلیس تھے، (تقریب ص ۳۸۱) لیکن حضرت امام بخاری اور علامہ ذہبی ان کی معنعن حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھیے صحیح بخاری ۱۰۸/۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۲۴۷/۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تدلیس بھی مضر نہیں ہے۔ [۲۹]

○ محدثین اور محققین کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عجلان، قتادہ، سفیان ثوری اور حسن بصری وغیرہ کی طرح ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس کسی صورت میں مضر نہیں ہے۔ علامہ ذہبی محمد بن عجلان کی متعدد معنعن حدیثوں اور روایتوں کو صحیح کہتے ہوئے تصحیح کرتے ہیں۔ (تلخیص مستدرک ۳/۱ وغیرہ) [۳۰]

○ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں: امام بیہقی، امام شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں تم سے اعمش، ابواسحاق اور قتادہ کے طریق سے روایت بیان کروں تو اگرچہ وہ عنعنہ سے ہو، تب بھی اس کو سماع پر حمل کرنا۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ عمدہ قاعدہ ہے کہ جب امام شعبہؒ کی روایت ان تینوں سے مروی ہو تو تدلیس مضر نہ ہوگی، اگرچہ وہ معنعن ہی کیوں نہ ہو۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/۱) معلوم ہوا کہ امام شعبہ کا یہ ارشاد ان تینوں کی تدلیس سے متعلق ہے نہ کہ جملہ رواۃ کی توثیق سے متعلق۔ [۳۱]

Marfat.com

o تدلیس کرنے والے راویوں کا ایک گروہ وہ بھی ہے جن کی تدلیس کسی طرح مضر نہیں ہے اور محدثین ان کی معنعن حدیثوں کو بھی صحیح سمجھتے ہیں جن میں خصوصیت سے ابواسحاق السبیعی کا نام بھی پیش کیا گیا ہے۔ [۳۲]

مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ابواسحاق سبیعی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کو تیسرے طبقہ کے مدلسین میں شمار کیا ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۱۴) اور اس طبقہ کی روایات بدون تصریح سماع مقبول نہیں ہوتیں۔ (خیر الکلام ص ۴۶۸) [۳۳]

o مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ: ''زہری مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟'' (ابکار المنن ص ۳۵) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: 'فی اسناده الزهری وهو مدلس ورواه عن سالم بالعنعنة فكيف يكون اسناده صحيحا' (ابکار المنن ص ۵۶) یعنی اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور سالمؒ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو اس کی اسناد کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: 'فی سنده الزهری وروی عن طلحة بن عبد الله بالعنعنة فكيف يكون اسناده صحيحا' (ص ۳۵) یعنی اس کی سند میں زہری ہیں جو مدلس تھے اور وہ طلحہؓ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں، پھر کیونکر اس کی سند صحیح ہو سکتی ہے؟ [۳۴]

o ابوقلابہ گو ثقہ تھے، مگر غضب کے مدلس تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: 'مدلس عن من لحقهم وعن من لم يلحقهم' (میزان الاعتدال ۳۹/۲) ابوقلابہ کی جن سے ملاقات ہوئی ہے، ان سے بھی اور جن سے نہیں ہوئی، ان سے بھی، سب سے تدلیس کرتے ہیں۔ جب ابوقلابہ 'عمن لم يلحقهم' سے بھی تدلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں، کیونکر وہ قابل برداشت ہوں گے؟ [۳۵]

o حافظ ابن حجر حسن بصری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 'كان يدلس كثيرا' (تقریب ص ۸۷) یعنی حسن کثرت سے ارسال اور تدلیس کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ 'وهو مدلس فلا يحتج بقوله عن من لم يدركه' (تذکرہ ۶۷/۱) یعنی وہ مدلس ہیں، جب وہ

Marfat.com

اس شخص سے روایت کریں جس سے ملاقات نہیں کی تو ان کی بات حجت نہیں ہے۔[۳۶]

○ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب 'حدثنا' وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے تو تدلیس کا الزام اس پر سے رفع ہو جاتا ہے۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۳، التعلیق المغنی ۱۲۰/۱ اور تحقیق الکلام ۶۲/۱ وغیرہ میں محدثین کا یہ قاعدہ نقل کیا گیا ہے۔[۳۷]

○ جملہ محدثین کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ اگر مدلس راوی کا کوئی متابع موجود ہو تو تدلیس کا عیب اور طعن اس سے اٹھ جاتا ہے، چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ تدلیس کا طعن متابعت سے اٹھ جاتا ہے۔ (تحقیق الکلام ۶۲/۱) [۳۸]

○ حضرات محدثین کرام کا یہ قاعدہ اور اصول ہے کہ اگر ثقہ راوی ہو اور اس پر صرف تدلیس کا الزام عائد کیا گیا ہو تو اس کی تحدیث سے یا کسی اور ثقہ راوی کی متابعت سے یہ الزام رفع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی راوی میں معمولی ضعف اور کمزوری ہو اور کوئی ثقہ یا قریب بہ ثقہ راوی اس کی متابعت کرے تو اس کی روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔[۳۹]

○ متابعت سے تدلیس کا شبہ وہاں رفع ہوتا ہے جہاں اصل روایت کے راوی ثقہ ہوں اور شبہ صرف تدلیس کا ہو۔ اگر اصل روایت ہی صحیح نہ ہو تو پھر یہ حکم نہیں۔[۴۰]

صحیحین میں تدلیس، سماع پر محمول ہے

(محدثین کا اتفاق ہے کہ مدلس راوی کی تدلیس صحیحین میں کسی طرح بھی مضر نہیں ہے، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

وما في الصحيحين من التدليس فمحمول على السماع من جهة اخرى۔ (مقدمہ، ص ۱۸۔ شرح مسلم، ۲۰۹/۱)

''صحیح بخاری و مسلم میں جو تدلیس واقع ہو تو وہ دوسرے دلائل سے ساعت پر محمول ہے۔''

یعنی اگر صحیحین میں کوئی مدلس راوی عنعنہ سے روایت کرتا ہے تو محدثین کرام کے نزدیک وہ ایسے ہے جیسے اس راوی نے حدثنا اور اخبرنا وغیرہ سے تحدیث کی ہو) علامہ قسطلانی لکھتے ہیں

Marfat.com

کہ امام اعمش، قتادہ اور سفیان ثوری وغیرہ سے بخاری ومسلم میں جو روایتیں عنعنہ سے مروی ہیں، وہ سماع پر محمول ہیں، اگرچہ ہمیں ان کی تحدیث پر اطلاع نہ ہو سکے، کیونکہ امام بخاری ومسلم سے متعلق ہم یہی اچھا اور نیک گمان قائم کر سکتے ہیں۔ (قسطلانی ۹/۱) امام سبکی نے علامہ مزیؒ سے سوال کیا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے جو روایتیں عنعنہ کے ساتھ نقل کی ہیں، کیا ان میں صراحت کے ساتھ تحدیث بھی ثابت ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ اکثر روایات میں اس کا ثبوت موجود نہیں ہے، مگر ہمیں تحسین ظن کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ (تدریب الراوی، ص ۵۹)

صحیحین کی تدلیس کے مضر نہ ہونے کا یہ قاعدہ امام نووی وقسطلانی کے علاوہ علامہ سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) نے فتح المغیث ص ۷۷ میں، امام سیوطی نے تدریب الراوی ص ۱۴۴ میں، محدث عبدالقادر القرشی (المتوفی ۷۷۵ھ) نے الجواہر المضیہ ۴۲۹/۲ میں، اور نواب صدیق حسن خان صاحب نے ہدایۃ السائل ص ۱۹۱ میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی نے (صحیح مسلم کی ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے) جو یہ کہا ہے کہ قتادہ مدلس ہیں، لہٰذا یہ روایت متصل نہیں، مردود ہے، اس لیے کہ:

لاشك عندنا ان مسلما رحمه الله تعالىٰ يعلم هذه القاعدة ويعلم تدليس قتادة فلولا ثبوت سماعه عنده لم يحتج به .... ونسبه الى مثل قتادة الذى محله من العدالة والحفظ والعلم والغاية العالية۔

(شرح مسلم، ۲۰۹/۱)

”ہمارے نزدیک اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ امام مسلم یہ قاعدہ جانتے ہیں کہ مدلس کا عنعنہ قبول نہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ قتادہؒ مدلس ہیں۔ اگر امام مسلم کے نزدیک قتادہ کا سماع ثابت نہ ہوتا تو وہ اس سے احتجاج نہ کرتے۔.... اور امام دارقطنی نے قتادہ جیسی شخصیت کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے جن کا مقام عدالت اور حفظ اور علم اور کمال کے انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔“

قاعدہ مذکورہ بخاری اور مسلم کی تمام مدلس روایتوں کے متعلق ہے۔ صحیحین کی کوئی مدلس روایت اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں اور ایسی کوئی تنقید ان پر نہیں ہو سکی جس سے ان کی مدلس روایت ضعیف ہو

Marfat.com

سکے، لہٰذا صحیحین کے رواۃ کی تدلیس کی آڑ لے کر صحیح حدیث کا انکار کرنا قانون روایت اور فن حدیث کے بالکل خلاف ہے جو بہرصورت مردود ہے۔ ہاں، اگر کوئی راوی ضعیف ہو تو معاملہ جدا ہے۔* [۴۱]

○ ابو العلاء سعید بن ابی ہلال کو امام احمد نے مختلط کہا ہے، مگر صحاح ستہ کے مصنفین نے ان کی روایت لی ہے اور ان پر اختلاط کے الزام کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، اس لیے کہ ان کی تحقیق میں وہ مختلط نہ تھے یا بقول ابن الصلاحؒ صحیحین (وغیرہما) کی روایات رواۃ کے اختلاط سے قبل کی ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۵۷) [۴۲]

امکان لقاء اور امام بخاریؒ کی شرط

امام بیہقی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی ملاقات عبد اللہ بن زید سے نہیں ہوئی، مگر یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ خطیب بغدادی وغیرہ لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ثقہ تابعی تھے اور ۱۷ھ میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔ (بغدادی ۱۰/۲۰۰) اور عبد اللہ بن زیدؓ کی وفات جمہور کے

---

* حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

واما دعوى الانقطاع فمدفوعة عمن اخرج لهم البخاري لما علم من شرطه ومع ذلك فحكم من ذكر من رجاله بتدليس او ارسال ان تسبر احاديثهم الموجودة عنده بالعنعنة فان وجد التصريح بالسماع فيها اندفع الاعتراض والا فلا (مقدمہ فتح الباری، ۱/۱۷۲)

''جن رواۃ کی روایات امام بخاری نے نقل کی ہیں، ان میں انقطاع کے دعوے کا جواب یہ ہے کہ (اتصال کو ثابت ماننے میں) امام بخاری کی کڑی شرط معروف ہے۔ اس کے باوجود بخاری کے راویوں میں سے جن کے بارے میں تدلیس یا ارسال کا ذکر ملتا ہو، ان (کی روایات کے متصل یا منقطع ہونے) کا فیصلہ یوں کیا جائے گا کہ ان کی جو روایات امام بخاری کے ہاں 'عن' سے روایت کی گئی ہیں، ان کے طرق کی چھان پھٹک کی جائے۔ پس اگر اس روایت میں سماع کی تصریح مل جائے تو (عدم اتصال کا) اعتراض دور ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔''

Marfat.com

نزدیک ۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ (تہذیب ۲۲۴/۵) پندرہ سال کے اس عرصہ میں امکان لقاء یقینی ہے۔ (الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی ۴۲۱/۱) اور جمہور کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان لقاء ہی شرط ہے۔ (دیکھیے صحیح مسلم شریف کا مقدمہ) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے، عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی۔ (ص ۳۲۳) [۴۳]

○ حضرت امام بخاریؒ نے امکان لقا کو در خور اعتنا نہیں سمجھا بلکہ حقیقت لقا کی شرط لگائی ہے، اگرچہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہوئی ہو، تاکہ تدلیس وعنعنہ کا شبہ باقی نہ رہے، مگر جمہور محدثین نے، جن میں خصوصیت کے ساتھ امام مسلم پیش پیش ہیں، ان کی خوب تردید کی ہے (دیکھیے مقدمہ صحیح مسلم وغیرہ) اور جمہور نے ان کا ساتھ بالکل نہیں دیا۔[۴۴]

○ تحدیث کبھی یوں ہوتی ہے کہ خود راوی کہتا ہے: 'حدثنی فلان' یا 'سمعت فلانا' یا اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے، اور کبھی لفظ 'عن' ہوتا ہے لیکن اوپر کا راوی 'حدثہ' یا 'یحدثہ' کہتا ہے۔ یہ بھی تحدیث ہی ہوتی ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں: 'وكذا قال وحدث وذكر وشبهها فكله محمول على الاتصال والسماع' (شرح مسلم ۲۱/۱) اور اسی طرح لفظ 'قال' اور 'حدث' اور 'ذکر' اور ان کی مانند اور الفاظ اتصال اور سماع پر محمول ہیں۔[۴۵]

عمرو بن شعیب کی روایات کا حکم

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے روایتی سلسلہ میں محدثین کا کلام معروف ومشہور ہے۔ امام یحییٰ القطان فرماتے ہیں کہ اس کی سند ہمارے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے۔ (ترمذی ۴۳/۱، ۸۲) امام ابوداؤد ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ آدھی حجت بھی نہیں۔ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لیے ان پر کڑی جرح کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے باپ سے چند روایتیں سنی ہیں اور وہ باپ دادا کی تمام غیر مسموع روایات کو بے تحاشا بیان کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۲۸۹/۲) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انھوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے کچھ بھی نہیں سنا۔ وہ

Marfat.com

کتاب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں۔(طبقات المدلسین ص ۱۱) امام طحاوی بھی ان کی سند کو منقطع سمجھتے ہوئے اس کو ضعیف کہتے ہیں۔(طحاوی ۱/۴۵)

امام حاکم کہتے ہیں کہ ان کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف سمجھی جاتی ہے۔(مستدرک ۱/۱۹۷) محدث ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کتاب سے روایت نقل کرتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔(المحلی ۱/۲۳۲) امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت نقل کرے تو وہ کتاب سے، جو انھیں ملی تھی، نقل کرتا ہے، لہٰذا وہ ضعیف ہے۔ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے مگر عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرسل ہے۔ابن حبان فرماتے ہیں کہ جب وہ طاؤس اور سعید بن المسیب وغیرہ ثقات سے روایت نقل کرے تو حجت ہے اور جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کرتے تو اگر جدہ سے مراد عبداللہ ہیں تو حدیث منقطع ہوگی اور اگر محمد مراد ہوں تو مرسل ہوگی۔(تہذیب التہذیب ۸/۵۳)

محدث ساجی فرماتے ہیں: 'قال ابن معین ھو ثقة فی نفسه وما روی عن ابیه عن جده لا حجة فیه ولیس بمتصل وھو ضعیف' (تہذیب التہذیب ۸/۴۸) امام ابن معین نے فرمایا کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے لیکن جب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کرے تو حجت نہیں اور اس کی سند متصل نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

امام میمونی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، وہ فرما رہے تھے: 'له اشیاء مناکیر وانما یکتب حدیثه یعتبر به فاما ان یکون حجة فلا' (ایضاً ص ۴۹) انھوں نے فرمایا کہ اس سے بہت سی منکر اشیا بھی ہیں۔اس کی حدیث اعتبار کے لیے تو لکھی جا سکتی ہے، لیکن حجت کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔اور امام اثرم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں اس کی حدیثیں لکھ لیتا ہوں، کبھی تو اس سے احتجاج کر لیتا ہوں، 'وربما وجس فی القلب منه شیٔ' (ایضاً ص ۴۹) اور کبھی اس سے دل میں کھٹکا گزرتا ہے۔

امام ابن حبان اپنا فیصلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ 'فی روایته عن ابیه عن جده مناکیر کثیرة لا یجوز عندی الاحتجاج بشیٔ منها' (اسعاف المبطا برجال الموطا ص ۲۳) یعنی

Marfat.com

عمرو بن شعیب کی عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے میرے نزدیک کوئی روایت قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ ان میں کثرت سے نکارت ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض محدثین ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں اور جمہور ان کی توثیق کرتے ہیں اور بعض دیگر ان کی بعض روایتوں کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں۔ اور اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں: 'ومن ضعفه مطلقا فمحمول علی روایته عن ابیه عن جده' (تہذیب التہذیب ۵۱/۸) یعنی جو حضرات ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں سو ان کی یہ تضعیف صرف عن ابیہ عن جدہ کے طریق پر محمول ہوگی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''اور یہ بیچارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ ان کو کتاب مل گئی تھی جس سے حدیثیں نقل کرتے وقت وہ تدلیس سے کام لیتے تھے۔'' (خطبات مدراس ص ۵۳) [۴۶]

Marfat.com

مصادر:

[۱] احسن الکلام ۲/ ۹۴

[۲] الکلام الحاوی ص ۱۲۳، ۱۲۴

[۳] احسن الکلام ۱/ ۳۲۵ تا ۳۲۸

[۴] احسن الکلام ۱/ ۱۵۱

[۵] احسن الکلام ۱/ ۱۴۵ تا ۱۴۹

[۶] احسن الکلام ۱/ ۱۴۵ تا ۱۴۹

[۷] احسن الکلام ۱/ ۳۲۵ تا ۳۲۸

[۸] الکلام الحاوی ص ۸۲۔ احسان الباری، ص ۴۸ تا ۵۱

[۹] الکلام الحاوی ص ۷۹ تا ۸۳

[۱۰] احسن الکلام ۱/ ۳۲۸

[۱۱] احسن الکلام ۱/ ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۰

[۱۲] احسن الکلام ۱/ ۳۹۶، ۳۹۷۔ خزائن السنن ۲/ ۱۰۱، ۱۰۲

[۱۳] احسن الکلام ۱/ ۱۳۸

[۱۴] احسن الکلام ۱/ ۱۴۵ تا ۱۴۹، ۱۵۴، ۳۲۵ تا ۳۲۸۔ تسکین الصدور، ص ۳۲۱

[۱۵] ازالۃ الریب ص ۲۰۹

[۱۶] خزائن السنن ۳/ ۹]

[۱۷] ازالۃ الریب ص ۴۰۰-۴۰۲

[۱۸] تسکین الصدور، ص ۳۲۱

[۱۹] تسکین الصدور، ص ۳۳۱۔ عمدۃ الاثاث، ص ۵۹

[۲۰] مقام ابی حنیفہ ص ۱۷۵، ۱۷۶

[۲۱] الکلام المفید ص ۲۰۴، ۲۰۵

Marfat.com

[۲۲] خزائن السنن ۲۳۲/۱

[۲۳] خزائن السنن ، ـ احسن الکلام ۱۲۳/۲

[۲۴] احسن الکلام ۹۹،۹۷/۲

[۲۵] احسن الکلام ۴۳،۴۲/۱

[۲۶] احسن الکلام ۲۵۱،۲۵۰/۱

[۲۷] احسن الکلام ۳۴۰،۴۴،۴۳/۱

[۲۸] احسن الکلام ۳۹۹/۱

[۲۹] احسن الکلام ۴۰۳،۳۹۹/۱

[۳۰] احسن الکلام ۲۷/۱

[۳۱] احسن الکلام ۱۳۵/۲

[۳۲] احسن الکلام ۳۰۸/۱

[۳۳] احسن الکلام ۲۹۳،۲۹۲/۱

[۳۴] احسن الکلام ۱۳۷،۱۳۶،۹۹/۲

[۳۵] احسن الکلام ۱۲۳/۲

[۳۶] ازالۃ الریب ص ۲۳۷

[۳۷] احسن الکلام ۲۳۹/۱

[۳۸] احسن الکلام ۲۴۰/۱

[۳۹] احسن الکلام ۹۲/۲

[۴۰] احسن الکلام ۹۹/۲

[۴۱] احسن الکلام ،۲۴۹/۱ تا ۲۵۱

[۴۲] تسکین الصدور ، ص ۳۱۸

[۴۳] احسن الکلام ۸۸،۸۷/۲

[۴۴] مقام ابی حنیفہ ص ۱۳۵

Marfat.com

[۴۵] احسن الکلام ۱/۲۵۵، ۲۵۶

[۴۶] احسن الکلام ۱/۲۱۱ تا ۲۱۳

Marfat.com

-۴-

تنقید متن کے چند اہم پہلو

Marfat.com

متن حدیث میں راویوں کے تصرفات واوہام

[علم حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ سند کے متصل اور راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود روایت کے نقل کرنے میں کسی غلطی کا رونما ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ ایک امر واقع ہے۔ اس تناظر میں محدثین کے ہاں سند کے ساتھ ساتھ مختلف پہلوؤں سے روایت کے متن کا بھی تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔ زیر نظر باب میں اس حوالے سے اصول حدیث کے چند اہم اور نمایاں مباحث کی نشان دہی کی گئی ہے۔ (مرتب)]

صحت سند، صحت متن کو مستلزم نہیں

امام حاکم، امام سیوطی اور علامہ جزائریؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ راوی کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۹۔ تدریب الراوی، ص ۴۸۔ توجیہ النظر، ص ۱۳۷) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے اور یہ محدثین کے نزدیک معروف ومشہور ہے۔ (دلیل الطالب، ص ۶۱۸) مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں کہ صحت استناد صحت متن کو مستلزم نہیں ہے۔ (ابکار المنن، ص ۲۰۲ وتحفۃ الاحوذی، ۲۲۰/۱) حافظ عبد اللہ صاحب روپڑیؒ لکھتے ہیں: ''کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب نہ ہو اور یہاں اور عیب موجود ہے چنانچہ صاحب ابن حجرؒ نے اس کو معلول کہا ہے۔'' (ضمیمہ تنظیم اہل حدیث، روپڑ ص ۱۶) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ: ''پس اگر ایک متن شاذ ہو یا اس میں کوئی علت ہو یا

Marfat.com

ارسال وانقطاع کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اول درجہ کے ثقہ راویوں سے ہوں، پھر بھی ضعیف ہوں گی‘‘ (ص ۱۸۴)* [1]

---

* محدث زین الدینؒ فرماتے ہیں:

وحیث یقول المحدثون هذا حدیث صحیح فمرادهم فی ما ظهر لنا عملا بظاهر الاسناد لا انه مقطوع بصحته فی نفس الامر لجواز الخطا والنسیان علی الثقة (الامیر الیمانی: توضیح الافکار، ج۱، ص ۲۵)

محدثین جب کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صحیح ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سند کی ظاہری صورتِ حال کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں، یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ روایت واقعہ میں بھی درست ہے کیونکہ ثقہ راوی بھی غلطی کر سکتے اور بھول چوک کا شکار ہو سکتے ہیں۔

علوم الحدیث کے جلیل القدر عالم امام ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

فالحدیث المعلل هو الحدیث الذی اطلع فیه علی علة تقدح فی صحته مع ان ظاهره السلامة منها ویتطرق ذلك الی الاسناد الذی رجاله ثقات الجامع شروط الصحة من حیث الظاهر ویستعان علی ادراکها بتفرد الراوی وبمخالفة غیره له مع قرائن تنضم الی ذلك تنبه العارف بهذا الشان علی ارسال فی الموصول او وقف فی المرفوع او دخول حدیث فی حدیث او وهم واهم بغیر ذالك بحیث یغلب علی ظنه ذلك فیحكم به او یتردد فیتوقف فیه وكل ذالك مانع من الحكم بصحة ما وجد ذالك فیه (مقدمۃ ابن الصلاح، ص ۸۲)

’’معلل حدیث وہ ہوتی ہے جو بظاہر تو صحیح ہو لیکن اس میں کوئی ایسی خفیہ علت پائی جائے جو اس کی صحت میں قادح ہو۔ یہ صورت ایسی روایت میں بھی پائی جا سکتی ہے جس کی سند کے راوی ثقہ ہوں اور اس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط پائی جائیں۔ اس علت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ راوی بعض باتوں میں متفرد اور دوسرے راویوں کے مخالف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے قرائن فنِ حدیث کے ماہر کو یہ بتاتے ہیں کہ راوی نے متصل روایت کو منقطع یا مرفوع کو موقوف کر

Marfat.com

ثقہ راویوں کی مخالفت

o صحیح بخاری (رقم ۳۳۰۵، ۶۹۶۳) میں واقعہ معراج سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معروف روایت میں ان کے ایک شاگرد شریک بن عبداللہ یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ 'جاء ہ ثلاثة نفر قبل ان یوحی الیه'۔ یہ الفاظ شریک کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیے اور جمہور نے ان کی تغلیط کی ہے، اور اس کے قرائن بھی موجود ہیں کہ قبل ہجرت کے جملہ کو راوی نے غلطی سے قبل بعثت سے تعبیر کر دیا ہے۔* [۲]

o موطا امام مالک میں روایت ہے کہ 'امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة' (رقم ۲۳۲) امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں 'احدی عشرة رکعة' کے الفاظ صرف امام مالک نے بیان کیے ہیں، جبکہ باقی سب رواۃ 'احدی و عشرین' نقل کرتے ہیں۔ (التمہید، ۱/۱۱۴) [۳]

o مسلم میں طاؤس، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

دیا ہے، یا دو حدیثوں کے الفاظ کو گڈمڈ کر دیا ہے یا اس طرح کے کسی اور وہم کا شکار ہوا ہے۔ قرائن کی نوعیت کو لحاظ سے محدث کو کبھی غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی واضح رائے دے دیتا ہے اور کبھی اس کو محض تردد ہوتا ہے اور وہ توقف کا اظہار کرتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں روایت کو صحیح قرار دینے سے مانع ہوتی ہیں۔''

* امام نوویؒ اس پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

وقع فی روایة شریك اوهام انكرها العلماء، احدها قوله "قبل ان یوحی الیه" وهو غلط لم یوافق علیه واجمع العلماء ان فرض الصلاة كان لیلة الاسراء فكیف یكون قبل الوحی؟

اس روایت پر یہی اعتراض خطابی، ابن حزم، عبدالحق اور قاضی عیاض نے بھی کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے شریک کی اسی روایت میں دس ایسی باتوں کی نشان دہی کی ہے جو واقعہ معراج کی دیگر مشہور روایات کے خلاف ہیں۔ (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۴۸۰)

Marfat.com

وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد اور حضرت عمر کے ایام خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے معاملے میں جلد بازی سے کام لیا ہے، حالانکہ ان کو سوچنے اور سمجھنے کا وقت حاصل تھا۔ کیوں نہ ہم ان کو ان پر نافذ کر دیں تو حضرت عمر نے ان پر تین ہی نافذ کر دیں۔ (رقم ۲۶۸۹)

عبداللہ بن عباس کی یہ روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے، چنانچہ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ بطریق شعبی حضرت ابن عباس سے وہ روایت نقل کرتے ہیں جس میں غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے۔ اسی طرح قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ، عطاء، طاؤس اور جابر بن زید یہ سب حضرات ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو وہ اس کے حق میں ایک بائن طلاق ہو جاتی ہے۔ (السنن الکبریٰ، ۳۵۵/۷) حافظ ابن القیم امام ابن المنذر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر، طاؤس، ابوالشعثاء، عطاء اور عمرو بن دینار یہ فرماتے تھے کہ جس نے غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دیں، وہ ایک ہی ہوگی۔ (اغاثۃ اللہفان، ۲۹۰/۱) تو یہ واضح قرینہ ہے کہ مسلم کی روایت میں 'قبل ان یدخل بها' کا جملہ چھوٹ گیا ہے اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔

خود طاؤس، عطاء اور جابر بن زید کا فتویٰ یہ تھا کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک ہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاؤس کی اپنی روایت بھی غیر مدخول بہا سے مخصوص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابو عمر بن عبدالبر المالکی فرماتے ہیں کہ 'هذه الرواية وهم' (الجوہر النقی، ۳۳۷/۷) یعنی مسلم کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔ اور قاضی شوکانی امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ابن عباس کے تمام شاگرد طاؤس کے برخلاف روایت کرتے ہیں۔ (نیل الاوطار، ۲۴۷/۶) علامہ ابو جعفر النحاس اپنی کتاب 'الناسخ والمنسوخ' میں لکھتے ہیں کہ طاؤس اگرچہ مرد صالح ہیں لیکن حضرت ابن عباس سے بہت سی روایات میں متفرد ہیں۔ اہل علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے۔ من جملہ ان کے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انھوں نے حضرت ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے، لیکن صحیح روایت حضرت

Marfat.com

ابن عباس اور حضرت علی سے یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔(بحوالہ الاعلام المرفوعہ،ص ۱۲۲از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی) [۴]

سوءِ فہم سے بات کا مفہوم بدل دینا

قرآن کریم کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔اس میں کسی انسان کی دماغی محنت اور کاوش کو کوئی دخل نہیں ہے، بخلاف احادیث کے کیونکہ پہلے تو ہر حدیث کو نقل بالتواتر کا درجہ حاصل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کو حاصل ہے اور پھر احادیث میں نقل بالمعنی کا بھی کافی دخل ہے جیسا کہ فن حدیث سے تعلق رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے، بلکہ امام سیوطیؒ وغیرہ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ :ان اکثر الاحادیث مروی بالمعنی (الاقتراح ص ۶) یعنی اکثر احادیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بقید الفاظ مروی نہیں ہیں بلکہ راویوں نے احادیث کے معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔[۵]

اس کی چند مثالیں:

○ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'لا صلاۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب (بخاری، رقم ۷۱۴) یعنی جو شخص سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے، اس کی نماز ادا نہیں ہوتی۔

اس روایت کو نقل کرنے والے ایک راوی محمد بن خلاد نے اسے ان الفاظ سے نقل کیا ہے:'ام القرآن عوض من غیرها ولیس غیرها منها عوض' (مستدرک، ۳۶۳/۱) یعنی سورۂ فاتحہ باقی چیزوں کا عوض بن سکتی ہے، لیکن اس کا عوض کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

امام دارقطنی کا بیان ہے کہ 'ام القرآن عوض عن غیرها' کے الفاظ بیان کرنے میں محمد بن خلاد متفرد ہے۔(سنن الدارقطنی، ۳۲۲/۱) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ صحیح الفاظ وہی ہیں جو امام زہریؒ نے بیان کیے ہیں:'لا تجزئ صلاۃ لا یقرا فیها بام القرآن' (میزان الاعتدال، ۱۲۲/۱) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اگرچہ محدث عجلیؒ اور ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے، لیکن مع ہذا

Marfat.com

'ام القرآن عوض عن غیرھا' میں محمد بن خلاد نے غلطی کی ہے اور نقل بالمعنی کا ارتکاب کیا ہے۔ صحیح الفاظ وہی ہیں جو 'لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب' سے مروی ہیں، کیونکہ جمہور محدثین، جن میں حضرت امام احمد، ابن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ، ابن ابی عمرو، عمرو الناقد، معمر، صالح بن کیسان، اوزاعی، اور یونس بن یزید خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس حدیث کو 'لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب' کے الفاظ ہی سے نقل کرتے ہیں۔ (لسان المیزان، ۱۵۶/۵) [۶]

○ صحیح بخاری کی ایک روایت (رقم ۲۸۹۷) میں حضرت زبیر بن العوام کی مظلومانہ شہادت، ان پر قرض اور ان کی وراثت کی تقسیم کا ذکر ہے۔ حضرت زبیر نے اپنی شہادت سے پہلے اپنے بڑے لڑکے حضرت عبداللہ کو وصیت کرتے ہوئے تاکید فرمائی کہ میرا قرض (جو بقول محشی مولانا احمد علی سہارن پوری بائیس لاکھ درہم تھا) ادا کرنے کے بعد جو جائداد بچے، اس کا تیسرا حصہ وصیت کی مد میں ہے اور ثلث کا ثلث تیری اولاد یعنی میرے پوتے اور پوتیوں کے لیے وصیت ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے:

> وکان للزبیر اربع نسوۃ ورفع الثلث فاصاب کل امراۃ الف الف ومائتا الف فجمیع مالہ خمسون الف الف ومائتا الف۔
>
> ''حضرت زبیر کی چار بیویاں تھیں۔ تیسرا حصہ نکلنے کے بعد ہر ہر بی بی کو بارہ بارہ لاکھ وراثت ملی، سوان کا کل مال پانچ کروڑ اور دو لاکھ تھا۔''

شرعی قاعدے کے مطابق جب چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ ملا تو کل ثمن اڑتالیس لاکھ ہوا۔ (فتح الباری، ۲۳۲/۶) اس کے ساتھ سات ثمن اور ملائے گئے تو کل تین کروڑ چوراسی لاکھ ہوئے اور یہ دو تہائی ہے۔ ایک ثلث، جس کی وصیت کی گئی تھی، ایک کروڑ بانوے لاکھ ہے۔ اب دو تہائی اور ایک ثلث کو جمع کیا گیا تو کل پانچ کروڑ چھتر لاکھ ہوئے اور ان کے ساتھ بقول محشی بائیس لاکھ قرض جمع کیا گیا تو کل پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ ہوئے، حالانکہ بظاہر بخاری کی روایت کے مطابق پانچ کروڑ اور دو لاکھ بنتے ہیں۔

Marfat.com

حافظ ابومحمد عبدالمومن بن خلف الدمیاطی (التوفی ۷۰۵ھ) یہ فرماتے ہیں کہ بیبیوں کا حصہ بیان کرنے میں بعض راویوں سے غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے ہر ہر بیوی کا حصہ بارہ بارہ لاکھ بیان کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ہر بیوی کو دس دس لاکھ حصہ ملا تھا (الف الف) اور اس کے ساتھ مائتا الف کا ذکر راوی کی غلطی ہے۔ اس لحاظ سے جب ہر ہر بیوی کو دس دس لاکھ ملے تو ثمن چالیس لاکھ ہوا۔ اور ایسے سات ثمن اور ملائے گئے تو کل تین کروڑ اور بیس لاکھ ہوئے۔ یہ دو تہائی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ثلث وصیت کا ملایا گیا جو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ بنتا ہے تو کل چار کروڑ اور اسی لاکھ ہوئے اور ان کے ساتھ بائیس قرض بھی جمع کیا گیا تو کل پانچ کروڑ اور دو لاکھ بنے اور بخاری کی روایت میں 'فجمیع ماله خمسون الف الف و مائتا الف' کا حساب اپنی جگہ درست رہا۔

حافظ ابن حجر نے علامہ دمیاطی کی یہ توجیہ فتح الباری ۲۳۳/۶ میں نقل کی ہے مگر اس پر گرفت کی ہے کیونکہ اس میں حساب تو برابر ہو جاتا ہے مگر بخاری کی روایت میں مائتا الف کا جملہ غلط ہو جاتا ہے جو درست نہیں ہے۔[۷]

○ بعض روایات میں ذکر ہے کہ لیلۃ الجن میں عبداللہ بن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ (مسند احمد، رقم ۴۳۵۳۔ شرح معانی الآثار، رقم ۵۷۱۔ سنن الدارقطنی، ۷۶/۱) جبکہ علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا لیلۃ الجن میں آپ میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ تو انھوں نے کہا کہ 'ما صحبہ منا احد' (ترمذی، رقم ۳۱۸۱) یعنی ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

علامہ ماردینی 'الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی' ۱۲/۱ میں امام محمد بطلیوسی کی کتاب 'التنبیہ علی الاسباب الموجبة للخلاف' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ روایت بعض راویوں کی غلطی سے بگڑ گئی ہے۔ اصل الفاظ یہ تھے: 'لم یکن معہ احد غیری'، تو لفظ 'غیری' بعض راویوں سے چھوٹ گیا جس سے یہ خرابی پیدا ہوگئی۔ ابن قتیبہ مختلف الحدیث ص ۱۱۹ طبع مصر میں لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ کسی روایت کا معنی اس لیے بدل جاتا ہے کہ راوی کوئی ضروری جملہ چھوڑ دیتا ہے، جیسے

Marfat.com

اس حدیث میں لفظ 'غیری' بعض رواۃ سے چھوٹ گیا ہے۔ان حضرات کا یہ کہنا صحیح ہے، چنانچہ مستدرک حاکم ۲/۵۰۳ میں یہ روایت انھی الفاظ سے مروی ہے:

ابن مسعود یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاصحابہ وھو بمکة من احب منکم ان یحضر اللیلة امر الجن فلیفعل فلم یحضر منھم احد غیری

''ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آج کی رات جنوں کا معاملہ دیکھنا چاہے، وہ آ جائے، لیکن میرے سوا ان میں سے کوئی بھی حاضر نہ ہوا۔''

امام حاکم نے اس روایت پر سکوت کیا ہے جبکہ ذہبی فرماتے ہیں کہ 'صحیح عند جماعة'۔[۸]

○ ابوداود (رقم ۷۱۴) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ'۔(جب تم میں سے کوئی سجدہ کرنے لگے تو اس طرح اپنے اعضا زمین پر نہ رکھے جیسے اونٹ رکھتا ہے، بلکہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے)۔

حافظ ابن القیم زاد المعاد ۱/۵۷ میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت راویوں میں سے کسی پر منقلب ہو گئی ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۳ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے: اذا سجد احدکم فلیبدا برکبتیہ قبل یدیہ ولا یبرک کبروک الفحل (جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا کرے اور وہ طریقہ اختیار نہ کیا کرے جو اونٹ اختیار کرتا ہے)

اس جواب سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بروک فحل کے ساتھ تشبیہ درست ہے۔ابوداود (رقم ۷۱۵) میں ہے کہ 'ایعمد احدکم فی صلاتہ یبرک کما یبرک الجمل' (کیا تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھتے ہوئے اونٹ جیسا طریقہ اختیار کرتا ہے؟) [۹]

Marfat.com

o دار قطنی ۲۷۴/۱ میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر دو طواف اور دو سعیین کیں۔ امام دار قطنی کہتے ہیں کہ اصل الفاظ یوں تھے کہ 'قرن بین الحج و العمرة'، جس کو راوی نے 'طاف طوافین و سعی سعیین' سے تعبیر کر دیا۔ لیکن یہ تاویل درست نہیں، اس لیے کہ 'قرن بین الحج و العمرة' سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ آپ نے دو طواف نہ کیے ہوں۔ وہ تو صحیح روایات سے ثابت ہے۔[۱۰]

روایت کے متن میں اختصار

o آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو چیزیں تم میں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے، گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اللہ کے پیغمبر کی سنت۔ (موطا امام مالک، رقم ۱۳۹۵)

مسلم کی ایک روایت (رقم ۴۴۲۵) میں کتاب اللہ کے ساتھ دوسری چیز اہل بیت کا ذکر ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری چیز اہل بیت کی قدر اور تعظیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے عقیدت و محبت شرعی طور پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور ہر صحیح العقیدہ مسلمان کے دل میں ان کی محبت پیوستہ ہے۔ یہ بات محل نزاع نہیں، لیکن ان تفصیلی روایات کے پیش نظر دو چیزیں جو آپ نے امت کو دی ہیں، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔ ہاں، کتاب اللہ کے ذکر کے بعد آپ نے جملہ معترضہ کے طور پر اہل بیت کے احترام کا تذکرہ کیا ہے اور مسلم کی جتنی روایت مذکور ہے، وہ صحیح ہے مگر سنت کا جملہ راوی نے نسیاناً یا اختصاراً ترک کر دیا ہے۔ مسلم کی حدیث کے الفاظ بھی اس کی غمازی کرتے ہیں کہ الفاظ یہ ہیں:

وانا تارك فيكم ثقلين: اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به، فحث على كتاب الله ورغب فيه، ثم قال: واهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي، اذكركم الله في اهل بيتي، اذكركم الله في اهل بيتي (رقم ۴۴۲۵)

Marfat.com

''میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے، سو کتاب اللہ کو پکڑو اور اس کو مضبوطی سے تھامو۔ آپ نے کتاب اللہ کو تھامنے پر ابھارا اور رغبت دلائی۔ پھر فرمایا کہ میرے اہل بیت کا خیال رکھنا۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت یاد دلاتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد دلاتا ہوں۔''

ہر سمجھ دار آدمی الفاظ حدیث کو دیکھ کر بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ثقلین میں 'اولھما' کا ذکر تو کتاب اللہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور ثانیھما کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا، اور یہ دوسری چیز تفصیلی روایات کے پیش نظر سنت ہے۔ ہاں اس حدیث میں کتاب اللہ پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ جملہ معترضہ کے طور پر بار بار اہل بیت کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، لیکن یہ ثقلین میں سے دوسری چیز نہیں۔ [۱۱]

o ترمذی (رقم ۱۰۲۱) اور دار قطنی ۳۸۱/۲ میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل

''جو کوئی عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے۔''

اس روایت میں راوی نے ایک جملہ چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے حدیث کا مفہوم سمجھنے میں خرابی پیدا ہوئی ہے۔ امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۴ میں لکھتے ہیں کہ اصل روایت یوں ہے:

ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولی و شاھدی عدل فنکاحھا باطل۔

موارد الظمآن ص ۳۰۵ میں ہے: لا نکاح الا بولی و شاھدی عدل۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے (مسند الشافعی، ص ۹۸) اور بعض دیگر صحابہ کرام سے مرفوعاً بھی منقول ہے۔ مثلاً طبرانی میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی میں حضرت عمران اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے۔ (الجامع الصغیر ۲/ ۲۰۴) [۱۲]

Marfat.com

متن حدیث میں ادراج

محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ جو جملہ حدیث کے ساتھ ہو، وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہوسکتا۔ امام بیہقی کا بیان ہے کہ جو جملہ حدیث مرفوع کے ساتھ بیان ہو، وہ مرفوع ہی ہوگا، الا یہ کہ اس کے مدرج ہونے پر قاطع دلیل قائم ہو۔ (تلخیص الحبیر، ص ۱۲۶) اور کمزور سند اور محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہوسکتا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہوسکتا۔ (فتح الباری، ۴۲۵/۱۱) قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ادراج مجرد دعوے سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ (نیل الاوطار ۳۵۱/۱)

ادراج کے اثبات کے لیے محدثین کرام نے جو قواعد بیان فرمائے ہیں، وہ یہ ہیں:

ویدرك ذلك بوروده منفصلاً فی روایة اخری او بالتنصیص علی ذلك من الراوی او بعض الائمة المطلعین او باستحالة كونه صلی الله علیه وسلم یقول ذلك۔ (تدریب الراوی، ص ۱۷۳)

''اور اس ادراج کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ آیا ہو یا راوی صراحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے، یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونا محال ہو۔'' [۱۳]

○ امام زہریؒ مرفوع حدیث بیان کر رہے تھے جس میں 'فانتھی الناس' کا جملہ بھی تھا۔ امام موصوف کے شاگرد بکثرت تھے۔ ایک نے یہ جملہ براہ راست امام زہریؒ سے نہ سنا تو رفیق سبق سے پوچھا کہ امام زہریؒ نے کیا فرمایا تھا؟ وہ بولے کہ 'فانتھی الناس' کہا تھا۔ اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا کہ شاید یہ جملہ امام زہری کا مدرج ہے، حالانکہ یہ جملہ بھی مرفوع حدیث میں موجود تھا۔ (فتح الملہم، ۲۳/۲۔ اعلاء السنن، ۸۸/۴) چنانچہ روایت یوں ہے:

وقال عبد الله بن محمد الزهری من بینهم قال سفیان وتكلم الزهری بكلمة لم اسمعها فقال معمر انه قال فانتهی الناس۔

(ابوداؤد، رقم ۷۰۳۔ کتاب القراءۃ، ص ۹۹۔ السنن الکبریٰ، ۱۵۸/۲)

Marfat.com

''اپنے ساتھیوں میں سے عبداللہ بن محمد نے یہ بیان کیا کہ سفیان نے فرمایا کہ امام زہری نے ایک کلمہ بیان کیا لیکن میں خود ان سے نہ سن سکا۔ میں نے پوچھا کہ انھوں نے کیا فرمایا ہے؟ امام معمرؒ نے فرمایا کہ زہری نے فانتھی الناس کا جملہ بیان کیا ہے۔''

کتب احادیث میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً زہیر کا بیان ہے کہ ابوالزبیر حدیث بیان کررہے تھے۔ ایک جملہ میں نہ سن سکا۔ وہ جملہ مجھے میرے رفیق درس یاسین زیادت نے بتایا۔ (طیالسی، ص ۲۴۰) حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ارشاد فرمارہے تھے، لیکن ایک جملہ میں نہ سن سکا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا تو اس نے مجھے بتلایا۔ (بخاری، رقم ۶۶۸۲۔ مسلم، رقم ۳۳۹۳۔ ترمذی، رقم ۲۱۴۹۔ ابوداود، رقم ۴۲۷۱۔ طیالسی، ص ۱۸۰۔ بغدادی، ۱۹۶/۱) حضرت عبداللہ بن قرطہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی مگر ایک خفیف سا کلمہ میں نہ سن سکا۔ میں نے پہلو میں اپنے رفیق سے پوچھا تو اس نے مجھے بتایا۔ (مستدرک، ۲۲۱/۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی، لیکن ایک جملہ اہل مجلس کے رونے اور شوروغل کی وجہ سے میں نہ سن سکی۔ میرے قریب جو صاحب بیٹھے تھے، میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے وہ جملہ مجھے بتایا۔ (نسائی، رقم ۲۰۳۵۔ مشکوۃ، ۲۶/۱) [۱۴]

ادراج کی چند مثالیں:

○ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ 'خلف الامام' کا جملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں، بلکہ یہ حضرت عبادہ بن الصامت کا قول ہے اور بعض غلط کار راویوں نے اس کو مرفوع حدیث میں درج کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وضعفه ثابت بوجوه وانما هو قول عبادة بن الصامت (تنوع العبادات، ص ۸۶)

''یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف اور معلول ہے اور (یہ مرفوع بھی نہیں بلکہ) حضرت عبادہ بن الصامت کا قول ہے۔''

Marfat.com

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

وهذا الحديث معلل عن ائمة الحديث كاحمد وغيره من الائمة وقد بسط الكلام على ضعفه في غير هذا الموضع وبين ان الحديث الصحيح قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا صلاة الا بام القرآن" فهذا هو الذي اخرجاه في الصحيح ورواه الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة اما الحديث فغلط فيه بعض الشاميين واصله ان عبادة كان يوما في بيت المقدس فقال هذا فاشتبه عليهم المرفوع بالموقوف على عبادة (فتاویٰ،۲/۱۵۰)

''اس حدیث کو امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے اور کسی دوسرے مقام میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کا ضعف بیان کیا گیا ہے اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث جو بخاری ومسلم میں موجود ہے، اور جس کو امام زہری محمود بن ربیع کے طریق سے حضرت عبادہ سے روایت کرتے ہیں، صرف یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ رہی یہ حدیث (جس میں خلف الامام کی زیادت ہے) تو اس میں بعض شامی راویوں کی غلطی شامل ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عبادہ بن الصامت نے ایک دن بیت المقدس میں یہ حدیث بیان کی (اور اپنا قول خلف الامام بھی انھوں نے بیان کیا)، سو راویوں پر مرفوع حدیث اور موقوف قول مشتبہ اور خلط ملط ہو گیا۔''

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ 'خلف الامام' کا لفظ شاذ ہے کیونکہ ثقات محدثین اس کو نقل نہیں کرتے۔ امام بیہقی وغیرہ نے گو اس حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے (اور اس کے اثبات کے لیے ہاتھ پاؤں بھی مارے ہیں) مگر یہ زیادت بہرحال ضعیف ہے۔ (بذل المجہود،۲/۵۵) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ 'خلف الامام' یقیناً اور قطعاً مدرج ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے مدرج ہونے پر قسم کھائے تو وہ ہرگز حانث نہ ہوگا۔ (فصل الخطاب، ص ۷۹)

Marfat.com

یہ قرین انصاف بھی ہے، اس لیے کہ امام زہری سے ثقات اور حفاظ کی ایک جماعت یہ روایت نقل کرتی ہے اور ان کی روایت میں 'خلف الامام' کا لفظ نہیں، لیکن جب مکحول روایت کرتے ہیں تو اس میں 'خلف الامام' کا پیوند بھی ساتھ ہی ملتا ہے۔ اب آپ نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی طور پر ان راویوں کا ذکر سن لیں جو امام زہری سے روایت کرتے ہیں مگر 'خلف الامام' کا پنچر ساتھ نہیں ملاتے:

- امام سفیان بن عیینہؒ (بخاری، رقم ۷۱۴۔ مسلم، رقم ۵۹۵۔ ابوعوانہ، رقم ۱۶۶۴۔ جزء القراءۃ، ص ۲۰)
- امام یونسؒ (مسلم، رقم ۵۹۶۔ ابوعوانہ، رقم ۱۶۶۷)
- امام صالح بن کیسانؒ (مسلم، رقم ۵۹۷۔ ابوعوانہ، رقم ۱۶۶۶)
- امام معمرؒ (مسلم، رقم ۵۹۷۔ ابوعوانہ، رقم ۱۶۶۵)
- امام مالکؒ (موطا، ص ۲۹۔ جزء القراءۃ، ص ۳۳ و ۵۵)
- امام ابن جریجؒ (کتاب القراءۃ، ص ۹۶)
- امام لیث بن سعدؒ (جزء القراءۃ، ص ۲۳)
- امام قرۃ بن عبدالرحمٰنؒ (کتاب القراءۃ، ص ۱۱)
- امام عقیلؒ (ایضاً)
- امام اسحاق بن عبدالرحمٰن مدنیؒ (ایضاً)
- امام اوزاعیؒ (ایضاً)
- امام شعیب بن ابی حمزہؒ (ایضاً)
- امام موسیٰ بن عقبہؒ (معجم صغیر طبرانی، ص ۴۲)

یہ تمام جو حدیث وفقہ کے مسلم امام ہیں، امام زہری سے یہ روایت نقل کرتے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی 'خلف الامام' کا ذکر نہیں کرتا اور جب مکحول اور ابن اسحاق وغیرہ ضعیف، کمزور اور 'لیس بالمتین' راویوں کی باری آتی ہے تو ان کی روایت میں 'خلف الامام' کا پیوند اور پنچر

Marfat.com

بھی ساتھ ہی ملتا ہے۔ [۱۵]

○ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام زہریؒ اپنے کلام کو حدیث میں ملا دیا کرتے تھے۔ (جزء القراءۃ، ص۲۳) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہری کی یہ عادت نہ تھی، بلکہ ایک خاص حدیث میں فعل تھا۔ (محصلہ ص ۲۲۷) مگر اس میں کوئی جان نہیں، کیونکہ خود مولف خیر الکلام اسی صفحہ میں امام بخاری کی جزء القراءۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 'قال ربیعة للزهري اذا حدثت فبين كلامك'۔ اس میں 'اذا' شرطیہ ہے اور خود مولف مذکور ص ۸۲ میں بحوالہ قاضی شوکانی اسماء الشرط کو عام لکھتے ہیں۔*

---

*امام زہری کے ہاں ادراج کی ایک مثال ذوالیدین کے مشہور واقعے میں ملتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا تو ذوالشمالین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، کیا نماز کی رکعتیں کم ہوگئی ہیں یا آپ بھول گئے ہیں؟ امام زہری نے اپنی روایت میں ذوالیدین کا نام عبد عمرو بن نضلۃ ذکر کیا ہے۔ ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ائمہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ زہری کا ادراج ہے اور وہ اس میں وہم کا شکار ہوئے ہیں، کیونکہ ذوالشمالین غزوۂ بدر میں شہید ہو چکے تھے جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر، جو بدر سے پانچ سال بعد رونما ہوا، اسلام قبول کیا تھا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ ابن سیرین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں ثابت ہے کہ وہ اس نماز میں (جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو لاحق ہوا) آپ کے ساتھ شریک تھے۔ اور ذوالیدین کا نام عبد عمرو نہیں بلکہ خرباق ہے۔ (الاصابہ، ترجمہ عبد عمرو بن نضلۃ الخزاعی)

امام زہری نے حضرت انس سے سیدنا عثمان کے دور میں جمع قرآن کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اس روایت کے آخر میں ذکر ہے کہ اس موقع پر صحابہ کے مابین لفظ 'تابوت' کے لکھنے میں اختلاف ہوا تو سیدنا عثمان نے ہدایت کی کہ اسے قریش کے لہجے کے مطابق 'تابوت' لکھا جائے کیونکہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ ٹکڑا اصل روایت کا حصہ نہیں، بلکہ امام زہری کا قول ہے، چنانچہ ان کے ایک شاگرد ابو الولید نے اپنے طریق میں اس کی وضاحت کی ہے۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم

Marfat.com

مدرج کے لیے یہ دعویٰ کرنا کہ کلام مستقل ہو، بالکل بے دلیل ہے کیونکہ ادراج جیسے مستقل کلام سے ہوتا ہے، غیر مستقل سے بھی ہوسکتا ہے۔[۱۶]

۳۸۰۶) جامع ترمذی کی روایت (رقم ۳۰۲۹) میں بھی اس ٹکڑے کے امام زہری کا قول ہونے کی تنقیح موجود ہے۔

امام طحاوی جمع بین الصلاتین سے متعلق انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد يحتمل ان يكون صفة الجمع من كلام الزهرى لا عن النبى صلى الله عليه وسلم لانه قد كان كثيرا ما يفعل هذا، يصل الحديث بكلامه حتى يتوهم ان ذلك فى الحديث (شرح معانی الآثار، باب الجمع بین الصلاتین کیف ہو، رقم ۵۸۵)

''یہ احتمال بھی ہے کہ نمازوں کو جمع کرنے کا طریقہ، زہری کا اپنا کلام ہو نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، کیونکہ زہری بکثرت ایسا کیا کرتے تھے، یعنی حدیث کو اپنے کلام کے ساتھ ملا دیتے تھے جس سے (سننے والا) اس غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ یہ الفاظ بھی حدیث کا حصہ ہیں۔''

Marfat.com

زیادتِ ثقہ کی بحث

حضرات محدثین کرام، فقہاء عظام اور ارباب اصول کا یہ اتفاقی، اجماعی اور طے شدہ قاعدہ ہے کہ جب راوی ثقہ اور حافظ ہو اور وہ زیادت نقل کرے تو مطلقاً اس کی روایت مقبول ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ 'والزیادۃ مقبولۃ والمفسر یقضی علی المبھم اذا رواہ اھل الثبت' (بخاری ۱/۲۰۱) ''زیادت مقبول ہے اور مفسر روایت مبہم پر حاکم ہے جبکہ اہل تثبت اس کو روایت کریں۔''

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (کتاب العلل ۲/۲۴۰)

امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ فقہائے اسلام کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ متون اور اسانید میں ثقات کی زیادت مقبول ہوگی۔ (مستدرک ۱/۳)

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ حافظ، متقن اور مشہور راوی کی زیادت کا انکار ہرگز نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی زیادت بہرحال قابل قبول ہوگی، لیکن اگر کوئی ایسا راوی جو اس کے ہم پایہ نہ ہو اور متواتر حدیث میں ایک جملہ زائد کرے تو وہ زیادت قابل قبول نہیں ہے۔ (محصلہ کتاب القراءۃ ص ۹۵)

امام خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہا اور محدثین یہ فرماتے ہیں کہ ثقہ راوی جب منفرد ہو تو اس کی زیادت قابل قبول ہے۔ (الکفایہ ص ۴۲۴) اور مختلف اقوال و آرا نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''ان اقوال میں سے جو قول ہم اختیار کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ زیادت جہاں بھی وارد ہو، وہ

Marfat.com

بہر صورت مقبول اور قابل عمل ہے جبکہ اس کا راوی عادل، حافظ اور متقن ضابط ہو۔"

علامہ محدث حسین بن محسن انصاریؒ نے شاذ اور معلل پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ جب ثقہ راوی زیادت نقل کرے تو وہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے، اس کو رد کرنے کا کیا معنی؟ (البیان المکمل ص ۶۷ المنضم مع الدارقطنی)

علامہ قسطلانی (التوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ ثقات کی زیادت مطلقاً قابل قبول ہے۔ (قسطلانی ۸/۱)

علامہ حازمیؒ الشافعی (التوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے۔ (کتاب الاعتبار ص ۲۰)

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین اور علماء فقہ و اصول اس بات پر متفق ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد مقبول ہے۔ (تلخیص المستدرک ۳۱/۱) مزید لکھتے ہیں کہ جمہور فقہا اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ زیادت ثقہ مطلقاً مقبول ہے۔ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ص ۱۵۶)

علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (الجوہر النقی ۱۵۵/۲)

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ابن طاہرؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس قول پر سب کا اتفاق ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۵۶)

علامہ زیلعیؒ کا بیان ہے کہ ثقہ، متقن اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (زیلعی ۳۳۶/۱)

حافظ ابن حجر بھی اس کی تصریح کرتے ہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۳۷) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زیادت کے ذکر کنے میں اوزاعیؒ متفرد ہے، تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی خطا ہے کیونکہ یہ ثقہ اور حافظ کی زیادت ہے اور یہ اس کے باقی رفقا کی روایت کے منافی نہیں، سو یہ قابل قبول ہے اور شاذ نہیں ہے۔ اور صحیح روایات کو ان رکیک بہانوں سے ٹھکرانے کا کوئی معنی نہیں۔" (فتح الباری ۲۴۷/۱)

قاضی شوکانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (نیل الاوطار ۱۶۱/۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

Marfat.com

کہ ''شاذ کہہ کر روایت کو معلول قرار دینے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاسکتی جبکہ رافع ثقہ ہے۔''
(نیل الاوطار ۱/۲۰۲)

علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۶۳)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی جب تنہا کوئی زیادت نقل کرے تو وہ صحیح ہے اور اگر کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ اس زیادت کو بیان کرتا ہو تو اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ (التعلیق المغنی ۲/۱۸۳)

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ ''وشک نیست کہ زیادت ثقہ مقبول است۔'' (بدور الاہلہ ص ۵۶) نیز فرماتے ہیں کہ ''ونیز زیادت ثقہ مقبول است مطلقاً نزد جماہیر از اہل حدیث وفقہ واصول قالہ النووی''۔ (ہدایۃ السائل ص ۱۹۱)

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۱/۲۰۵)

مولف خیر الکلام ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوا تو اس صورت میں ان کا تفرد کوئی مضر نہیں ہوگا۔ (ص ۲۸۸)

مولانا گنگوہی تحریر فرماتے ہیں کہ ''اور زیادت ثقہ کی باتفاق جملہ محدثین قدیم وجدید کہ جن میں خود بخاری علیہ الرحمہ بھی ہیں، صحیح ومعتبر ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (ہدایۃ المعتدی ص ۵) [۱۷]

o روایت اصل میں یوں تھی:

کل صلوۃ لا یقرا فیھا بام القرآن فھی خداج الا صلوۃ خلف الامام (کتاب القراءۃ ص ۱۳۵)

''ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کی جائے، وہ ناتمام ہے، البتہ امام کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز کا معاملہ مختلف ہے۔''

امام بیہقی وغیرہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ 'الا صلوۃ خلف الامام' کی زیادت نقل کرنے میں خالد بن عبد اللہ بن الطحان نے غلطی کی ہے، لیکن یہ اعتراض بے جا ہے۔ خالد

Marfat.com

بلا اختلاف ثقہ ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں علاء بن عبد الرحمٰن پر، جنھوں نے اس روایت میں 'الا صلوۃ خلف الامام' کی ضروری استثنا ترک کر دی ہے، محدثین نے جرح کی ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث حجت نہیں۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔ (میزان الاعتدال ۲/۲۱۲۔ تہذیب التہذیب ۸/۱۸۶) ابن عبد البر انصاف ص ۱۶ میں لکھتے ہیں کہ علاء محدثین کے نزدیک مضبوط راوی نہیں ہے اور وہ اس روایت کو نقل کرنے میں متفرد ہے، اس کے الفاظ اس کے علاوہ کسی سے مروی نہیں۔ [۱۸]

○ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ کے لیے حلوہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: انی آکل واصوم یوما مکانہ (میں اس کو کھا لیتا ہوں اور اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھ لوں گا)

اس روایت میں 'واصوم یوما مکانہ' کے جملے کو سفیان ابن عیینہ سے محمد بن عمرو بن العباس الباہلی کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کیا، اور اس کے بغیر اس روایت کو نقل کرنے والے راوی بہت زیادہ ہیں جس سے امام دارقطنی نے یہ استدلال کیا ہے کہ باہلی کو وہم ہوا ہے۔ (دارقطنی ۱/۲۳۶) التعلیق المغنی ۱/۲۳۶ میں ہے کہ نسائی کی السنن الکبریٰ میں سفیان بن عیینہ سے یہ جملہ محمد بن منصور نے بھی روایت کیا ہے۔ امام نسائی کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہم خود سفیان بن عیینہ کو لاحق ہوا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے عام طور پر یہ روایت 'ساصوم یوما مکانہ' کے جملے کے بغیر سنی ہے، لیکن ان کی وفات سے ایک سال پہلے میں نے یہ روایت ان کے سامنے پیش کی تو انھوں نے روایت میں یہ جملہ بھی بیان کیا۔

سفیان بن عیینہ خود بھی ثقہ اور ثبت ہیں اور انھوں نے آخر الامر 'ساصوم یوما مکانہ' کا جملہ روایت میں بیان کیا ہے، اور ثقہ کی بیان کردہ زیادت مقبول ہے۔ پھر ابن عیینہ سے اس زیادت کو نقل کرنے میں باہلی متفرد بھی نہیں، بلکہ نسائی کی السنن الکبریٰ میں محمد بن منصور بھی ان کی متابعت کرتے ہیں۔ [۱۹]

Marfat.com

ثقہ کی زیادت کب مقبول نہیں؟

شاذ اور غیر مقبول روایت میں حضرات محدثین کرام کے نزدیک ایک بنیادی شرط ہے۔ وہ یہ کہ اس کی روایت باقی ثقات کی روایت کے مخالف اور منافی ہو اور مخالفت اور منافات بھی بایں طور کہ اس کے تسلیم کر لینے سے ان باقی ثقات کی روایت کا رد لازم آتا ہو اور اس زیادت کی اصل حدیث کے ساتھ موافقت کی مطلقاً کوئی راہ نہ پیدا ہوتی ہو۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

لیس الشاذ من الحدیث ان یروی الثقة ما لا یرویه غیره هذا لیس بشاذ وانما الشاذ ان یروی الثقة حدیثا یخالف فیه الناس هذا الشاذ من الحدیث۔ (معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۱۹)

''شاذ وہ حدیث نہیں ہے جس کو ثقہ روایت کرے اور دوسرے روایت نہ کرتے ہوں، بلکہ شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ روایت کرتا ہو مگر اس میں دوسرے لوگوں کی مخالفت کرے۔ یہ ہے شاذ۔''

امام مسلم فرماتے ہیں کہ:

وعلامة المنکر فی حدیث المحدث اذا ما عرضت روایته للحدیث علی روایة غیره من اهل الحفظ والرضی خالفت روایته روایتهم او لم تکد توافقها فاذا کان الاغلب من حدیثه کذلك کان مهجور الحدیث غیر مقبوله ولا مستعمله۔ (مسلم، ۵/۱)

''اور محدث کی قابل انکار حدیث کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی روایت دوسرے اہل حفظ اور پسندیدہ راویوں کی روایت پر پیش کی جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن ہی نہیں کہ اس کے موافق ہو۔ پس جب اس کی حدیث پر اغلب یہ ہو تو اس کی حدیث متروک اور غیر مقبول ہوگی اور قابل عمل نہ ہوگی۔''

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

لان الزیادة اما ان تکون لا تنافی بینها وبین روایة من لم یذکرها فهذه تقبل مطلقا لانها فی حکم الحدیث المستقل الذی یتفرد به

Marfat.com

الثقة ولا يرويه عن شيخه غيره واما ان تكون منافية بحيث يلزم من قبولها رد الرواية الاخرى فهذه هي التي يقع الترجيح بينها وبين معارضها فيقبل الراجح ويرد المرجوح۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۳۷)

''کیونکہ زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ اس میں اور دوسرے راویوں کی روایت میں، جنھوں نے اس کو ذکر نہیں کیا، منافات نہ ہوگی تو ایسی زیادت مطلقاً مقبول ہے کیونکہ یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کے بیان میں ثقہ راوی متفرد ہو اور اس کے شیخ سے اور کوئی روایت نہ کرتا ہو۔ اور یا وہ زیادت ایسی ہوگی کہ وہ دوسرے راویوں کی روایت کے منافی ہوگی، اس حیثیت سے کہ اس کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو اس میں اور اس کی معارض میں ترجیح کا سوال ہوگا۔ راجح کو قبول کیا جائے گا اور مرجوح کو رد کر دیا جائے گا۔''

تدریب الراوی میں ہے:

ثم يفسرون الشذوذ بمخالفة الثقة من هو اوثق منه والمنقول عن ائمة الحديث المتقدمين كابن مهدى ويحيى القطان واحمد وابن معين وابن المدينى والبخارى وابى زرعة وابى حاتم والنسائى والدارقطنى وغيرهم اعتبار الترجيح فى ما يتعلق بالزيادة المنافية بحيث يلزم من قبولها رد الرواية الاخرى (تدریب الراوی، ص ۱۵۷)

''پھر حضرات محدثین شذوذ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ثقہ راوی ثقہ تر راوی کی مخالفت کرے اور متقدمین ائمہ حدیث مثلاً ابن مہدی، یحیٰی القطان، احمد، ابن معین، ابن المدینی، بخاری، ابو زرعہ، ابو حاتم، نسائی اور دارقطنی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اعتبار ترجیح کا اس منافی زیادت سے متعلق ہے جس کا قبول کر لینا دوسری روایت کے رد کو مستلزم ہو۔''

توجیہ النظر میں ہے:

وزيادة راوى الصحيح والحسن تقبل مطلقا ان لم تكن منافية لرواية من لم يذكرها لانها حينئذ كالحديث المستقل الذى ينفرد به الثقة ولا يرويه عن شيخه غيره فان كانت منافية لها بحيث يلزم من قبولها

Marfat.com

رد الـروايـة الاخـرى بـحث عن الراجح منهما فان كان الراجح منهما رواية مـن لـم يـذكـر تـلـك الـزيادة لمزيد ضبطه او كثرة عدده او غير ذلك من موجبات الرجحان ردت تلك الزيادة وان كان الراجح منها رواية من ذكر تلك الزيادة قبلت (توجیہ النظر ص ۲۱۹، ۲۲۰)

''صحیح اور حسن کے راوی کی زیادت مطلقاً مقبول ہے اگر وہ ان راویوں کی روایت کے مخالف نہ ہو جنھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ اس وقت مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کو ثقہ راوی انفرادی طور پر بیان کرتا ہے اور اس کے شیخ سے کوئی اور اس کا راوی نہیں ہے۔ پس اگر وہ زیادت دوسری روایت کے، جس میں زیادت نہیں ہے، بایں طور منافی ہو کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے اس روایت کا رد لازم آتا ہو تو یہاں راجح و مرجوح کی بحث چلے گی۔ اگر راجح ان راویوں کی روایت ہے جنھوں نے اس کو ذکر نہیں کیا، مزید ضبط یا کثرت عدد یا ترجیح کے اور اسباب میں سے کوئی سبب ہو تو اس زیادت کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر راجح اس کی روایت ہے جس نے اس کو ذکر کیا ہے تو زیادت قبول کر لی جائے گی۔''

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت اس وقت شاذ اور نا قابل قبول ہوتی ہے جب اصل روایت کے منافی ہو۔ اگر اصل اور ما قبل کے منافی نہ ہو تو جمہور محققین کے نزدیک وہ زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (ابکار المنن ص ۳۷) [۲۰]

○ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ اگر کوئی ثقہ اور حافظ راوی زیادت بیان کرے اور دیگر ثقات حفاظ اور متقنین نے وہ بیان نہ کی ہو تو ہم ایسی زیادت کا انکار نہیں کرتے، لیکن اگر کوئی ایسا راوی زیادت نقل کرتا ہو جو حفظ و اتقان میں ان حفاظ اور ثقات کا ہم پلہ نہ ہو تو اس کی زیادت قبول نہیں کی جا سکتی۔ (کتاب القراءۃ ص ۹۵)

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام کا زیادت کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ اگر چند ثقات اور حفاظ کسی حدیث کو بیان کریں، پھر ان ہی ثقات میں کوئی ثقہ زیادت نقل کرے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو یہ زیادت قابل قبول ہو گی، لیکن اگر کوئی راوی

Marfat.com

امام زہریؒ جیسے امام سے جن کے بکثرت تلامذہ موجود ہیں اور حفاظ اور متقنین بھی ہیں، یا ہشام بن عروہ جیسے امام سے ان کی مروی حدیث میں کوئی ایسی زیادت نقل کرے جو ان کے تمام دیگر ثقات تلامذہ بیان نہیں کرتے اور ان کی یہ حدیث بھی اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو اور زیادت نقل کرنے والا ان ثقات کے ساتھ شریک بھی نہ ہو تو اس قسم کے راویوں کی زیادت کو قبول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مقدمہ مسلم ج ۱ ص ۵) [۲۱]

شاذ اور منکر کی چند مثالیں

○ ابوداؤد (رقم ۲۶۱) اور نسائی (رقم ۲۱۵) میں روایت ہے کہ 'اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف'، (حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ شوکانی نیل الاوطار ۱/۲۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔ اوجز المسالک ۱/۱۴۹ میں قاضی ابوالولید الباجیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ ہدیۃ المجتنی ص ۵۵ میں ہے کہ علامہ زیلعی اور امام طحاوی نے بھی اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ [۲۲]

○ ترمذی (رقم ۹۰) اور ابن ماجہ (رقم ۵۴۳) میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان النبی صلی الله علیه وسلم مسح اعلی الخف و اسفله۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر اور نیچے، دونوں جانب مسح کیا۔

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ اور امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہ یہ صحیح نہیں۔ خود امام ترمذی کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ یہ روایت معلول ہے۔ حافظ ابن القیم تہذیب سنن ابی داؤد ۱/۱۲۵، ۱۲۶ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری، ابوزرعہ، ترمذی، ابوداؤد، شافعی جیسے بڑے بڑے ائمہ اور متاخرین میں سے ابن حزم نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے، اس لیے کہ یہ تمام صحیح روایات کے خلاف ہے۔ امام عبدالرحمن بن ابی حاتم اپنے والد ابو حاتم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں۔ (العلل لابن ابی حاتم، ۱/۵۴) حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر ص ۵۹ میں اور سید انور شاہ صاحب العرف الشذی ص ۵۷ میں لکھتے ہیں

Marfat.com

کہ محدث بزار نے اس روایت کو ساٹھ سندوں سے نقل کیا ہے، لیکن مذکورہ سند کے بغیر کسی طریق میں 'اسفل' کا لفظ نہیں۔ اپنا خیال ہے کہ یہ خطا ولید بن مسلم کی ہے کیونکہ امام احمد نے اس کو کثیر الخطا قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۱۱/ ۱۵۴) [۲۳]

○ خیر القرون سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معروف ارشاد کتب حدیث میں یوں مروی ہے: خیر کم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم' (بخاری، ۲۴۵۸) یعنی بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں موجود ہیں، پھر اس کے بعد وہ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر اس کے بعد وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عمران بن حصین اور حضرت عائشہ کی صحیح روایات میں علی التعیین تین قرن ہی ذکر کیے گئے ہیں۔ چوتھے قرن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود کی روایت بخاری شریف میں متعدد جگہ آئی ہے۔ (رقم ۲۴۵۸، ۳۳۷۸، ۵۹۴۹) ان میں نہ شک کے الفاظ آتے ہیں اور نہ چوتھے قرن کا ذکر ہے۔ امام مسلم نے جو روایات متابعات میں اور درجہ دوم میں پیش کی ہیں، جن میں ایک روایت حضرت ابن مسعود سے، دوسری حضرت ابو ہریرہ سے اور تیسری حضرت عمران بن حصین سے ہے، ان میں شک کے الفاظ آتے ہیں، (رقم ۴۶۰۱، ۴۶۰۲، ۴۶۰۳) لیکن امام مسلم مقدمہ ص ۳، ۴ میں اپنا قاعدہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''ہم درجہ اول میں صرف وہ روایات پیش کریں گے جن کے راوی حفظ اور اتقان میں مسلم ہوں گے اور وہ چنداں وہم اور خطا کا شکار بھی نہ ہوئے ہوں گے اور درجہ دوم میں ایسے راویوں کی روایتیں ہوں گی جو حفظ و اتقان میں بھی پہلے راویوں کے ہم پلہ نہ ہوں گے، نیز ان سے خطا اور وہم بھی صادر ہوا ہوگا۔''

امام مسلم کے اس قاعدہ کے لحاظ سے تین قرن والی روایت بالکل صحیح ہے اور جن روایتوں میں چار قرنوں کا ذکر ہے، وہ راویوں کے وہم اور ان کی غلطی پر محمول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مسلم ان شک والی روایتوں کے بعد حضرت عائشہ کی تین قرن والی روایت پیش کر کے اس پر مہر لگاتے ہیں کہ صحیح تین ہی قرن ہیں۔ (رقم ۴۶۰۴) یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام مسلم نے جو روایتیں

Marfat.com

متابعات میں اور درجہ دوم میں نقل کی ہیں، ان میں بعض میں یہ الفاظ آتے ہیں:'واللہ اعلم اذکر الثالث ام لا' (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ نے (اپنے بعد) تیسرے قرن کا ذکر کیا یا نہیں کیا؟ اور بعض میں یوں آتا ہے:'فلا ادری اقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنہ مرتین او ثلاثا' (مجھے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرنوں کا ذکر کیا یا تین کا)۔ بخاری (رقم ۲۴۵۷) میں حضرت عمران سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں۔ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ان کی لاعلمی سے جاننے والوں کی روایات پر (جن میں حضرت ابن مسعود، حضرت عمر اور حضرت عائشہ وغیرہ ہیں) مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا جو اپنے حفظ واتقان صحیح اور پختہ علم کے مطابق وثوق کے ساتھ صرف تین قرنوں کا ذکر فرماتے ہیں اور ان کی روایات میں کوئی لفظ شک اور شبہ کا بھی نہیں ہے۔ [۲۴]

o حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یاتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقولون فیکم من صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم ثم یاتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقال ھل فیکم من صاحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم ثم یاتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقال ھل فیکم من صاحب من صاحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم۔ (بخاری، رقم ۳۳۷۶۔ مسلم، رقم ۴۵۹۷)

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی۔ کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی صحابی ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں۔ سو ان کی وجہ سے ان کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک گروہ جہاد کرے گا۔ کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی تابعی ہے؟ وہ جواب دیں گے، ہاں۔ سو ان کی برکت سے ان کو کامیابی حاصل ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک

Marfat.com

زمانہ آئے گا کہ ایک طائفہ جہاد کرے گا۔ کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی تبع تابعی ہے؟ وہ بولیں گے، ہاں۔ سوان کی بدولت فتح وکامرانی ہوگی۔''

اس روایت کے ایک طریق میں، جس کو امام مسلم نے درجہ دوم میں بطور متابعت پیش کیا ہے، چار طبقوں کا ذکر آیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وفی روایة مسلم ذکر طبقة رابعة وهی روایة شاذة واکثر الروایات یقتصر علی الثلاثة (فتح الباری ۲/۷)

''مسلم کی ایک روایت میں چوتھے طبقے کا ذکر بھی آیا ہے مگر وہ روایت شاذ ہے اور اکثر روایات میں صرف تین ہی طبقوں کا ذکر آتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ چوتھے طبقہ کا ذکر جس روایت میں آیا ہے، وہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک معلول اور شاذ ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ شاذ روایات کو لے کر اس کی وجہ سے صحیح روایات کو معلول نہیں ٹھہرایا جا سکتا، بلکہ شاذ روایت خود متروک اور ناقابل احتجاج ہوگی۔ (توجیہ النظر ص ۲۲۱) [۴۵]

وقف ورفع اور وصل وارسال میں اختلاف

امام نووی لکھتے ہیں:

وبینا ان الصحیح بل الصواب الذی علیه الفقهاء والاصولیون ومحققوا المحدثون انه اذا روی الحدیث مرفوعا وموقوفا او موصولا ومرسلا حکم بالرفع والوصل لانها زیادة ثقة وسواء کان الرافع والواصل اکثر او اقل فی الحفظ والعدد (شرح مسلم ۱/۲۵۶)

''ہم بیان کر آئے ہیں کہ صحیح بلکہ خالص حق بات یہ ہے جس پر فقہا، علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں کہ جب کوئی حدیث مرفوع اور موقوف روایت کی گئی ہو، یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو اس صورت میں حدیث مرفوع اور متصل ہی سمجھی جائے گی، چاہے رفع اور وصل کرنے والے حفظ اور عدد میں زیادہ ہوں یا کم، حدیث بہرحال مرفوع ہوگی۔''

Marfat.com

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی ثقہ راوی سے معاً دو مسئلوں میں اختلاف پیدا ہو کہ کسی وقت وہ موصول بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا کسی وقت وہ مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت موقوف تو صحیح قول کی بنا پر اس کے موصول اور مرفوع ہونے کا حکم کیا جائے گا نہ کہ مرسل اور موقوف ہونے کا۔ (شرح الفیہ ۸۳/۱)

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ 'اذا کان الواصل ثقة فهو مقبول' (دلیل الطالب ص ۲۷۰) اگر وصل کرنے والا راوی ثقہ ہو تو اس کی بات قبول کی جائے گی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ''اختلافے کہ در رفع ووقف اوست قادح در حجیت نہ باشد چہ رفع زیادت است'' (ایضاً ص ۱۴۴) اس کے رفع اور وقف میں جو اختلاف ہے، وہ اس کے حجت ہونے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، کیونکہ رفع، زیادت کے حکم میں ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ 'قال شيخنا وبركتنا الشوكاني وهو الحسن اذا جاء ت الزيادة من طريق الثقة' (ایضاً ص ۴۶۱) ہمارے شیخ اور بزرگ شوکانی نے فرمایا ہے کہ جب زیادت، کسی ثقہ راوی کی طرف سے ہو تو وہ اچھی (اور قابل قبول) ہوتی ہے۔[۲۶]

مولف خیر الکلام ص ۲۷۳ میں (ونحوہ فی ص ۲۳۸) لکھتے ہیں کہ باقی رہا ارسال اور وصل کا اختلاف، اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ راوی اسے مختلف حالات کی بنا پر کبھی متصل بیان کر دیتے ہیں اور کبھی مرسل۔ یہ اختلاف کوئی مضر نہیں۔ ثقہ کی زیادتی اس جگہ قابل قبول ہے۔[۲۷]

ثقہ راوی جب کسی وقت روایت موصول اور کسی وقت مرسل بیان کرے یا کسی وقت مرفوع اور کسی وقت موقوف بیان کرے تو اس کے بارے میں صحیح تر فیصلہ یہ ہے کہ وہ روایت موصول اور مرفوع ہی قرار دی جائے گی نہ کہ مرسل وموقوف۔ علامہ عراقیؒ کی اس عبارت میں راوی کے تلامذہ میں ثقہ اور اوثق کی تنقیح کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اور امام نووی لکھتے ہیں کہ اگر بعض ثقہ اور ضابط راوی حدیث کو متصل اور بعض مرسل بیان کرتے ہوں یا بعض مرفوع اور بعض موقوف بیان کرتے ہوں یا ایک ہی راوی کسی وقت مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا موقوف بیان کرتا ہے تو اس کے متعلق صحیح بات جو محققین محدثین اور فقہا اور ارباب اصول نے بیان کی ہے اور اسی کو علامہ خطیب

Marfat.com

بغدادی نے صحیح قرار دیا ہے، یہ ہے:

ان الحکم لمن وصله او رفعه سواء کان المخالف له مثله او اکثر او احفظ لانه زیادة ثقة وهی مقبولة (مقدمہ شرح مسلم ص ۱۸)

''بے شک حکم اس کے موصول یا مرفوع ہونے کا دیا جائے گا، عام اس سے کہ اس کا مخالف اس جیسا ہو یا زیادہ ہو یا زیادہ حافظ ہو، کیونکہ یہ زیادت ثقہ ہے جو بہر حال مقبول ہے۔''

اس عبارت سے تین باتیں نمایاں طور پر ثابت ہیں:

۱۔ اس صورت میں موصول اور مرفوع ہونے کا فیصلہ محقق محدثین، فقہا اور ارباب اصول کا ہے۔

۲۔ ایک ہی ثقہ راوی سے یہ اختلاف ثابت ہو، تب بھی یہی فیصلہ ہے یا ایک ہی راوی کے تلامذہ جدا جدا ہوں، تب بھی یہی فیصلہ ہے۔

۳۔ اس میں موصول اور مرفوع بیان کرنے والے کے مقابلہ میں اکثر یا احفظ یا اوثق کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ زیادت ثقہ ہے جو بہر حال مقبول ہے۔[۲۸]

Marfat.com

سند یا متن میں اضطراب

حافظ ابن حجر اضطراب کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں:

وان کانت المخالفة بابداله ای الراوی و لا مرجح لاحدی الروایتین علی الاخری فهذا هو المضطرب وهو یقع فی الاسناد غالبا وقد یقع فی المتن۔ (شرح نخبۃ الفکر)

امام سیوطی بیان کرتے ہیں کہ مضطرب وہ روایت ہوتی ہے جو باہم مختلف لیکن ملتے جلتے طریقوں سے روایت کی جائے۔ پھر اگر ایک روایت اپنے راوی کے احفظ ہونے یا مروی عنہ کے ساتھ کثرت مجالست یا کسی اور وجہ سے راجح قرار پائے تو اس کو اعتبار کیا جائے گا اور روایت مضطرب نہیں قرار پائے گی۔ اضطراب، روایت میں ضعف کا موجب ہوتا ہے کیونکہ وہ راوی کے عدم ضبط پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات اضطراب سند میں واقع ہوتا ہے اور کبھی متن میں۔ اسی طرح کبھی کوئی ایک راوی اضطراب کا شکار ہوتا ہے اور کبھی راویوں کی ایک جماعت۔ (تقریب مع التدریب ص ۱۶۹، ۱۷۰) [۲۹]

○ محدثین کرام کے نزدیک اضطراب کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ دونوں سندیں ہم پایہ اور ہم مرتبہ ہوں، ورنہ اضطراب نہ ہوگا۔ صحیح قابل اخذ ہوگی اور ضعیف قابل رد ہوگی۔ (دیکھیے شرح نخبۃ الفکر ص ۶۴) [۳۰]

○ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں کہ حدیث کا مضطرب ہونا اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث کے مجروح اور کمزور ہونے کا سبب ہے۔ (دلیل الطالب ص ۶۱۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں

Marfat.com

کہ ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک حدیث مضطرب بھی ہے۔(ایضاً ص ۸۸۲) مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ دیگر حضرات محدثین کرام کی طرح اس قاعدہ اور ضابطہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہوسکتی۔(تحقیق الکلام ۲/۷) [۳۱]

○ تدریب الراوی ص ۹۳ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۸ میں لکھا ہے کہ اضطراب متن میں ہو یا سند میں، موجب ضعف ہوتا ہے کیونکہ یہ راوی کے عدم ضبط پر دلالت کرتا ہے۔ یہی بات نووی نے تقریب النواوی ص ۱۶۶ میں کہی ہے۔[۳۲]

سند میں اضطراب کی چند مثالیں:

○ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو۔ ہم نے کہا، یارسول اللہ، ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: صرف سورۂ فاتحہ کی قراءت کیا کرو، کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں۔(بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۲۷۴۲)

اس روایت کی سند میں مکحول جو 'لیس بالمتین' ہیں، گڑبڑ کرتے ہیں۔ کبھی تو وہ براہ راست حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں۔(دار قطنی ۱/۱۲۱ و کتاب القراءۃ ص ۴۴) اور کبھی نافع بن محمود بن ربیع کے واسطے سے (ابوداؤد ۱/۱۱۹ و کتاب القراءۃ ص ۴۳) اور کبھی محمود بن ربیع عن ابی نعیم عن عبادہ کے واسطے سے (مستدرک ۱/۲۳۸) اور کبھی نافع بن محمود عن محمود عن عبادہ کے طریق سے (اصابہ ۶/۶۶) اور کبھی رجاء بن حیوہ عن محمود بن ربیع عن عبادہ کے طریق سے۔(ایضاً) جس روایت کی سند میں ایسا کھلا اضطراب ہو، وہ کیونکر قابل احتجاج ہوسکتی ہے؟ (الجوہر النقی ۲/۱۶۴۔ بذل المجہود ۲/۵۶۔ فتح الملہم ۲/۲۶) [۳۳]

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ایک نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے اور مقتدیوں کی طرف اپنا رخ مبارک پھیرا

Marfat.com

تو ارشاد فرمایا:

اتقرء ون فی صلاتکم والامام یقرا؟ فسکتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرا احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه

(جزء القراءۃ، ص ۵۴۔ کتاب القراءۃ، ص ۴۸۔ السنن الکبریٰ، ۱۶۶/۲۔ دار قطنی، ۱۲۹/۱)

''کیا تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ حضرات صحابہ خاموش رہے۔ آپ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ ایک شخص نے یا کئی آدمیوں نے کہا: ہاں، حضرت، ہم قراءت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ ہر ایک کو چاہیے کہ فی نفسہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔''

اس کی سند میں اضطراب ہے۔ بعض طرق میں عن ابی قلابہ عن انس ہے، (جزء القراءۃ ص ۵۴۔ کتاب القراءۃ ص ۴۸۔ دار قطنی ۱۲۹/۱)، بعض طرق میں عن ابی قلابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، (جزء القراءۃ ص ۵۴۔ کتاب القراءۃ ص ۱۲۹۔ بیہقی ۱۶۶/۲) بعض طرق میں عن ابی قلابۃ عن محمد بن ابی عائشۃ عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، (دار قطنی ص ۱۲۹۔ بیہقی ۱۶۶/۲۔ تلخیص الحبیر ص ۸۷) اور بعض طرق میں عن ابی ہریرہ ہے۔ (دار قطنی ۱۲۹/۱) [۳۴]

○ علامہ زیلعی نصب الرایہ ۱۱۳/۱ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن بن القطان نے اپنی کتاب الوہم والایہام میں لکھا ہے کہ حدیث بئر بضاعہ کی سند میں اختلاف ہے۔ ترمذی (رقم ۶۱) ابوداؤد (رقم ۶۰) اور طیالسی ص ۲۹۲ میں سند یوں ہے: عن عبید اللہ بن عبداللہ بن رافع۔ ابوداؤد (رقم ۶۱) اور نسائی (رقم ۳۲۴) میں سند یہ ہے: عن عبید اللہ بن عبدالرحمٰن بن رافع۔ دار قطنی ۱۱/۱ میں ایک سند یوں ہے: عن عبداللہ بن عبید اللہ بن رافع، جبکہ دار قطنی کی ایک دوسری سند میں عن عبدالرحمٰن بن رافع آتا ہے۔ اصول حدیث کی رو سے اضطراب متن میں ہو یا سند میں، موجب ضعف ہوتا ہے کیونکہ یہ راوی کے عدم ضبط پر دلالت کرتا ہے۔ [۳۵]

○ علامہ زیلعی نصب الرایہ ۱۰۸/۱ میں اور حافظ ابن القیم تہذیب سنن ابی داؤد بر حاشیہ معالم السنن للخطابی ۵۹/۱ میں لکھتے ہیں کہ حدیث قلتین کی سند میں اضطراب ہے۔ ترمذی (رقم ۶۲) اور

Marfat.com

ابوداؤد (رقم ۵۸) میں ہے: عن محمد بن اسحاق عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر عن ابن عمر۔ دارقطنی ص ۸ کی روایت میں ہے: عن محمد بن اسحاق عن الزہری عن سالم عن عبداللہ بن عمر۔ دارقطنی ص ۷ میں ہے: عن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر عن ابن عمر۔ دارقطنی ۱/۸ اور تحفۃ الاحوذی ۱/۱۷ میں ہے کہ یہ روایت حضرت ابوہریرہ سے ہے۔

یہ اضطراب ہے جو موجب ضعف ہوتا ہے۔ اگرچہ بہت سے محدثین مثلاً امام شافعی، ابوعبید، احمد، اسحاق، یحییٰ بن معین، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان، دارقطنی، ابن مندہ، حاکم، طبرانی، بیہقی اور ابن حزم وغیرہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے (نفع قوت المغتذی بحوالہ حاشیہ ترمذی ص ۱۱) لیکن محدثین کی بہت بڑی جماعت نے اسے ضعیف بھی کہا ہے، چنانچہ معارف السنن ۱/۲۳۱ میں ہے کہ امام علی بن المدینی، ابوبکر بن المنذر، ابن جریر، ابن عبدالبر، قاضی اسماعیل، قاضی ابن العربی، امام غزالی، رویانی، ابن دقیق العید، امام ابوالحجاج المزی، ابن تیمیہ، ابن القیم، بیہقی اور ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے، جبکہ ۱/۲۳۶ میں ابن حزم اور طحاوی کا ذکر بھی تضعیف کرنے والوں میں کیا گیا ہے۔ [۳۶]

متن میں اضطراب کی مثال

متن میں اضطراب کی مثال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی رفع الیدین کی روایت میں ملتی ہے۔

مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں چھ قسم کا اضطراب ہے:

۱۔ یہ روایت المدونۃ الکبریٰ ۱/۱۷ میں ہے اور اس میں صرف عندالافتتاح رفع یدین کا ذکر ہے اور صرف اسی کے اثبات کے لیے یہ روایت المدونۃ الکبریٰ میں نقل کی گئی ہے۔

۲۔ امام مالک سے یہ روایت امام شافعی، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، اور یحییٰ سیوطی نقل کرتے ہیں تو اس میں دو دفعہ رفع یدین کا ذکر ہے۔ ایک افتتاح صلوٰۃ کے وقت اور دوسرے رکوع میں جاتے وقت۔ (معارف السنن، ۲/۴۷۳)

Marfat.com

۳۔ ابن وہب عن القاسم عن مالک کی روایت میں تین جگہ رفع کا ذکر ہے۔ افتتاح کے وقت، رکوع میں جاتے وقت، اور رکوع کے بعد۔ (معارف السنن، ۲/ ۴۷۳) اسی طرح زہری عن سالم بن عبداللہ عن ابن عمر کی روایت میں بھی ان تین مواقع کا ذکر ہے۔ (بخاری، رقم ۶۹۴۔ مسلم، ۵۸۶)

۴۔ بخاری میں نافع کے طریق سے اس روایت میں چار مرتبہ رفع الیدین کا ذکر ہے۔ افتتاح کے وقت، رکوع میں جاتے وقت، رکوع کے بعد اور دو رکعتوں کے بعد (تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت)۔ (بخاری، رقم ۶۹۷)

۵۔ ابن عمر کی روایت امام بخاری نے جزء رفع الیدین ص ۴۱ (مترجم) میں لائے ہیں تو وہاں پانچ مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے۔ چار مقامات جن کا ذکر ہوا اور پانچواں سجدے کے موقع پر۔

۶۔ طحاوی نے مشکل الآثار میں مذکورہ مقامات کے علاوہ 'عند کل خفض و رفع' بھی رفع یدین کا ذکر کیا ہے، جبکہ المعتصر ۱/ ۳۷ میں بطریق نصر بن علی عن عبدالاعلیٰ 'فی کل خفض ورفع ورکوع وسجود وقیام وقعود وبین السجدتین' کا بھی ذکر ہے۔

یہ زیادت ثقہ ہے جو مقبول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کا فتح الباری ۲/ ۲۲۳ میں 'عن جماعة من مشائخه الحفاظ' اور 'من طرق اخری' کے مبہم الفاظ سے اس کو شاذ بنانا مسلم نہیں۔ الغرض روایات اور رواۃ کے اتنے کثیر اور شدید اختلاف کی موجودگی میں قطعیت کے ساتھ کسی ایک شق کو متعین کرنا مشکل ہے۔ [۳۷]

Marfat.com

تعارض کی صورت میں ترجیح وتطبیق کے اصول

مثبت کو نافی پر ترجیح

○ ترمذی (رقم ۱۶۹) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں صرف اس موقع پر پڑھی تھیں جب آپ کو بیت المال کا مال موصول ہوا اور آپ اس میں مصروفیت کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں ادا نہ کر سکے۔ آپ نے اس دن یہ دو رکعتیں عصر کے بعد ادا کیں اور 'ثم لم یعد لھما'، پھر دوبارہ کبھی نہیں پڑھیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی یہ دو قضا رکعتیں ایک ہی مرتبہ پڑھیں، پھر نہیں پڑھیں، حالانکہ دیگر صحیح روایات سے جو بخاری (رقم ۵۵۶، ۵۵۷) اور مسلم (رقم ۱۳۷۸) میں ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے آخر عمر تک یہ رکعتیں نہیں چھوڑیں۔ جمہور کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ ویسے بھی 'مرۃ واحدۃ' کی روایات (نسائی، رقم ۵۷۵۔ مسند احمد، ۲۵۴۲۷) اکثر ضعیف ہیں، البتہ عدم مداومت پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت (نسائی، رقم ۵۷۷۔ مسند احمد، رقم ۲۵۳۴۹) سنداً صحیح ہے۔ یہ تعارض ہے جس کا جواب یہ ہے کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ مثبت روایات کو منفی روایات پر ترجیح ہوتی ہے۔ [۳۸]

کثرتِ روایات معیارِ ترجیح نہیں

○ نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے اور نہ کرنے، دونوں طرح کی روایتیں کتب حدیث میں منقول ہیں۔ احناف ان میں سے ترک رفع کی روایات کو ترجیح

Marfat.com

دیتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رفع یدین کی احادیث صحاح میں ہیں اور ترک رفع یدین کی سنن میں ہیں اور تعارض روایات کی صورت میں صحاح کی روایات کو ترجیح ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایات سنن بھی علیٰ شرط الشیخین ہیں، اس لیے ان کا مرتبہ بھی وہی ہوگیا جو صحیحین کا ہے۔ اور یہ کہنا کہ صحیحین کی روایات کو ان روایات پر جو ان کی شرائط پر ہوں، ترجیح ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔ صحیحین میں جو روایات ہیں، وہ صحیح ہیں لیکن صحیح روایات کا صحیحین میں حصر نہیں۔ خود امام بخاریؒ کا قول مشہور ہے اور حافظ ابن حجر اور دیگر علما کی بھی تصریح موجود ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رفع یدین کی روایات بہ نسبت عدم رفع کے زیادہ ہیں تو جواب یہ ہے کہ اصول موضوعہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ کثرت اور قلت روایات سے ترجیح نہیں ہوسکتی۔ [۳۹]

احفظ واثبت رواۃ کی روایت کو ترجیح

o وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرا غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقال آمین و خفض بھا صوتہ۔ (ترمذی، رقم ۲۳۱۔ مسند احمد، رقم ۱۸۰۸۸۔ ابوداؤد طیالسی، ص ۱۳۸۔ السنن الکبریٰ، ۲/۵۷۔ دارقطنی، ۱/۱۲۷)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'غیر المغضوب علیھم و لا الضالین' پڑھا تو آہستہ آواز سے آمین کہا۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سفیان کی روایت میں 'مد بھا صوتہ' (آپ نے بلند آواز سے آمین کہی) کے الفاظ ہیں جبکہ شعبہ کی روایت میں 'خفض بھا صوتہ' (آپ نے پست آواز سے آمین کہی) کے، اور ان میں سے 'مد بھا صوتہ' کی روایت صحیح ہے۔

امام ترمذی کتاب العلل ۲/۲۳۸ میں لکھتے ہیں کہ علی بن المدینی نے یحییٰ سے سوال کیا کہ طویل روایات کو یاد رکھنے میں سفیان زیادہ احفظ تھے یا شعبہ؟ تو انھوں نے کہا کہ شعبہ اس معاملے میں زیادہ قوی تھے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری ۱/۲۶۰ میں لکھتے ہیں کہ شعبہ اپنے مشائخ سے صرف صحیح

Marfat.com

روایات ہی لیتے ہیں۔ابن القیمؒ اجتہاد سے متعلق حضرت معاذ کی مشہور حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کی صحت میں کیا اشکال ہوسکتا ہے جبکہ شعبہ اس کے مرکزی راوی ہیں اور بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ جب تم کسی حدیث کی سند میں شعبہ کو دیکھو تو اس کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ مضبوطی سے ہاتھ تھام لو۔(اعلام الموقعین، ۱/۲۰۳) تاریخ بغداد ۹/۲۶۳ میں ہے کہ محمد بن عباس نسائی نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ شعبہ اور سفیان میں سے کون اثبت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سفیان حافظ اور نیک آدمی تھے، لیکن شعبہ ان سے زیادہ اثبت اور راویوں (سے روایت لینے) کے اعتبار سے زیادہ نقی تھے۔

تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۸۳ میں ہے کہ امام شعبہ نے کہا کہ 'لان اقع من السماء فاقطع احب الی من ان ادلس' (تدلیس کرنے کے مقابلے میں مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں) جبکہ سفیان ثوری بعض اوقات تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ (تقریب ص ۱۵۱) حافظ ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ ۱/۸۲ میں لکھتے ہیں کہ شعبہ کا ضبط واتقان محدثین کے نزدیک انتہائی اعلیٰ معیار کا ہے، بخلاف سفیان کے جو فرماتے ہیں کہ 'ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما هو المعنى' (علل الترمذی ۲/۲۳۷۔توجیہ النظر ص ۳۱۳) اگر میں تم سے کہوں کہ میں تم سے اسی طرح حدیث بیان کر رہا ہوں جیسے میں نے سنی ہے تو میری بات پر یقین نہ کرنا، کیونکہ وہ روایت بالمعنی ہوگی۔ [۴۰]

o امام احمد سے کہا گیا کہ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر صرف نماز کے آغاز کے موقع پر رفع یدین کیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا کہ یہ بات درست نہیں۔نافع اور سالم ابن عمر کی احادیث کا زیادہ علم رکھتے ہیں، اگرچہ مجاہد ان دونوں سے زیادہ پرانے ہیں۔اس سے امام احمد کے اصحاب نے دو اصول اخذ کیے ہیں: ایک یہ کہ زیادہ علم رکھنے والے کی روایت دوسرے پر مقدم ہے اور دوسرا یہ کہ جس شاگرد کو استاد کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع ملا ہو، اس کی روایت دوسرے کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے۔(ابن القیم، بدائع الفوائد) [۴۱]

Marfat.com

فقہا کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح

محدث شہیر علی بن حشرم فرماتے ہیں کہ ہم وکیع بن الجراح کی مجلس میں موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ تمھارے نزدیک ان دونوں سندوں میں سے کون سی سند بہتر ہے؟ اعمش عن ابی وائل عن عبداللہ بن مسعود یا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمۃ عن ابن مسعود؟ (پہلی سند میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں اور سند عالی ہے، جبکہ دوسری سند میں صحابی تک چار واسطے ہیں اور سند سافل ہے) ہم نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو اعمش عن ابی وائل کی سند بہتر ہے۔ امام وکیع نے فرمایا کہ سبحان اللہ، اعمش تو نرے شیخ اور محدث ہیں اور ابو وائل بھی شیخ ہیں۔ اس کے برعکس دوسری سند میں سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں، ابراہیم فقیہ ہیں اور علقمہ بھی فقیہ ہیں:

وحدیث یتداوله الفقهاء خیر من ان یتداوله الشیوخ۔

(معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۱۔ الاعتبار، ص ۱۵)

''اور وہ حدیث جس کو فقہا روایت کرتے ہوں، اس سے بہتر ہے جس کو نرے شیوخ بیان کرتے ہوں۔''

علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ الہمذانی دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و ترجیح کے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ لکھتے ہیں:

ان یکون رواة احد الحدیثین مع تساویهم فی الحفظ والاتقان فقهاء عارفین باجتناء الاحکام من ثمرات الالفاظ فالاسترواح الی حدیث الفقهاء اولی۔ (الاعتبار، ص ۱۵)

''دو حدیثوں میں سے ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ واتقان میں مساوی ہونے کے علاوہ فقہا ہوں اور الفاظ کے میووں سے احکام چننے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو ان کی حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے۔''

اس سے اندازہ فرمائیے کہ دو متضاد حدیثوں کی ترجیح میں بھی جو خالص فن حدیث کا مسئلہ ہے: محدثین کرام نے فقہا کی برتری کو نظرانداز نہیں کیا اور ایسی حدیث کو جس کے راوی حافظ اور متقن

Marfat.com

ہونے کے علاوہ فقہا بھی ہوں، اس حدیث پر ترجیح دی ہے جس کے راوی فقیہ نہ ہوں۔ * [۴۲]

صاحب واقعہ کی روایت کو ترجیح

o اصولی طور پر قاعدہ یہ ہے کہ جب صاحب قصہ خود کچھ بیان کرے تو اس کو ترجیح ہوتی ہے۔ علامہ محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم کتاب الاعتبار ص ۱۱ میں لکھتے ہیں:

الوجه الثامن ان يكون احد الراويين صاحب القصة فيرجح حديثه لان صاحب القصة اعرف بحاله من غيره۔

''آٹھویں وجہ بیان ترجیح کی یہ ہے کہ دو راویوں میں سے ایک صاحب قصہ ہو تو اس کی روایت کو ترجیح ہوگی، کیونکہ صاحب قصہ اپنے حال کو غیر سے زیادہ جانتا ہے۔'' [۴۳]

اختلاف کی صورت میں تطبیق کا اصول

o واقعہ معراج پر مرزا صاحب کا مرکزی اعتراض یہ ہے کہ چونکہ روایات میں اختلاف ہے، لہٰذا اصل واقعہ ہی پیش نہیں آیا، لیکن اگر اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل کا ثابت ہونا بھی محال ہے۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو لے لیجیے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی جب آپ کو نبوت

---

* خطیب بغدادی 'الکفایہ' میں لکھتے ہیں:

ويرجح بان يكون رواته فقهاء لان عناية الفقيه بما يتعلق من الاحكام اشد من عناية غيره .... ثنا ابراهيم بن سعيد قال سمعت وكيعا يقول حديث الفقهاء احب الى من حديث المشايخ (الکفایہ، ص ۴۳۶)

''اور متعارض روایتوں میں سے اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جس کے راوی فقہا ہوں، کیونکہ احکام سے متعلق روایات میں ایک فقیہ کی توجہ اور اہتمام دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ ابراہیم بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فقہا کی حدیث مجھے مشائخ کی حدیث سے زیادہ پسند ہے۔''

Marfat.com

ملی۔ (بخاری ۱/۵۰۲) ایک اور روایت میں ہے کہ چالیس سال اور چھ مہینے اور آٹھ دن کی عمر میں نبوت ملی۔ (تاریخ الامم الاسلامی محمد خضری، ۱/۱۰۴) جبکہ بعض روایات میں ایک دن کی زیادتی اور بعض میں دس دن کی اور بعض میں دو مہینے کی اور بعض میں تین سال کی اور کسی میں پانچ سال کی زیادتی مذکور ہے۔ (افادۃ الافہام ۲/۲۲۳) یا مثال کے طور پر ہجرت کو لے لیجیے۔ ایک روایت یہ آتی ہے کہ نبوت کے بعد تیرہویں سال ہجرت واقع ہوئی۔ (بخاری ۱/۵۵۲۔ مسلم ۲/۲۶۰) دوسری روایت میں ہے کہ بعثت کے بعد دس سال گزرے تھے کہ ہجرت ہوئی۔ (بخاری ۱/۵۰۲۔ مسلم ۲/۲۶۰) یا مثال کے طور پر آپ کی وفات کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ پینسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ (مسلم ۲/۲۶۱۔ ترمذی ۲/۲۰۶) ایک روایت میں تریسٹھ سال کا ذکر ہے۔ (مسلم ۲/۲۶۰۔ ترمذی ۲/۲۰۳) اور ایک روایت یہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ (موطا امام مالک ص ۳۶۸)

تو کیا ان اختلافات کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ العیاذ باللہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور نہ ہجرت اور نہ آپ کی وفات ہوئی؟ [۴۴]

o بخاری اور مسلم میں مروی واقعہ معراج کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب قریش نے آپ کے اس دعوے کو جھٹلایا تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فوراً بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا اور آپ اس کو دیکھ کر اس کی نشانیاں بتانے لگے، لیکن بخاری اور مسلم کی یہ روایت مجمل اور مختصر ہے اور اصول حدیث کا طے شدہ قاعدہ ہے کہ ثقات کی زیادت معتبر ہے اور مفسر روایت کو مبہم پر ترجیح ہوتی ہے۔ (دیکھیے بخاری ۱/۲۰۱) حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے لگا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کو میرے سامنے متمثل کر کے پیش کیا جائے تو وہ میرے سامنے اٹھا کر لایا گیا، میں لوگوں کے سامنے اس کی نشانیاں بیان کرتا رہا اور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ (ابو عوانہ ۱/۱۲۵) مسلم اور ابو عوانہ کی ان تفصیلی روایات سے معلوم ہوا کہ تکذیب کفار کے فوراً بعد بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ جب

Marfat.com

آپ پریشان ہو کر حجر اور حطیم کے پاس پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، تب بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ [۴۵]

o حافظ ابن حجر فتح الباری ۲۶۸/۱ میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں 'من عرینة او عکل'، ایک میں 'من عرینة و عکل'، ایک میں صرف 'عرینة' اور ایک میں صرف 'عکل' آتا ہے۔ ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عرینہ اور عکل دونوں قبیلوں کے لوگ آئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابوعوانہ اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ چار آدمی عرینہ کے اور تین عکل کے تھے اور کل سات آدمی تھے۔ بخاری ۴۲۳/۱ کی روایت میں ہے کہ 'ان رھطا من عکل ثمانیة'۔ اس روایت سے پتہ چلا کہ آٹھ آدمی تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چار عرینہ کے، تین عکل کے اور ایک کسی دوسرے قبیلے کا تھا جن کو تغلیباً ثمانیة کہہ دیا گیا۔ [۴۶]

o کتب حدیث کی مستند کتابوں کی بعض روایتوں میں جو حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہیں، واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع کی جزاء مذکور نہیں مثلاً صحیح ابن خزیمہ اور ابوداود وغیرہ اور بعض میں یہ جزاء مذکور ہے: رفعهما مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ، اور بعض میں یہ جزاء مذکور ہے: لا یرفعهما مثلاً صحیح ابوعوانہ اور مسند حمیدی وغیرہ۔ اور صحیح ابوعوانہ وغیرہ کی حدیثیں بھی غیر مقلدین حضرات کے ہاں صحیح ہیں۔ ...... تو اس واضح تعارض کے رفع کرنے کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اذا تعارضا تساقطا۔ تو مناسب یہ ہے کہ دونوں فریق اس قسم کی روایات سے استدلال بالکل ترک کر دیں اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کی طرف مراجعت کریں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیں اور علمی طور پر یہی پہلو اسلم رہے گا۔

اب وجہ ترجیح کیا ہو؟ ظاہری طور پر ایسی وجہ ہونی چاہیے جو فریقین کی قدرے تسلی کا باعث ہو اور خود غیر مقلدین حضرات نے سجدہ کے وقت رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے کی صحیح روایات میں ترجیح رفع یدین نہ کرنے کو دی ہے جیسا کہ کتاب ہی میں اس کے حوالے موجود ہیں اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے تو رکوع کے وقت بھی رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی دونوں روایتوں میں کیوں نہ یہی طریق اختیار کر لیا جائے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور یہ کہا جائے کہ رکوع کے وقت بھی رفع

Marfat.com

یدین نہ کیا جائے تاکہ اس صحیح روایت پر بھی عمل ہو جائے جن میں لا یرفعھما آتا ہے اور نماز کے خشوع وخضوع پر بھی کوئی زد نہ پڑے اور خود اپنی پسند کی، کی ہوئی توجیہ بھی رائیگاں نہ جائے اور اقل درجہ یہ ہے کہ رفع یدین کرنے پر مطلقاً اصرار نہ کیا جائے۔ کبھی رفع الیدین کر لیں اور کبھی چھوڑ دیں، خصوصاً جب کہ اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے دونوں پہلو رفع وترک رفع مروی ہیں۔ [۴۷]

Marfat.com

مصادر:

[۱] احسن الکلام، ۱۰۷/۲
[۲] چراغ کی روشنی ص ۶۳
[۳] خزائن السنن، ۳۶/۳
[۴] عمدۃ الاثاث ص ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۹۰، ۹۱
[۵] احسن الکلام، ۱۱۰/۱
[۶] احسن الکلام، ۳۷/۲، ۳۸ مع اضافہ از مرتب
[۷] بخاری شریف کے چند ضروری مباحث، ص ۲۵-۲۸ مع احسان الباری
[۸] خزائن السنن، ۱۸۶/۲۔ عمدۃ الاثاث، ص ۹۱ مع اضافہ از مرتب
[۹] خزائن السنن، ۱۲/۲
[۱۰] خزائن السنن، ۴۶/۳
[۱۱] شوق حدیث، ص ۱۵۸، ۱۵۹
[۱۲] خزائن السنن، ۷۲/۳
[۱۳] تسکین الصدور، ص ۳۲۲۔ احسن الکلام، ۲۸۲/۱، ۳۲۵
[۱۴] احسن الکلام، ۲۸۶/۱، ۲۸۷
[۱۵] احسن الکلام، ۱۱۰/۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴
[۱۶] احسن الکلام، ۱۰۰/۲
[۱۷] احسن الکلام ۲۴۱/۱ تا ۲۴۴
[۱۸] خزائن السنن، ۱۲۵/۲
[۱۹] خزائن السنن ۲۵/۳
[۲۰] احسن الکلام، ۲۴۲/۱، ۲۴۵ تا ۲۴۸۔ تسکین الصدور، ۲۲۸، ۲۲۹

Marfat.com

[۲۱] احسن الکلام ۲/ ۱۱۴

[۲۲] خزائن السنن، ۱/ ۲۲۷

[۲۳] خزائن السنن ۱/ ۲۰۳، ۲۰۴

[۲۴] راہ سنت ص ۴۶، ۴۷ مع اضافہ از مرتب

[۲۵] راہ سنت ص ۴۸، ۴۹

[۲۶] احسن الکلام ۱/ ۲۸۲، ۲۸۳

[۲۷] احسن الکلام ۱/ ۳۲۴

[۲۸] احسن الکلام ۱/ ۳۵۹، ۳۶۰

[۲۹] خزائن السنن، ۱/ ۵۱

[۳۰] احسن الکلام، ۱/ ۳۱۴

[۳۱] احسن الکلام ۲/ ۱۰۹

[۳۲] خزائن السنن ۱/ ۱۳۶

[۳۳] احسن الکلام، ۲/ ۱۰۹ مع اضافہ از مرتب

[۳۴] احسن الکلام، ۲/ ۱۲۷

[۳۵] خزائن السنن، ۱/ ۱۳۵ مع اضافہ از مرتب

[۳۶] خزائن السنن ۱/ ۱۳۶، ۱۳۷

[۳۷] خزائن السنن، ۱/ ۱۰۲، ۱۰۳

[۳۸] خزائن السنن، ۲/ ۳۲

[۳۹] خزائن السنن ۲/ ۱۱۰، ۱۱۱

[۴۰] خزائن السنن، ۲/ ۷۵ تا ۷۷

[۴۱] اضافہ از مرتب

[۴۲] مقام ابی حنیفہ ص ۴۹، ۵۰

[۴۳] الکلام الحاوی، ص ۱۲۷، ۱۲۸

Marfat.com

[۴۴] چراغ کی روشنی ص ۵۹، ۶۰

[۴۵] تفریح الخواطر ص ۱۳۳ تا ۱۳۵

[۴۶] خزائن السنن ۱/۱۵۲

[۴۷] مقدمہ "نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح"

Marfat.com

-۵-

مآخذ حدیث اوران کا استنادی معیار

Marfat.com

کتب حدیث کی انواع

جوامع

جامع وہ کتاب ہے جس میں حدیث کا ہر وہ باب موجود ہو جو اس شعر میں مذکور ہے:

سیر و آداب و تفسیر و عقائد فتن و احکام و اشراط و مناقب

(عجالہ نافعہ، ص ۱۷۔ معارف السنن، ۱۸/۱)

اس معنی میں بخاری شریف اور ترمذی شریف تو بالاتفاق جامع ہیں، البتہ مسلم شریف کے بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ اس میں باب التفسیر برائے نام ہے، لیکن محققین کے نزدیک تحقیق اور صحیح بات یہی ہے کہ مسلم بھی 'الجامع' ہے۔ اگر چہ باب التفسیر کم ہی سہی لیکن ہے تو ضرور! کیونکہ جامع ہونے کے لیے ان آٹھ میں سے کسی باب کا مفصل ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف وجود ہی کافی ہے۔ اس لیے علامہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ (المتوفی ۸۱۷ھ) صاحب قاموس نے اس کو جامع قرار دیا ہے۔ نیز کشف الظنون میں ملا کاتب چلپیؒ (المتوفی ۱۰۵۳ھ) نے بھی اس کو الجوامع میں شمار کیا ہے۔

ان کے علاوہ الجوامع میں سے جامع معمر بن راشدؒ، جامع سفیان ثوریؒ، جامع عبدالرزاق بن ہمامؒ (المتوفی ۲۱۱ھ) جو 'مصنف عبدالرزاق' کے نام سے مشہور ہے اور حال ہی میں سولہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جامع دارمی مشاہیر جوامع ہیں۔

کتب حدیث میں سب سے بڑی کتاب جمع الجوامع ہے جس کو فقہی ترتیب سے علامہ علی متقی

Marfat.com

الحنفیؒ نے کنز العمال کی شکل میں جمع کیا ہے۔ اس کی کل احادیث چالیس ہزار نو سو انسٹھ ہیں اور منتخب کنز میں تیس ہزار دو سو حدیثیں ہیں۔[1]

مسانید

مسند وہ کتاب ہوتی ہے جس میں فضائل و مناقب کے لحاظ سے حروف تہجی کی ترتیب سے ایک صحابی کی احادیث ایک جگہ جمع کر دی جائیں۔ اس میں ابواب فقہیہ کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ مثلاً مسند احمد، مسند طیالسی، مسند حمیدی، مسند نعیم بن حماد، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند اسد بن موسیٰ، مسند عبد بن حمید، مسند البزار اور مسند ابو یعلی (اور مسند الحسن بن سفیان، مسند عبداللہ بن محمد المسندی، مسند یعقوب بن شیبہ، مسند علی بن المدینی، اور مسند ابن ابی عزوۃ (تذکرۃ الحفاظ، ۳۲۸/۲) وغیرہ کتب مسانید۔

سنن

ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن میں فقہی ابواب کو ملحوظ رکھا گیا ہو اور ہر باب کی احادیث ان میں درج نہ ہوں مثلاً باب التفسیر نہ ہو۔ جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن شعبی (جو ابواب الشعبی کے نام سے مشہور ہے)، سنن بیہقی، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن سعید بن منصور، سنن ابن جریج اور سنن وکیع بن الجراح وغیرہ۔

معاجم

معجم اس کو کہتے ہیں جس میں محدث اپنے کسی شیخ کی سنی ہوئی روایات حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کر دے۔ جیسے معاجم ثلاثہ: صغیر، کبیر اور اوسط للطبرانی، معجم اسماعیلی، معجم ابن الغوطی، معجم ابی بکر المقری، معجم شہاب الدین القوصی اور معجم ابن قانع وغیرہ۔

اجزا

جزء ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں ایک مسئلہ پر اس کے مثبت اور منفی پہلو کی احادیث جمع کر

Marfat.com

دی جائیں، جیسے جزء القراءۃ للبخاری، جزء رفع الیدین للبخاری، جزء الجھر ببسم اللہ للدارقطنی (م ۳۸۵ھ)، جزء القراۃ لابی بکر احمد بن الحسین بیہقی، (المتوفی ۴۵۸ھ) اور جزء الجھر ببسم اللہ للخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) وغیرہ۔

مستخرجات

مستخرج وہ کتاب ہوتی ہے جو کسی دوسری کتاب کی تائید اور اثبات کے لیے لکھی جاتی ہے، لیکن تدریب الراوی ص ۵۶ میں اس کی تصریح ہے کہ مستخرج اپنی جو سند پیش کرے، اس سند میں اس مصنف کا واسطہ نہ آئے جس کی تائید کے لیے مستخرج لکھی گئی ہے، جیسے مستخرج اسماعیلی اور مستخرج برقانی علی البخاری اور مستخرج ابی عوانہ اور مستخرج ابی نعیم۔

مستدرکات

مستدرک وہ کتاب ہوتی ہے جس کو محدث نے اس نظریہ سے لکھا ہو کہ یہ احادیث فلاں محدث کی شرط پر ہیں، پھر اس نے ان کی تخریج کیوں نہیں کی؟ مثلاً المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔ یہ سب سے زیادہ مشہور اور رائج ہے، لیکن امام حاکمؒ چونکہ تصحیح احادیث میں متساہل ہیں (تدریب الراوی، ص ۵۱) اس لیے انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ ان کے اس تساہل کی وجہ سے امام ابوسعید مالینی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مستدرک حاکم میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں، لیکن علامہ سیوطی نے تدریب الراوی، ص ۵۲ میں حافظ محمد بن احمد بن عثمان شمس الدین ابوعبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کا، جو حاکمؒ کے سب سے بڑے نقاد ہیں، قول نقل کیا ہے کہ مستدرک حاکم کی تقریباً نصف احادیث تو بے شک بخاری یا مسلم کی شرائط پر ہیں اور ایک ربع انتہائی ضعیف، منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ اس پر علامہ ذہبیؒ نے تلخیص لکھی ہے۔ علامہ ذہبی کی تصدیق پر امام حاکم کی تصحیح معتبر ہے۔

Marfat.com

مسلسلات

(مسلسل وہ ہے جس میں کسی راوی کی مخصوص حالت یا مخصوص قول کا ذکر ہو اور اول سے آخر تک وہ سند یوں ہی چلتی رہے) جیسے مسلسلات ابن ابی عصرون، مسلسلات دیباجی، مسلسلات علائی اور مسلسلات سیوطی وغیرہ۔ امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۳ طبع قاہرہ میں اس کی مثال یوں دی ہے کہ مثلاً یہ حدیث آتی ہے: 'ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض علی لحیتہ فقال آمنت باللہ الی قولہ وآمنت بالقدر خیرہ وشرہ وحلوہ ومرہ ....' اور یہی طریقہ امام حاکم تک چلا آیا، یعنی ہر استاذ نے بوقت بیان ڈاڑھی پکڑ لی۔ اس کارروائی کا متن حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صرف راوی اپنے ضبط واتقان کا ثبوت دیتا ہے کہ بوقت بیان استاد کی یہ حالت اور کیفیت تھی۔

علل

(وہ ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن میں معلول حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے، جیسے کتاب العلل الصغیر والکبیر للترمذی، علل الدارقطنی، العلل المتناہیہ لابن الجوزی وغیرہ۔

اطراف

(وہ ایسی کتابیں ہیں جن میں کسی حدیث کا کوئی ایک حصہ ایسے انداز پر نقل کیا جائے جو باقی حدیث پر دال ہو، مثلاً 'انما الاعمال بالنیات'۔ یہ ٹکڑا بقیہ حدیث پر دال ہے۔ اس کی تمام اسانید جن جن سے یہ ثابت ہے، جمع کر دیں یا کتب مخصوصہ کے ساتھ مقید کر دیں، جیسے الاشراف علیٰ معرفۃ الاطراف لابن عساکر، تحفۃ الاشراف لابی حجاج المزی (استاذ حافظ ابن کثیر) اور اطراف الکتب الستۃ لعبدالغنی المقدسی وغیرہ۔

امالی

(کشف الظنون میں ملا کاتب چلپی ترکیؒ لکھتے ہیں کہ امالی، املا کی جمع ہے۔ وہ ایسی کتابیں ہیں کہ

Marfat.com

استاذ لکھوائے اور شاگرد لکھتے رہیں، جیسے امالی ابن حجر، امالی ابن شمعون، امالی ابن عساکر وغیرہ۔ فیض الباری، العرف الشذی، الکوکب الدری اور اللامع الدراری وغیرہ بھی اسی نوع میں داخل ہیں۔

شمائل

شمائل، شمال کی جمع ہے جیسا کہ علامہ ابراہیم بن محمد البیجوریؒ (المتوفی ۱۲۷۶ھ) شمائل محمدیہ ص ۶ میں لکھتے ہیں: 'شمال ککتاب'، اور بعض یہ محاورہ پیش کرتے ہیں: 'لیس من شمالی الاکل بالشمال'۔ یہ ایسی کتب ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، فضائل اور محاسن مذکور ہوں، جیسے شمائل ترمذی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ شمائل جو امام ترمذی نے جمع کیے ہیں۔

رسائل

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ عجالہ نافعہ ص ۲۰ میں لکھتے ہیں کہ رسالہ وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک ہی مسئلہ کی حدیثیں جمع کر دی جائیں جیسا کہ ابن جوزیؒ اور حافظ ابوموسیٰ مدینی نے لکھی ہے۔ اسی طرح امام شافعی کی کتاب 'الرسالۃ فی اصول الفقہ' جو کتاب الام کی ساتویں جلد کے آخر میں منضم ہے، مشہور ہے۔

اربعینات

'اربعین' وہ کتاب ہے جس میں چالیس حدیثیں جمع کر دی جائیں، ایک قسم سے متعلق ہوں یا متعدد اقسام سے، ایک سند سے متعلق ہوں یا متعدد اسانید سے، جیسے اربعین ابن مبارک، اربعین ابن دقیق العید، اربعین ابی نعیم، اربعین بیہقی، اربعین ابی عبدالرحمٰن سلمی، اربعین نووی، اربعین حاکم اور اربعین دارقطنی وغیرہ۔

مغازی

یہ 'مغزی' کی جمع ہے۔ ایک تفسیر کی رو سے مغزی مصدر میمی ہے غزا یغزو سے اور بعض

Marfat.com

نے اسے ظرف بھی کہا ہے۔ وہ ایسی کتابیں ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر ہو۔ غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ شریک ہوئے ہوں یا آپ نے حکم فرمایا ہو، جیسے مغازی ابن اسحاق اور مغازی موسیٰ بن عقبہ وغیرہ۔ اسی لیے کفار کے مقابلہ میں جہاد کرنے والے کو غازی کہتے ہیں کیونکہ جہاد کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

تخریجات

تخریج ایسی کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کا ماخذ اسانید کے ساتھ بیان کیا جائے، جیسے تخریج الرافعی، نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة لجمال الدین یوسف الزیلعی (جسے تخریج زیلعی بھی کہتے ہیں) اوراس کا ملخص الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة لابن حجرؒ، تلخیص الحبیر لابن حجر، الطاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف لابن حجر، تخریج احیاء علوم الدین لزین الدین العراقی اور البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعة فی الشرح الکبیر لسراج الدین عمر بن الملقن وغیرہ۔

زوائد

وہ ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں مرکزی کتب پر زائد احادیث پیش کی جاتی ہیں، عام اس سے کہ ان مرکزی کتب کی اسانید کے معیار پر ہوں یا نہ ہوں، جیسے مجمع الزوائد للہیثمی وغیرہ۔

اختلاف الحدیث

ایسی کتب ہیں جس میں ایک مضمون کی مختلف احادیث بیان کرکے ان کو تطبیق دی جائے جیسے اختلاف الحدیث للشافعی، مختلف الحدیث لابن قتیبہ، مشکل الآثار و شرح معانی الآثار للطحاوی۔

نوٹ: کتب حدیث میں صرف مسند دارمی ہی ون وے ٹریفک ہے جس میں ایک ہی مد کی حدیثیں ہیں، دوسری کی نہیں۔

Marfat.com

سیر

سیر، سیرۃ کی جمع ہے اور وہ ایسی کتابیں ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور زندگی کے حالات مذکور ہوں، جیسے سیرۃ ابن اسحٰق اور سیرۃ ابن الجوزی وغیرہ۔

غرائب الحدیث

سند کے لحاظ سے غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی شیخ متفرد ہو اور دوسرے اس سند سے بیان نہ کرتے ہوں۔ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی۔ (مقدمہ مشکوۃ، ص۴) امام نوویؒ نے تقریب مع التدریب ص ۳۷۵ میں اور امام سیوطی نے تدریب الراوی ص ۳۷۵ میں اس پر خاصی بحث کی ہے۔ بخاری کی پہلی اور آخری حدیث غریب ہے اور اس کے علاوہ بھی اس میں غرائب موجود ہیں۔

متن کے اعتبار سے غریب کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حدیث کے متن کو صرف ایک ہی راوی نقل کرتا ہو (سید جرجانی 'الرسالۃ فی اصول الحدیث' ص۲ میں لکھتے ہیں: والغرائب ایضاً اما غریب اسنادا او متنا وھو ما تفرد بروایۃ متنہ واحد) یا اس کے متن میں کوئی لفظ مشکل ہو جس کی تفسیر کے بغیر مطلب واضح نہ ہوتا ہو۔ اس سلسلے میں نضر بن شمیلؒ، ابوعبیدۃ معمر بن المثنی، اصمعی، ابوعبیدہ القاسم بن سلام، ابن قتیبہ الدینوری، ابوسلیمان الخطابی کی کتابیں اور 'مجمع الغرائب' لعبد الغافر الفارسی، 'غریب الحدیث' لقاسم السرقسطی، 'الفائق' للزمخشریؒ اور 'النہایہ' لابن الاثیر مشہور کتابیں ہیں۔ (تدریب، ص ۳۷۸، ۳۷۹) اور اسی سلسلہ کی کتب 'مجمع البحار' اور 'المغرب' لمحمد طاہر فتنی ہیں۔[۲]

Marfat.com

امہات کتب حدیث

صحیح البخاری

صحیح بخاری کا نام 'الجامع المسند الصحیح المختصر فی امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ' ہے۔(الباعث الحثیث، ص۱۵۔توجیہ النظر، ص۸۸) اور بعض نے اس کا نام 'الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ' نقل کیا ہے۔(مقدمہ فتح الباری، ص۸) [۳]

تاریخ میں امام بخاری کی نسبت مذکور ہے کہ انھیں چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔(سیرت النبی از سید سلیمان ندوی، ۴۴/۳) ان چھ لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر امام بخاری نے صحیح بخاری مرتب کی ہے جس میں کل ساتھ ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں۔(اکمال، ص۶۲۶) ان میں تقریباً چار ہزار غیر مکرر ہیں۔(مقدمہ حاشیہ بخاری ص۴ از مولانا احمد علی سہارنپوری) خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر صحیح بخاری مرتب کی ہے۔(بغدادی، ۸/۴) [۳/۱]

حضرت امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ میں نے صحیح بخاری میں جو حدیث بھی درج کی ہے، اس سے پہلے میں نے غسل کیا ہے اور دو رکعتیں نماز پڑھی ہے۔(مقدمہ فتح الباری۔مقدمہ حاشیہ بخاری ص۴ از مولانا احمد علی سہارنپوری۔مقدمہ لامع الدراری، ص۳۶ از مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی۔اکمال، ص۶۲۶) آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے اس کتاب کو سولہ سال میں تصنیف کیا ہے۔(طبقات السبکی، ۷/۲) [۴]

Marfat.com

تعدادِ روایات بخاری

علامہ عینی عمدۃ القاریؒ ۶/۱ میں فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں تمام مسند احادیث مکررہ سات ہزار دوسو پچھتر ہیں اور غیر مکررہ چار ہزار ہیں۔ یہی رائے امام نوویؒ نے تقریب ص ۳ میں ذکر کی ہے۔ مقدمہ حاشیہ بخاری ص ۴ میں امام نووی کی تہذیب الاسماء کے حوالے سے بھی یہی تعداد ذکر کی گئی ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ۲/ ۲۳۷ میں امام ابن الصلاح کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ۲/ ۸۳۸ میں امام ابوعبداللہ بن عبدالحق کا یہ شعر نقل کیا ہے:

جمیع احادیث الصحیح الذی روی ال بخاری خمس ثم سبعون للعد
وسبعة آلاف تضاف وما مضی الی مائتین عد ذاك اولو الجد

حافظ ابن حجرؒ نے روایات کی تعداد کی بحث تین جگہ کی ہے: مقدمہ کی دوسری جلد میں، فتح الباری کی پہلی جلد میں اور آخری جلد میں، لیکن حافظ صاحبؒ کی اپنی رائے یہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک کل روایات تکرار کے ساتھ نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہیں جن میں سے کل تعلیقات ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) ہیں جن میں سے اکثر متون میں مذکور ہیں۔ فقط ایک سو ساٹھ (۱۶۰) متون میں مذکور نہیں ہیں۔ اور متابعات وغیرہ (یعنی تنبیہ علیٰ اختلاف الروایات) تین سو اکتالیس (۳۴۱) ہیں، البتہ فیض الباری کے مقدمہ کے ص ۳۹ کے حاشیہ میں علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی سے بعض نسخوں کے حوالہ سے تین سو چوالیس (۳۴۴) اور بعض کے حوالہ سے تین سو چوراسی (۳۸۴) کا ذکر آیا ہے۔ باقی معلقات اور متابعات کے علاوہ تکرار کے ساتھ کل روایات سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ۲/ ۲۴۰ تا ۲۴۲، ۱۷/ ۳۲)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ بغیر تکرار کے کل روایات دو ہزار پانچ سو تیرہ (۲۵۱۳) ہیں اور ہامش مقدمہ فیض الباری ص ۳۹ میں مقدمہ فتح الباری کے حوالے سے احادیث موصولہ غیر مکررہ کی تعداد دو ہزار چار سو ساٹھ (۲۴۶۰) ذکر کی گئی ہے، لیکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نے فضل الباری ص ۷۱ میں علامہ قسطلانی کے حوالے سے دو ہزار چھ سو دو

Marfat.com

(۲۶۰۲) کا ذکر کیا ہے اور علامہ کاشمیری کا رجحان بھی اسی قول کی طرف نقل کیا ہے، جبکہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری ۱/۱۶ میں ابوحفص عمر بن عبدالمجید میانشی کا قول ذکر کیا ہے کہ کل روایات سات ہزار چھ سو سے کچھ اوپر ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعداد روایات بخاری میں اختلاف ہے۔ خود حافظ ابن حجر کے اپنے کلام میں بھی تضاد ہے، البتہ مشہور قول یہ دو ہی ہیں کہ کل روایات مکررہ ۷۲۷۵ اور غیر مکررہ ۴۰۰۰ یا کل مکررہ ۹۰۸۲ اور غیر مکررہ ۲۵۱۳ ہیں۔[۵]

علامہ زبیدی کی تحقیق کے مطابق بخاری کی غیر مکرر احادیث کی تعداد ۲۱۵۷ ہے۔ بعض علما نے بخاری کی تجرید بھی کی ہے، یعنی جو احادیث مکرر ہیں، ان کو حذف کر کے غیر مکرر احادیث جمع کی ہیں۔ صاحب تجرید علامہ ابوعلی الحسن بن المبارک زبیدی ہیں اور اس کا ترجمہ اردو میں مولانا محمد حیات سنبھلی نے کیا ہے۔[۶]

بخاری شریف میں ترجمۃ الابواب میں کافی تعداد میں اس قسم کی تعلیقات ہیں کہ مصنف نے اپنے استاد کا یا اوپر کی سند کا ذکر نہیں کیا۔ عندالجمہور وہ بھی صحیح ہیں اگرچہ مسند کے درجہ کی نہیں۔[۷]

شروح بخاری

یوں تو صحیح بخاری کی بے شمار شروح ہیں، لیکن تمام شروح میں سے اپنی افادیت اور جامعیت کے اعتبار سے دو شرحیں سب شروح پر فائق ہیں: فتح الباری لابن حجر اور عمدۃ القاری للعینی۔

حافظ ابن حجرؒ بائیس سال تک فتح الباری شرح البخاری لکھنے میں مصروف رہے۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی رائے میں فتح الباری فن حدیث کے اعتبار سے بڑھ کر ہے۔

علامہ ابن خلدون ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد (المتوفی ۸۰۸ھ) مقدمہ ص ۴۴۳ میں لکھتے ہیں:

'ولقد سمعت كثيرا من شيوخنا رحمهم الله يقولون شرح كتاب البخاری دين على الامة يعنون ان احدا من علماء الامة لم يوف ما يجب له من الشرح بهذا الاعتبار' (میں نے اپنے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ صحیح بخاری کی شرح

Marfat.com

امت کے ذمے قرض ہے۔ان کی مراد یہ تھی کہ علماءِ امت میں سے کسی نے بھی اس لحاظ سے اس کی شرح کی ذمہ داری کماحقہ ادا نہیں کی)۔اور جب فتح الباری لکھی گئی تو علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) نے فرمایا کہ شیخ نے یہ قرض ادا کر دیا ہے، اور ایک حنفی عالم نے کہا کہ یہ قرض حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ دونوں نے ادا کیا ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے، چنانچہ علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۷۱ھ) نے مصر سے طبع ہونے والی عمدۃ القاری کے مقدمہ "تلخیص تذھیب التاج اللجینی فی ترجمة البدر العینی" میں 'مزایا شرح البدر العینی' کے تحت تصریح فرمائی ہے کہ عمدۃ القاری نقل وتحقیق اور فوائد جلیلہ کی بحث وتمحیص میں تمام شروح بخاری سے زیادہ جامع واوسع ہے، ہاں طرق حدیث کے جمع کرنے اور اسانید پر بحث کرنے اور فن حدیث کے لحاظ سے فتح الباری عمدہ ہے۔حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے فرمایا ہے کہ تراجم ابواب بخاری کا حق ابھی تک قرض ہے۔ باوجود اس کے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) نے تراجم ابواب البخاری لکھے ہیں اور خود حضرت شیخ الہندؒ نے بھی کچھ ابتدائی ابواب کے تراجم لکھے ہیں، مگر تراجم کا قرض ابھی تک پورا نہیں ہوا۔واللہ تعالیٰ الموفق۔[۸]

اہل علم کے ہاں یہ مقولہ مشہور ہے کہ: 'فقه البخاری فی الابواب والتراجم'۔امام بخاری ایک ایک حدیث کو کلاً یا بعضاً مختلف ابواب میں نقل کرتے ہیں۔ بسا اوقات بخاری کی احادیث کی تلاش میں خاصی دقت پیش آتی ہے۔اس سلسلے میں حضرت مولانا عبدالعزیز سیالویؒ نے "نبراس الساری فی اطراف البخاری" لکھ کر امت پر احسان کیا ہے جس سے آسانی کے ساتھ بیک وقت بخاری میں ایک ہی حدیث متعدد ابواب میں مل جاتی ہے۔[۹]

صحیح مسلم

(امام مسلم کا بیان ہے کہ میں نے صحیح مسلم کی احادیث تین لاکھ احادیث سے چھانٹ کر منتخب کی ہیں)(تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۵۱۔اکمال، ص ۶۲۷۔تدریب الراوی، ص ۱۲۔مقدمہ نووی، ص ۱۳)

Marfat.com

صحیح مسلم کی کل غیر مکرر احادیث چار ہزار ہیں۔ (اکمال، ص ۶۲۶۔ توجیہ النظر، ص ۹۴۔ مقدمہ فتح الملہم، ص ۱۳) اور مکررات سمیت امام ابوالفضل احمد بن سلمہ کی تحقیق میں بارہ ہزار اور علامہ ابوحفص المیانجی کی تحقیق کے مطابق آٹھ ہزار ہیں۔ (توجیہ النظر، ص ۹۴۔ و مقدمہ فتح الملہم، ص ۹۹) [۱۰]

امام مسلم سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی سند کیوں بیان نہیں کی جبکہ وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا:

لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ھاھنا انما وضعت ھاھنا ما اجمعوا علیہ۔ (مسلم، ۱/۱۷۴)

''میں نے ہر اس حدیث کو جو میرے نزدیک صحیح ہے، اپنے صحیح میں درج کرنے کا التزام نہیں کیا بلکہ میں نے تو صرف وہ روایتیں درج کی ہیں جن پر محدثین کا اجماع واقع ہوا ہے۔''

حافظ ابن صلاح نے مقدمہ ص ۸ میں، امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۴۷ میں اور علامہ جزائریؒ نے توجیہ النظر ص ۲۴۰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ 'ما اجمعوا علیہ' کے جملہ سے امام مسلمؒ کی مراد حسب ذیل محدثین ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام عثمان بن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور خراسانی۔ حافظ ابن حجر ان میں امام علی بن المدینی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری، ص ۲۰۳) امام ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام مسلم اپنی صحیح میں 'صحیح' سمجھتے ہیں، اس کا صحیح ہونا نفس الامر میں یقینی ہے۔ [۱۲]

امام مسلم کا احادیث سے استدلال واحتجاج کرنے کا طریقہ ہی جدا ہے چنانچہ خود تصریح کرتے ہیں کہ ہم درجہ اول میں صرف وہ روایات پیش کریں گے جو ہر قسم کے عیب سے محفوظ ہوں گی اور جن کے راوی حفظ اور اتقان میں مسلم ہوں گے اور وہ چنداں وہم اور خطا کا شکار بھی نہ ہوئے ہوں گے اور درجہ دوم میں ایسے راویوں کی روایتیں ہوں گی جن کے رواۃ اگرچہ فی الجملہ ثقہ ہوں گے اور جو حفظ واتقان میں بھی پہلے راویوں کے ہم پلہ نہ ہوں گے، نیز ان سے خطا اور وہم بھی صادر ہوا ہوگا۔ (دیکھیے مقدمہ مسلم، ص ۳ و ۴) [۱۳]

امام مسلم نے مقدمہ میں بتلایا ہے کہ وہ استشہاد میں متکلم فیہ راوی کو بھی لے لیتے ہیں۔ (ص

Marfat.com

۴)لہٰذا کسی راوی کا مسلم آ جانا جبکہ اس پر تنقید بھی ہوئی ہو، اس کی ثقاہت کا ثبوت نہیں ہے۔*[۱۴]

* صحیح مسلم میں بعض معلول روایات بھی مروی ہیں۔مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کی تخلیق کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی جو ہفتے کے سات دنوں میں مکمل ہوئی۔(مسلم، رقم ۷۰۵۴)امام ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید کے مطابق آسمان وزمین کی تخلیق چھ دن میں مکمل ہوئی جبکہ یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ مدتِ تخلیق سات دن تھی۔(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۸۶)مناویؒ لکھتے ہیں کہ زرکشی کہتے ہیں کہ یہ روایت امام مسلم کی نقل کردہ غریب روایات میں سے ہے۔اس میں ابن المدینی، بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دراصل کعب احبار کا کلام ہے جو ان سے ابو ہریرہؓ نے سنا لیکن کسی راوی کو اشتباہ ہوا اور اس نے اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی۔(مناوی، فیض القدیر، ۳/۴۴۸)

اسی طرح عبد اللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیانؓ کے اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمان نہ ان کی طرف توجہ کرتے تھے اور نہ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔انہوں نے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح آپ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔(صحیح مسلم، رقم ۶۴۰۹)امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا جبکہ ابوسفیانؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، لہٰذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔(الامیر الیمانی، توضیح الافکار ۱/۱۲۸، ۱۲۹)امام ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسلم کے اوہام میں سے ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما چکے تھے۔(اسد الغابہ، ۳/۳۵۳)

چوتھی صدی کے محدث امام ابوالفضل محمد بن ابی الحسین بن عمار الشہید نے ایک مختصر رسالہ ''علل مسلم'' میں صحیح مسلم کی چھتیس روایات کو معلول قرار دیا ہے۔انھوں نے ان میں سے بعض روایات کی سند پر کلام کیا ہے جبکہ بعض روایات کے متن میں راویوں کی طرف سے بیان کی جانے والی زیادات یا تصرفات کی نشان دہی کی ہے۔مثال کے طور پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'لقنوا موتاکم لا الہ اللہ' (مسلم، رقم)یعنی تم میں سے جن پر موت کا وقت آ جائے، انھیں لا الہ الا اللہ پڑھنے

Marfat.com

صحیحین کا خصوصی مقام

(اصول حدیث کی رو سے بخاری شریف اور مسلم شریف کو 'صحیحین' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متصل اور مرفوع حدیثیں حضرات محدثین کرام کے اتفاق واجماع کے مطابق صحیح ہیں)۔ مورخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن بن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) بخاری اور مسلم کی صحت اور مزیت پر بحث کرتے ہوئے اپنے 'مقدمہ' لکھتے ہیں:

ومن اجل هذا قيل فى الصحيحين بالاجماع على قبولهما من جهة الاجماع على صحة ما فيهما من الشروط المتفق عليها فلا تاخذك ريبة فى ذلك فالقوم احق الناس بالظن الجميل بهم۔

''اور اسی واسطے کہا گیا کہ بخاری اور مسلم کی روایات کے قبول کرنے پر اجماع ہے، اس لیے کہ جو صحت کی متفق علیہ شرطیں ان میں موجود ہیں، ان پر اجماع ہو چکا ہے، لہٰذا اس بارے میں ذرہ بھر شک نہ کر کیونکہ وہ حضرات تمام لوگوں میں ظن جمیل کے زیادہ مستحق ہیں۔'' (ص ۴۴۵)

علامہ حسین بن محسنؒ لکھتے ہیں:

وقد حصل الاتفاق على الحكم بصحة ما فى الصحيحين غير المستثنى۔ (البیان المکمل، ص۲)

''بے شک اس بات پر اتفاق حاصل ہو چکا ہے کہ بخاری اور مسلم میں تمام روایتیں بغیر استثنا کے صحیح ہیں۔''

کی تلقین کرو۔ امام ابوالفضل فرماتے ہیں کہ اصل حدیث یوں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ 'قل لا اله الا الله اشهد لك بها يوم القيامة' (آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، میں قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا) لیکن ابوخالد الاحمر نے اسے ایک ہدایت کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔ (علل مسلم ملحق بہ شرح النووی علیٰ صحیح مسلم، بیت الافکار الدولیۃ، ص ۱۷۴۳)

عصر حاضر کے معروف محدث الشیخ ناصر الدین الالبانیؒ نے بھی صحیح مسلم کی بعض روایات پر کلام کیا ہے۔ (مرتب)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع۔ (حجۃ اللہ البالغہ،۱/۱۳۴)

''صحیحین کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں موجود تمام متصل اور مرفوع روایتیں قطعی طور پر صحیح ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

ولکن الشیخان لا یذکران الا حدیثا قد تناظرا فیہ مشائخھما واجمعوا علی القول بہ والتصحیح لہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ،۱/۱۳۴)

''لیکن امام بخاری اور امام مسلم صرف وہی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں انھوں نے اپنے اپنے اساتذہ سے بحث ومناظرہ کیا ہوتا ہے اور جس کے بیان کرنے اور تصحیح پر ان سب کا اجماع ہو چکا ہے۔''

یعنی جمہور امت کے نزدیک صحیح ہیں، کیونکہ اجماع کا اطلاق اکثریت پر ہوتا ہے۔(توضیح الکلام ۱/۷۷) [۱۵]

○ منکرین حدیث پر تو کوئی زیادہ افسوس نہیں ہے کیونکہ ان کا مشن ہی انکار حدیث اور ترک حدیث ہے، مگر صد افسوس تو مولانا مودودی صاحبؒ پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''کوئی شریف آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیث کا جو مجموعہ ہم تک پہنچا ہے، وہ قطعی طور پر صحیح ہے۔ مثلاً بخاری جس کے بارے میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، حدیث میں کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں جو چھ سات ہزار احادیث درج ہیں، وہ ساری کی ساری صحیح ہیں۔'' (ماخوذ از الاعتصام ص۲، ۴ر شوال ۱۳۷۴ھ، ۲۷ر مئی ۱۹۵۵)

اس کا صاف لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ پوری امت مسلمہ جو صحیحین بخاری اور مسلم کو صحیح کہتی اور علی الخصوص بخاری کی جملہ روایات کو صحیح مانتی ہے، وہ مودودی صاحب کے نزدیک شرفا کے زمرہ سے خارج ہے۔ پھر منکرین حدیث کا کیا قصور ہے جو ایسی واہی تباہی باتیں حدیث کے متعلق کہتے

Marfat.com

ہیں؟[۱۶]

○ بعض محدثین کرام صحیحین کی بعض روایات پر بھی تنقید کے قائل ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۵۔ تدریب الراوی، ص ۲۷۔ توجیہ النظر، ص ۸۷۔ نیل الاوطار، ۲۲/۱) مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی لکھتے ہیں: ''صحیحین میں مدلس راویوں کی احادیث محمول علی السماع ہیں، لیکن یہ قاعدہ ان احادیث کے بارے میں ہے جہاں تنقید نہ ہوئی ہو۔'' (خیر الکلام ص ۴۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی بعض روایات بھی تنقید کی زد میں ہیں۔[۱۷]

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر فوقیت

○ دین اسلام کا مدار قرآن کریم کے بعد حدیث شریف پر ہے اور تمام کتب حدیث میں صحت سند اور دیگر بعض مزایا اور خصائص کے لحاظ سے جو درجہ اور رتبہ 'الجامع المسند الصحیح للبخاری' کو حاصل ہے، وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ جمہور اہل اسلام (جو اہل سنت والجماعت میں سے ہیں) کا اتفاق ہے کہ 'اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری'۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ صحت کی جو شرطیں اس میں موجود ہیں، وہ کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔[۱/۱۷]

○ علامہ ابن خلدون صحیح مسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثم جاء الامام مسلم بن الحجاج القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فالف مسندہ الصحیح حذا فیہ حذو البخاری فی نقل المجمع علیہ

(مقدمہ، ص ۴۴۵)

''پھر امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ آئے اور انھوں نے اپنا مسند صحیح تالیف کیا جس میں وہ مجمع علیہ روایتیں نقل کرنے میں امام بخاری کے نقش قدم پر چلے۔''

علامہ طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں:

ان السلف والخلف قد اطبقوا قاطبة علی ان اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالی کتاب صحیح البخاری ثم صحیح مسلم ثم

Marfat.com

الموطا (مفتاح السعادۃ،۲/۳)

''سلف وخلف کے تمام علما کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے، اس کے بعد صحیح مسلم اور پھر موطا۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

اتفق العلماء رحمهم الله تعالى على ان اصح الكتب بعد القرآن العزيز الصحيحان للبخاری ومسلم وتلقتهما الامة بالقبول وكتاب البخاری اصحهما واكثرهما فوائد ومعارف ظاهرة وغامضة۔ (مقدمہ نووی،ص ۱۳)

''علما کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں امام بخاری اور امام مسلم کی ہیں اور انھیں امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ان میں سے بھی امام بخاری کی کتاب اپنی صحت اور نمایاں اور لطیف فوائد ومعارف پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے فائق ہے۔'' [۱۸]

صحیح روایات صحیحین میں محصور نہیں

صحیح احادیث صرف صحیحین میں ہی محصور اور بند نہیں بلکہ اور بھی احادیث بکثرت صحیح ہیں چنانچہ علامہ خطیب ابوبکر احمد بن علی بغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد ۲/۹ طبع مصر میں اور علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب السبکیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/۷ میں اور امام ابوالفضل عبدالرحمٰن السیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) تدریب الراوی ص ۴۶ طبع مصر میں امام بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

يقول ما ادخلت فی الكتاب الجامع الا ما صح وتركت من الصحاح لحال الطول۔

''میں نے صحیح بخاری میں صرف وہ حدیثیں درج کی ہیں جو صحیح ہیں اور طوالت کے خوف سے بے شمار صحیح احادیث اس میں درج نہیں کیں۔''

توجیہ النظر ص ۹۱ میں امام بخاری کا یہ ارشاد بھی ہے: 'وتركت جملة من الصحاح

Marfat.com

خشية ان يطول الكتاب'۔

علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمیؒ (التوفی ۵۸۴ھ) شروط الائمة الخمسة ص۴۹ طبع مصر میں اور حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی المعروف بابن حجرؒ (التوفی ۸۵۲ھ) مقدمہ فتح الباری ۱/۴ طبع مصر میں اپنی اپنی سند کے ساتھ حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم المعروف باسماعیلی (التوفی ۳۷۱ھ) کے طریق سے امام بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں:

قال لم اخرج فى هذا الكتاب الا صحيحا وما تركت من الصحيح فهو اكثر۔

''میں نے اس کتاب میں صرف صحیح روایات لی ہیں، اور جو صحیح حدیثیں میں نے صحیح بخاری میں درج نہیں کیں، ان کی تعداد زیادہ ہے۔''

امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوریؒ (التوفی ۴۰۵ھ) مستدرک ۳/۱ طبع دائرہ المعارف حیدرآباد دکن میں لکھتے ہیں:

ولم يحكما ولا واحد منهما انه لم يصح من الحديث غير ما اخرجاه۔

''شیخین یا ان میں سے کسی ایک نے یہ حکم نہیں لگایا کہ ان کی درج کردہ روایات کے علاوہ کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔''

حافظ ابن القیم ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکرؒ (التوفی ۷۵۱ھ) اپنی کتاب زاد المعاد ۶۰/۴ میں فرماتے ہیں:

وهل قال البخارى قط ان كل حديث لم ادخله فى كتابى فهو باطل وليس بحجة او ضعيف وكم احتج البخارى باحاديث خارج الصحيح ليس لها ذكر فى صحيحه وكم صحح من حديث خارج عن صحيحه۔

''کیا امام بخاری نے کبھی یہ کہا کہ جو حدیث بھی میں نے اپنی کتاب میں درج نہیں کی، وہ

Marfat.com

باطل یا ضعیف ہے یا حجت نہیں؟ کتنی ہی ایسی احادیث سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے جو ان کی صحیح میں مذکور نہیں اور اپنی صحیح میں درج احادیث کے علاوہ کتنی ہی روایتوں کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے۔"

امام نوویؒ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

فانهما لم يلتزما استيعاب الصحيح بل صح عنهما تصريحهما بانهما لم يستوعباه فانهما قصدا جمع جمل من الصحيح۔

"امام بخاری و مسلم نے تمام صحیح حدیثوں کے استیعاب کا التزام نہیں کیا بلکہ ان کی اپنی تصریح صحیح سند سے ثابت ہے کہ ہم نے (صحیحین میں) سب صحیح حدیثیں درج نہیں کر دیں، بلکہ ان کا مقصود تو صحیح حدیثوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا۔"

مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کوثر النبی ص ۱۱ قلمی میں لکھتے ہیں:

ان الشيخين لم يقصدا حصر الصحاح فی الصحيحين بل قد وجد عنهما التصريح بعدم الحصر۔

"شیخین کا مقصود صحیحین میں صحیح روایات کا استقصا کرنا نہیں تھا، بلکہ ان سے یہ تصریح ثابت ہے کہ صحیح روایات ان کی کتابوں میں محصور نہیں۔"

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ مقدمہ حاشیہ نسائی ص ۵ میں لکھتے ہیں:

انهما تركا كثيرا من الصحيح الذی حفظاه۔

"شیخین کثیر تعداد میں ایسی صحیح روایات درج نہیں کیں جو انھیں یاد تھیں۔"

الحاصل صحیح احادیث صرف صحیحین میں بند اور منحصر نہیں بلکہ اور بھی بے شمار احادیث صحیح ہیں، لیکن منکرین حدیث اور ان کے مسٹر غلام احمد پرویز نے اس صحیح کے لفظ سے غلط فائدہ اٹھایا ہے، چنانچہ مقام حدیث ۲/ ۲۲۴ میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے تقریباً چھ لاکھ احادیث میں سے پانچ لاکھ چورانوے ہزار کو مسترد کر دیا اور صرف تقریباً چھ ہزار احادیث کو اپنی صحیح بخاری میں درج کیا۔ مقام حدیث ۱/ ۵۷ میں بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔[۱۹]

Marfat.com

سنن النسائی

علما کا اتفاق ہے کہ قرآن عزیز کے بعد اصح الکتب بخاری ہے اور پھر مسلم۔ نخبۃ الفکر ص ۱۹ میں ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحیح ہیں۔ پھر ان دونوں کے بعد نسائی کا درجہ ہے، جیسا کہ علامہ طاہر بن صالح الجزائری اپنی مشہور تصنیف توجیہ النظر میں فرماتے ہیں: 'النسائی اقل السنن بعد الصحیحین حدیثا ضعیفا' (ص ۱۵۴) یعنی صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف احادیث سنن نسائی میں ہیں۔[۲۰]

[اضافہ از مرتب]

سنن النسائی پر ابو علی نیسا بوری، ابن عدی، دارقطنی، حاکم، ابن مندہ اور خطیب بغدادی جیسے ائمہ حدیث نے 'صحیح' کا اطلاق کیا ہے۔ ابن رشید الفہری کا بیان ہے کہ:

کتاب النسائی ابدع الکتب المصنفة فی السنن تصنیفا و احسنها ترصیفا و کان کتابه جامع بین طریقتی البخاری و مسلم مع حظ کبیر من بیان العلل۔

محدثین کے ایک گروہ کے ہاں سنن نسائی کا مرتبہ صحیحین اور سنن ابوداؤد کے بعد ہے۔ حافظ خلیلی فرماتے ہیں کہ 'کتابه یضاف الی کتاب البخاری و مسلم و ابی داؤد'۔ جبکہ بیشتر علما اس کا نمبر صحیحین، ابوداؤد اور ترمذی کے بعد قرار دیتے ہیں۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ 'کتاب النسائی اقل الکتب بعد الصحیحین حدیثا ضعیفا و رجلا مرجوحا'۔

ابو علی نیسا بوری کا کہنا ہے کہ رجال کے معاملے میں امام نسائی کا معیار امام مسلم سے زیادہ سخت ہے، بلکہ حافظ سعد بن علی زنجانی کی رائے میں امام نسائی کی شرائط بخاری اور مسلم، دونوں سے زیادہ کڑی ہیں۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کیونکہ امام نسائی نے بخاری اور مسلم کے بعض راویوں کو بھی نرم قرار دیا ہے۔ اپنے اسی سخت معیار کی وجہ سے امام نسائی نے ایسی روایات کو بھی اپنی سنن میں نقل کرنے سے گریز کیا ہے جن کی سند عالی تھی لیکن ان میں کوئی راوی ان کے

Marfat.com

معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ اس کے بجائے انھوں نے اس روایت کی سند نازل کو ترجیح دی ہے۔ خود فرماتے ہیں:

لما عزمت علی جمع کتاب السنن استخرت اللہ تعالیٰ فی الروایة عن شیوخ کان فی القلب منهم بعض الشئ فوقعت الخیرة علی ترکهم فنزلت فی جملة من الحدیث کنت اعلو فیه عنهم۔

''جب میں نے کتاب السنن مرتب کرنے کا عزم کیا تو میں نے ایسے شیوخ سے روایت لینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا جن کے بارے میں دل پوری طرح مطمئن نہیں تھا، چنانچہ یہی طے پایا کہ ان سے روایت نہ لوں، چنانچہ میں نے متعدد احادیث کو سند نازل سے نقل کیا ہے، اگرچہ مذکورہ مشائخ کے واسطے سے وہ میرے پاس سند عالی سے موجود تھیں۔''

'السنن' کے نام سے امام نسائی کی دو تصانیف معروف اور متداول ہیں۔ ایک السنن الکبریٰ اور دوسری السنن الصغریٰ یا المجتبیٰ۔ علماے حدیث کی السنن الصغریٰ کے بارے میں تین آرا ہیں:

ابن الاثیر نے جامع الاصول میں نقل کیا ہے کہ امام نسائی نے جب السنن الکبریٰ تصنیف کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس میں تمام روایات صحیح ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ اس میں سے صحیح روایات کو الگ کر کے ایک مجموعہ بنا دیں، چنانچہ انھوں نے 'المجتبیٰ' مرتب کر دی۔

دوسری رائے امام ذہبی اور تاج الدین سبکی کی ہے کہ مجتبیٰ دراصل امام نسائی کی اپنی تالیف نہیں، بلکہ ابن السنی نے السنن الکبریٰ سے انتخاب کر کے المجتبیٰ مرتب کی ہے۔

تیسری رائے حافظ ابن کثیر کی ہے کہ سنن صغریٰ خود امام نسائی کی اپنی تصنیف ہے۔ اس کے حق میں ایک قرینہ یہ ہے کہ سنن صغریٰ میں بہت سے اضافے پائے جاتے ہیں جو سنن کبریٰ میں موجود نہیں۔ یہ اضافے احادیث میں بھی ہیں اور ابواب کے تراجم میں بھی۔ مزید یہ کہ سنن کبریٰ کو امام نسائی سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد محمد بن معاویہ ابن الاحمر نے امام نسائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ 'کتاب السنن کله صحیح و بعضه معلول الا انه لم یبین علته،

Marfat.com

والمنتخب المسمى بالمجتبى صحيح كله'۔

احادیث احکام کے انتخاب اور امام نسائی کی قوت استنباط اور باریک بینی کے اعتبار سے اسے صحیح بخاری کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔[۲۱]

جامع الترمذی

[جامع الترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی کی تالیف ہے۔ ان کی ولادت ۲۱۰ہجری میں اور وفات ۲۷۹ہجری میں ہوئی۔ ان کی مرتب کردہ کتاب کو 'الجامع'، 'سنن الترمذی'، 'الجامع الصحیح'، 'الجامع الکبیر' اور 'الجامع المختصر' کے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، جبکہ ابن خیر الاشبیلی نے اپنی فہرست میں اس کا مفصل نام 'الجامع المختصر من السنن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل' بیان کیا ہے۔ (مرتب)]

جامع ترمذی کی خصوصیات

علم حدیث کی بے شمار کتابیں ہیں۔ ان میں چھ کتابیں صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں ایک سنن ترمذی ہے جو اپنے نرالے انداز بیان اور فوائد کے لحاظ سے بقیہ کتب سے ممتاز ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت امام ترمذیؒ نقل کردہ تمام احادیث کے بارے میں، الا ماشاء اللہ تعالیٰ صحیح، حسن، صحیح غریب، حسن غریب وغیرہ کے الفاظ سے حدیث کے صحت وسقم کے بارے میں اپنی دانست کے مطابق رائے بھی بیان فرمادیتے ہیں۔

(۲) وفی الباب عن فلان الخ فرما کر یہ واضح فرمادیتے ہیں کہ اس باب اور اس مضمون کی حدیث فلاں فلاں صحابی سے بھی مروی ہے جس سے باب کی حدیث کی تقویت کے علاوہ کھوج لگانے والے کے لیے کافی آسانی پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ان دیگر روایات کی جستجو بھی کرتا اور کرسکتا ہے۔

Marfat.com

(۳) جب حدیث کا ضعف بیان فرماتے ہیں تو اس کی سند میں متکلم فیہ راوی کی نشاندہی فرما کر محدثین کرامؒ سے اس پہ جرح نقل کرتے ہیں جس سے متعلم کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۴) کم وبیش ہر اختلافی حدیث کے بارے فقہی مذاہب بیان فرماتے ہیں کہ فلاں امام کا اس کے بارے میں یہ نظریہ ہے اور فلاں کی یہ رائے ہے۔ گویا ایک ساتھ روایت ودرایت، سند اور متن کا مفہوم سامنے آجاتا ہے۔[۲۲]

ترمذی تقریباً چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کو 'الجامع' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں فن حدیث کی جملہ اقسام موجود ہیں جو آٹھ ہیں۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے ان کو یوں جمع کیا ہے:

سیر وآداب وتفسیر وعقائد　　　رقاق واشراط واحکام ومناقب

(معارف السنن ۱۸/۱)

اور ترمذی 'سنن' بھی ہے، کیونکہ اس کو فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۸، ۱۹)

امام سیوطی نے قوت المغتذی ۲/۱ میں ترمذی شریف کی حسب ذیل خصوصیات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ امام ترمذی ہر حدیث کے عنوان اور مضمون پر باب قائم کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث کے بیان کرنے کے بعد صحیح، حسن، غریب اور ضعیف وغیرہ کا حکم لگاتے ہیں۔

۳۔ رواۃ کی توثیق وتضعیف کر کے جرح وتعدیل کے اعتبار سے ان کا مرتبہ واضح کرتے ہیں۔

۴۔ جو راوی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کے نام، ولدیت ورقبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جن راویوں کے کہیں نام اور کہیں نسبت آجاتی ہے، ان کی کنیت بیان کرتے ہیں تاکہ توحد یا تعدد کا شبہ پیدا نہ ہو۔

۵۔ حضرات صحابہ کرام کے نام اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت اور سماعت اور تابعین کے ناموں کی جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نہیں سنی ہوتی، تصریح کر دیتے ہیں تاکہ مرفوع، مسند اور مرسل کا فرق نمایاں ہو جائے۔

۶۔ ایک سے زائد حضرات صحابہ کرام کی روایات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس باب میں فلاں اور فلاں حضرات صحابہ کرام کی روایات بھی ہیں۔

Marfat.com

۷۔فن حدیث کی ضروری ابحاث کے بعد حضرات فقہاء کرام کے فقہی مذاہب اور اختلافات بیان کرتے ہیں کہ کس امام اور فقیہ کا کیا مسلک ہے۔

مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۶ میں علامہ ابن سید الناس کے حوالے سے چند مزید خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے:

۸۔شاذ قسم کی روایات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

۹۔موقوف حدیث کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس وجہ سے موقوف ہے۔

۱۰۔مدرج کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ اتنا حصہ حدیث میں راوی کا اپنا کلام درج ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ترمذی شریف کی ایک مزیت یہ بیان کی ہے کہ ترمذی کی ترتیب عمدہ ہے اور اس میں احادیث کا تکرار نہیں۔(بستان المحدثین مترجم ص ۲۹۰) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۵ میں کتب حدیث میں ترمذی کے حوالے سے حافظ ابن الاثیر کا یہ قول منقول ہے کہ 'اکثر فائدة واحسنها ترتيبا واقلها تكرارا' یعنی اس کے فوائد زیادہ، ترتیب بہت اچھی اور تکرار سب سے کم ہے۔

مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰ تا ۱۹۵ میں اس کے علاوہ بعض مزید فوائد بھی نقل کیے گئے ہیں۔* [۲۳]

---

*امام ترمذی اپنی تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں: 'صنفت هذا الكتاب فعرضته على علماء الحجاز والعراق وخراسان فرضوا به ومن كان في بيته هذا الكتاب فكانما في بيته نبي يتكلم' (البدایہ والنہایہ، ۱۱/۷۷) ''میں نے یہ کتاب تصنیف کر کے حجاز، عراق اور خراسان کے علما کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا، اور جس کے گھر میں یہ کتاب ہو، اس کے گھر میں گویا ایک نبی موجود ہے جو گفتگو کر رہا ہے۔''

ابن الاثیر 'جامع الاصول' میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذی کی کتاب تمام کتابوں سے زیادہ اچھی اور کثیر الفوائد ہے۔ اس کی ترتیب سب سے عمدہ اور تکرار سب سے کم ہے۔ مزید برآں میں اس میں فقہی مذاہب، وجوہ استدلال، صحیح اور سقیم احادیث کا درجہ اور راویوں کے جرح و تعدیل کا بھی ذکر ہے جو دوسری کتابوں میں موجود نہیں۔ (جامع الاصول ۱/۱۹۳)

Marfat.com

جامع ترمذی کا درجہ

امام سیوطی، علامہ ذہبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ صحت کے لحاظ سے ترمذی کا درجہ نسائی اور ابو داؤد کے بعد ہے، اس لیے ترمذی میں مصلوب اور کلبی کی روایتیں بھی ہیں۔ (تدریب الراوی ص ۹۹) ان میں سے محمد بن سعید مصلوب الاسدی الشامی نے عمداً چار ہزار حدیثیں وضع کی تھیں اور اسی جرم میں اسے سولی چڑھا دیا گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ۱۸۶/۹) جبکہ محمد بن السائب الکلبی پر جھوٹ اور رافضی ہونے کا الزام ہے۔ (تہذیب ۱۷۸/۹) لیکن ملا کاتب چلپی کشف الظنون ۳۷۵/۱ میں لکھتے ہیں کہ صحت کے اعتبار سے بخاری اور مسلم کے بعد ترمذی کا درجہ ہے، کیونکہ مصلوب اور کلبی کی روایات سے امام ترمذی نے استدلال نہیں کیا، بلکہ یا تو انھیں محض متابعات اور شواہد میں لائے ہیں یا ان کو نقل کر کے ان کی تضعیف کی ہے تاکہ کوئی ان کی روایات سے مغالطہ نہ کھائے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بھی صاحب کشف الظنون کی رائے کی تائید کی ہے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۸۰)

الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۶۹ میں ہے کہ ترمذی شریف میں جو رواۃ اور رجال آئے ہیں، ان کے حالات پر محدث جلیل حافظ ابو محمد الدورقی نے 'رجال الترمذی' کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔[۱۲۴]

○ ترمذی شریف میں جتنی احادیث ہیں، وہ اہل اسلام کے مختلف مکاتب فکر کے ہاں معمول بہا ہیں۔ کسی اہل مسلک کے ہاں کوئی حدیث قابل عمل ہے اور کسی کے ہاں کوئی، بجز دو حدیثوں کے کہ وہ کسی طبقہ کے نزدیک معمول بہا نہیں ہیں اور یہ بات خود امام ترمذی نے کتاب العلل ص ۲۳۵ میں صراحتاً فرمائی ہے۔ یہ دو روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

امام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک امام ترمذی کی کتاب بخاری اور مسلم سے بھی زیادہ نافع ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم سے متبحر علما ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جبکہ امام ترمذی کی کتاب کا فائدہ ہر شخص کو پہنچتا ہے۔ (تہذیب الکمال ۱۷۲/۱) (مرتب)

Marfat.com

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینة والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا مطر (رقم ۱۷۲)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس حالت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھا کہ نہ کسی قسم کی خوف کیفیت تھی اور نہ بارش ہو رہی تھی۔''

۲۔ حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعة فاقتلوہ (رقم ۱۳۶۴)

''جو شخص شراب پیے، اس کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر چوتھی مرتبہ پیے تو اس کو قتل کر دو۔''* [۲۵]

امام ترمذی کی اصطلاح: 'ھذا حدیث حسن صحیح'

امام ترمذی عام طور پر روایات نقل کر کے ان پر یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ 'ھذا حدیث حسن صحیح'۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جس کے راوی ثقہ، ثبت اور عادل وضابط ہوں، جبکہ حسن روایت وہ ہوتی ہے جس کے کسی راوی میں ان میں سے کسی ایک صفت کی کمی ہو۔ اس لحاظ سے 'حسن صحیح' اجتماع متناقضین ہے۔

تدریب الراوی ص ۹۲ میں حافظ ابن الصلاح سے اس کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے کہ جہاں صحیح کے ساتھ حسن کا لفظ آتا ہے، اس سے مراد اصطلاحی حسن نہیں جس میں مذکورہ اوصاف میں سے کسی وصف کی کمی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، بلکہ لغوی مفہوم مراد ہے یعنی مرغوب اور پسندیدہ۔

تدریب ص ۹۳ میں امام ابن دقیق العید کا یہ جواب نقل کیا گیا ہے کہ جہاں لفظ حسن، صحیح کے

---

* شارب خمر کو چوتھی مرتبہ قتل کرنے کی حدیث کے غیر معمول ہونے پر امام ترمذی نے جو اتفاق نقل کیا ہے، ابن القیم رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور بعض سلف سے، جن میں عبد اللہ بن عمرو اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما شامل ہیں، اس کا قائل ہونے کی رائے نقل کی ہے۔ البتہ ابن القیم کی رائے میں یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ قاضی کی صواب دید پر منحصر ہے اور اگر وہ دیکھے کہ لوگ شراب پینے سے باز نہیں آتے تو وہ چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو مصلحتاً تعزیر کے طور پر قتل کر سکتا ہے۔ (تہذیب السنن، طبع مکتبة المعارف الریاض، ص ۱۹۸۸)

Marfat.com

ساتھ آتا ہے، وہ لابشرط شیٔ کے درجے میں ہے، یعنی اس میں رواۃ کی کسی صفت کی کمی ملحوظ نہیں۔

تدریب ص ۹۴ میں حافظ ابن کثیر کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے کہ جس روایت کو حسن اور صحیح کہتے ہیں، وہ مطلق حسن اور مطلق صحیح سے الگ ایک قسم ہے اور یہ متوسط درجہ ہے، جیسے 'الحلو الحامض' (کھٹی میٹھی چیز)۔ اس صورت میں امام ترمذی جس روایت کے بارے میں 'حسن صحیح' کہیں، اس کا رتبہ 'حسن' سے زیادہ اور 'صحیح' سے کم ہوگا جبکہ جس روایت کو محض 'صحیح' کہیں، وہ اس روایت کی بہ نسبت بلند درجے کی ہوگی جس کے لیے وہ صحیح اور حسن دونوں الفاظ استعمال کریں۔ (الباعث الحثیث ص ۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر ص ۳۴ میں لکھا ہے کہ جہاں محدث حسن اور صحیح، دونوں لفظ بولتا ہے، وہاں اس کو تردد ہوتا ہے، کیونکہ ایک قوم کے نزدیک وہ حسن اور ایک قوم کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں درمیان میں حرف تردد 'او' محذوف ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر ص ۳۵ میں ایک قول یہ نقل کرتے ہیں کہ ایسی روایت دو سندوں سے مروی ہوتی ہے۔ ایک کے لحاظ سے وہ حسن اور دوسری سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے۔

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی جہاں حسن اور صحیح دونوں لفظ بولتے ہیں، اس میں ان کے نزدیک حسن اور صحیح کا ایک ہی معنی ہوتا ہے اور دوسرے حضرات کی اصطلاح ان کے ساتھ ہے۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۰)

علامہ زرکشی نے ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ بعض رواۃ جوانی اور صحت کے دور میں صحیح کی صفات سے متصف ہوتے ہیں اور وہی رواۃ بڑھاپے میں بیماری کے بعد کمزوری کا شکار ہو جاتے ہیں اور دونوں حالتوں میں وہ روایت بیان کرتے ہیں تو ایسی حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۰) [۲۶]

اسی طرح بعض روایات کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ 'ھذا حدیث حسن غریب'۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث حسن تو وہ ہوتی ہے جو طرق متعددہ سے مروی ہو، یعنی اس کی کئی سندیں ہوں اور غریب وہ ہوتی ہے جس کی ایک سند ہو تو یہ اجتماع نقیضین ہے۔ حافظ

Marfat.com

ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر ص ۳۷ میں یہ جواب دیا ہے کہ جہاں امام ترمذی حسن کے ساتھ غریب کا لفظ بولیں تو وہاں حسن سے مراد حسن اصطلاحی نہیں بلکہ مطلق حسن ہوتی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے کتاب العلل ۲/۲۴۰ میں خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۲۷]

امام ترمذی کی تصحیح وتحسین کا حکم

ترمذی میں بہت سی احادیث انتہائی درجہ کی کمزور، منکر اور ضعیف ہیں اور خصوصیت سے مناقب وغیرہ کے ابواب کی حدیثیں، حتیٰ کہ محدثین ان کی تصحیح وتحسین کی شکایت کیے بغیر نہیں رہ سکے۔* [۲۸]

علامہ ذہبیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس مقام میں امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، لیکن اچھا نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ۱۲۱/۹) اسی طرح ابو غالب کی حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے۔ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام نسائی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج ہی صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً ۲۲۱/۱) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ کثیر بن عبداللہ کی حدیث پر امام احمد نے قلم پھیر دیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ وہ محض ہیچ ہے، لیکن امام ترمذیؒ کبھی اس کی حدیث کی تصحیح

---

*ابن دحیہ فرماتے ہیں: 'وکم حسن الترمذی فی کتابہ من احادیث موضوعۃ واسانید واھیۃ' (نصب الرایہ ۲۱۷/۲) امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کتنی ہی موضوع احادیث اور واہی سندوں کو حسن قرار دیا ہے۔'' حافظ ذہبی جامع ترمذی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ 'ھو احد اصول الاسلام لولا ما کدرہ باحادیث واھیۃ بعضھا موضوع وکثیر منھا فی الفضائل'۔ (یہ کتاب اسلام کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ہے، لیکن مصنف نے اس میں نہایت کمزور روایتیں، جن میں سے بعض موضوع ہیں، درج کر کے اس کے حسن کو گہنا دیا ہے۔ ایسی روایتوں کی بڑی تعداد فضائل کے باب میں مروی ہے۔'' مزید فرماتے ہیں: 'جامعہ قاض لہ بامامتہ وحفظہ وفقہہ ولکن یترخص فی قبول الاحادیث ولا یشدد ونفسہ فی التضعیف رخو' (سیر اعلام النبلاء ۲۷۴/۱۳) ''یہ کتاب ترمذی کی امامت، حفظ اور تفقہ کی دلیل ہے، لیکن وہ احادیث کو قبول کرنے میں سختی کے بجائے نرمی سے کام لیتے ہیں اور روایت کو ضعیف قرار دینے کے معاملے میں ان کا دل بہت نرم ہے۔''

Marfat.com

کرتے ہیں اور کبھی تحسین۔ (زاد المعاد ۱/۳/۱۷۳) مولانا شمس الحق لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ترمذیؒ کی تصحیح وتحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔ (تعلیق المغنی ۱/۲۲۲) مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ محدثین امام ترمذیؒ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ (فتح الملہم ۲/۴۳۰) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کی تحسین پر کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ متساہل تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ۱/۲۰۴، ۲۲۰، ۲۲۸، ۳/۷۶ وابکار المنن ص ۲۰۱ وص ۲۳۶) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن ان کی تصحیح میں کلام ہے۔ (ابکار المنن ص ۵۴) ایک اور

مزید فرماتے ہیں: 'فلا یغتر بتحسین الترمذی فعند المحاققة غالبها ضعاف' (میزان الاعتدال ۷/۲۳۱) ''ترمذی کے کسی حدیث کو حسن قرار دینے سے دھوکا نہ کھایا جائے کیونکہ تحقیق پر ان میں سے اکثر ضعیف ثابت ہوتی ہیں۔'' علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: 'الترمذی یصحح احادیث لم یتابعه غیره علی تصحیحها بل یصحح ما یضعفه غیره او ینکره' (الفروسیہ ص ۲۴۳) یعنی امام ترمذی بہت سی ایسی احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں جن کو دوسرے محدثین نے صحیح نہیں کہا، بلکہ وہ ایسی روایات کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں جنھیں دوسرے محدثین نے ضعیف یا منکر قرار دیا ہوتا ہے۔'' [ماخوذ از 'المدخل الیٰ جامع الامام الترمذی'، الدکتور الطاہر الازہر خذیری]

بعض محدثین امام ترمذی کی تصحیح کو معیاری بھی قرار دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیر ایک روایت کی سند کو جید قرار دیتے ہوئے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ 'یصحح الترمذی بمثل هذا الاسناد کثیــــرا' (تفسیر ابن کثیر، آیت ۱۶۳، سورۂ اعراف) یعنی امام ترمذی اس جیسی سند سے نقل ہونے والی روایات کو بکثرت صحیح قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ امام ترمذی کی تحسین کو متاخرین محدثین کی رائے کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اگر تم دیکھو کہ مثال کے طور پر نووی نے کسی حدیث میں کلام کیا ہے جبکہ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے تو لازم ہے کہ ترمذی کی رائے کو اختیار کرو۔ حافظ ابن حجر کی امام ترمذی کی تحسین کو قبول نہ کرنے کی رائے اچھی نہیں ہے، کیونکہ ابن حجر کا سارا دارومدار (محدثانہ) قواعد پر ہے جبکہ ترمذی کے فیصلے کی بنیاد ذوق اور وجدان صحیح پر ہے اور یہی اصل علم ہے۔ قواعد کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں لاٹھی۔ (فیض الباری ۶/۲۱۶)

Marfat.com

جگہ لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کی تصحیح قابل تنقید ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں۔(ص۲۴۲) [۲۹]

جامع ترمذی کی شروح

جامع ترمذی کی معروف اور متداول شروح یہ ہیں:

۱۔عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ۔

۲۔قوت المغتذی علیٰ جامع الترمذی، حافظ جلال الدین السیوطیؒ۔

۳۔تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ۔

۴۔معارف السنن، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ۔*

۵۔العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔

یہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی درسی تقاریر ہیں جن کو فاضل مولانا محمد چراغ صاحب (صدر مدرس جامعہ عربیہ گوجرانوالہ) نے عربی میں جمع کیا تھا اور یہ چھپ چکی ہیں۔اگرچہ اس میں عربی عبارات کی بے شمار اغلاط ہیں اور کتابت کی غلطیاں اس کے علاوہ ہیں، لیکن بایں ہمہ یہ علم کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے۔[۳۰]

سنن ابی داؤد

محدث محمد بن مخلد کا بیان ہے کہ امام ابوداؤد ایک لاکھ احادیث کا مذاکرہ کر سکتے تھے۔(تہذیب ۱۷۲/۴) خود امام ابوداؤد کا اپنا بیان ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے میں نے اپنی یہ کتاب یعنی سنن ابی داؤد مرتب کی ہے۔ (بغدادی ۵۷/۹۔اکمال ص ۶۲۷) سنن ابی داؤد میں صرف چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔(اکمال ۶۲۷۔تذکرہ ۱۵۴/۲) [۳۱]

---

*مولانا بنوری نے اس کی چھ جلدوں میں کتاب الحج تک کی شرح لکھی ہے۔جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زاہد 'تکملہ معارف السنن' کے عنوان سے اس کی تکمیل کا کام کر رہے ہیں جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

سنن ابی داؤد میں ضعیف روایات

بلاشک صحیحین کے بعد صحت اسناد کے لحاظ سے نسائی کا اور پھر ابوداؤد کا مقام بہت بلند ہے، مگر اس کو کیا کیجیے کہ بعض کمزور اور ضعیف و منکر روایات کے علاوہ جعلی اور موضوع حدیث بھی ان میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: 'السجل کاتب النبی صلی الله علیه و سلم' (ابوداؤد،۲/ ۵۱) یعنی سجل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور منشی تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وقد صرح جماعة من الحفاظ بوضعه وان كان في سنن ابي داؤد منهم شيخنا الحافظ الكبير ابو الحجاج المزی (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۰۰)

''اگرچہ یہ سنن ابوداؤد میں ہے، لیکن حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے، جن میں ہمارے شیخ الحافظ الکبیر ابوالحجاج مزی بھی شامل ہیں، اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔''

نیز البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۷ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ یہ جعلی حدیث ہے۔ حافظ ابن القیم نے بھی اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کے حوالے سے یہی رائے نقل کی ہے۔ (تہذیب سنن ابی داؤد ۴/ ۱۸۶) [۳۲]

البتہ امام خطابی تصریح کرتے ہیں کہ موضوع، مقلوب اور مجہول ضعیف حدیث کی اقسام ہیں، 'و کتاب ابی داؤد خلی منها بریٔ من جملة وجوهها' (معالم السنن ۱/ ۱۱) اور امام ابوداؤد کی کتاب موضوع وغیرہ سے بالکل خالی ہے اور ان جملہ قسموں سے مبرا ہے۔ گویا امام خطابی کی تحقیق کی رو سے ابوداؤد میں کوئی روایت موضوع نہیں ہے۔ [۳۳]

[اضافہ از مرتب]

سنن ابی داود سے متعلق چند مزید مفید معلومات حسب ذیل ہیں:

سنن ابی داود کی فقہی اہمیت

سنن ابی داؤد کی تالیف سے امام ابوداؤد کے پیش نظر مخصوص مقصد یہ تھا کہ وہ اس میں فقہی

Marfat.com

احکام و مسائل سے متعلق ان روایات کا استقصا کر کے انھیں جمع کریں جن سے مختلف فقہی مذاہب کے ائمہ نے استدلال کیا ہے۔ ان کا اپنا بیان ہے:

انما لم اصنف فی کتاب السنن الا الاحکام ولم اصنف کتب الزهد وفضائل الاعمال وغيرها فهذه اربعة آلاف والثمانمائة كلها فى الاحكام فاما احاديث كثيرة فى الزهد والفضائل وغيرها من غير هذا لم اخرجه

''میں نے کتاب السنن میں صرف احکام سے متعلق روایات لی ہیں، جبکہ زہد اور فضائل اعمال وغیرہ سے متعلق روایات درج نہیں کیں۔ یہ چار ہزار آٹھ سو روایات ہیں جو سب کی سب احکام سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ زہد اور فضائل وغیرہ سے متعلق بھی بہت سی احادیث ہیں جو میں نے اس کتاب میں درج نہیں کیں۔''

سنن ابی داؤد فقہی احکام و مسائل کے حوالے سے پینتیس یا چھتیس ابواب اور پھر ان کے تحت بے شمار ذیلی فصول میں تقسیم ہے۔

امام غزالی کی رائے یہ تھی کہ احادیث احکام کے حوالے سے یہ کتاب ایک مجتہد کے لیے کافی ہے، بلکہ خود امام ابوداؤد نے اپنی کتاب کی جامعیت کا بہت ناز سے تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ اہل مکہ کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

ولا اعلم شيئا بعد القرآن الزم للناس ان يتعلموا من هذا الكتاب ولا يضر رجلا ان لا يكتب من بعد ما يكتب هذا الكتاب شيئا واذا نظر فيه وتدبره وتفهمه علم اذا مقداره

''میرے علم میں قرآن کے بعد اس کتاب سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں جسے سیکھنا لوگوں کے لیے لازم ہو اور اگر کوئی شخص یہ کتاب لکھ لے (یعنی اپنے پاس محفوظ کر لے) تو اسے اس کے بعد کوئی اور چیز لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وہ اس کی روایات پر غور و فکر اور تدبر کرے گا تو تب اسے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا۔''

امام خطابی کی رائے یہ ہے کہ فقہ کے پہلو سے سنن ابی داؤد کو صحیحین پر بھی فضیلت حاصل ہے۔

Marfat.com

وہ لکھتے ہیں کہ اہل خراسان کی اکثریت تو امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کی دل دادہ ہے اور ان کتابوں کو زیادہ پسند کرتی ہے جن میں شیخین کے معیار کے مطابق روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن امام ابوداؤد کی کتاب ترتیب کے اعتبار سے زیادہ اچھی اور فقہ واستنباط کے پہلو سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ (معالم السنن، ۶/۱)

امام ابوداؤد کا معیارِ قبولیت

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں حدیث قبول کرنے کا معیار یہ بیان کیا ہے کہ اس میں غریب احادیث کو لینے سے اجتناب کیا گیا ہے اور صرف وہ روایات لی گئی ہیں جو فقہا اور اہل علم کے مابین معروف ومشہور ہیں۔ مزید برآں ان کا بیان ہے کہ انھوں نے کسی متروک الحدیث راوی سے روایت نہیں لی اور اگر کہیں کوئی منکر اور شاذ روایت آئی ہے تو اس کی وضاحت کر دی ہے۔ امام ابوداؤد کا یہ بھی کہنا ہے کہ انھوں نے اس میں صرف اعلیٰ درجے کی صحیح روایات پر انحصار نہیں کیا بلکہ صحیح سے مشابہت رکھنے والی اور اس کے قریب قریب روایات کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے، البتہ جہاں کسی روایت میں شدید ضعیف پایا جاتا ہے، اسے واضح کر دیا ہے اور اگر کسی روایت کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ 'صالح' ہے۔

محدثین کے ہاں اس حوالے سے بحث پائی جاتی ہے کہ کسی روایت پر امام ابوداؤد کے کوئی تبصرہ نہ کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے اور ایسی روایات کا درجہ کیا ہے؟ امام ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ امام ابوداؤد جس روایت پر بھی سکوت اختیار کریں، وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، بالخصوص اس صورت میں جب وہ اس باب میں اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری روایت درج نہ کریں۔ ابن الصلاح کی رائے میں ایسی روایت کا درجہ حسن کا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد جس روایت کا ضعف بیان نہ کریں، وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ (الاذکار، ص ۲۲)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب 'النکت علی ابن الصلاح' میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ امام ابوداؤد کے 'صالح' کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ اپنی کتاب کی مسکوت عنہ روایات کو اصلاً قابل

Marfat.com

احتجاج قرار دینا چاہتے ہیں یا استشہاد اور متابعت کے درجے میں اس کو 'صالح' تسلیم کر رہے ہیں؟ ابن حجر نے اپنی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ ان کی کتاب میں درج مسکوت عنہ روایات کو مطلقاً قابل استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ ان میں سے کچھ روایات تو صحیحین میں موجود یا ان کے معیار صحت کے مطابق ہیں، کچھ حسن لذاتہ کے درجے کی ہیں، کچھ حسن لغیرہ ہیں اور کچھ ضعیف بھی ہیں، البتہ ان ضعیف روایات میں کوئی ایسا راوی نہیں پایا جاتا جس کی روایت کو نہ لینے پر محدثین کا اجماع پایا جاتا ہو۔ (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۳۵)

سنن ابی داؤد کی شروح

سنن ابی داؤد کی معروف اور متداول شروح میں سے پانچ بطور خاص قابل ذکر ہیں:

۱۔ معالم السنن، یہ امام خطابی کی تصنیف ہے اور سنن ابی داؤد کی سب سے قدیم اور معروف شرح ہے، تاہم اس میں ہر ہر حدیث کی شرح کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ زیادہ تر ایک موضوع سے متعلق متعدد روایات میں سے کسی ایک کی شرح کر دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔

۲۔ تہذیب سنن ابی داؤد، یہ امام ابن القیم کی تصنیف ہے جس میں امام منذریؒ کے تیار کردہ سنن ابی داؤد کے 'مختصر' کی شرح کی گئی ہے۔

۳۔ عون المعبود، یہ برصغیر کے معروف عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی تصنیف ہے اور میں شرح وبسط کے ساتھ ہر پہلو سے متن حدیث اور متعلقہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

۴۔ بذل المجہود، یہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تصنیف ہے اور 'تغلیق التعلیق علیٰ سنن ابی داؤد' کے مصنف الدکتور علی بن ابراہیم بن سعود نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: 'وھو من اعظم الشروح واکثرھا فائدۃ واستیعابا، من قراہ حکم لمصنفه بالعلم والدرایة فی الحدیث والفقه'۔ ''یہ تمام شروح میں سب سے بڑی اور فوائد اور (مباحث کے) احاطہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ مفید ہے۔ جو شخص بھی اس کا مطالعہ کرے گا، اسے حدیث اور فقہ میں مصنف کے علم وفہم اور درک کا اعتراف کرنا پڑے گا۔''

Marfat.com

۵۔المنهل العذب المورود ، یہ علمائے از ہر میں سے الشیخ محمود محمد خطاب السبکی کی تالیف ہے جس میں عمدہ ترتیب سے راویوں، حدیث کے متن، فوائد و احکام اور فقہا کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، تاہم یہ نامکمل ہے اور دس جلدوں میں صرف کتاب الحج تک کے ابواب کی شرح شائع ہوئی ہے۔ اس کے بعد باقی ابواب کی شرح کے تکمیل مصنف کے فرزند امین محمود خطاب نے کی ہے جو 'فتح الملك المعبود' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔[۳۴]

سنن ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ محدثین عظام کی ایک خاصی جماعت کے نزدیک صحاح ستہ میں شامل ہے* مگر امام ابن الجوزیؒ کے خیال میں اس میں تقریباً چونتیس عدد روایتیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ 'وفی الجملة ففیه احادیث کثیرة منکرة' (تہذیب التہذیب ۵۳۱/۹) الحاصل اس میں بہت سی حدیثیں منکر ہیں۔ اور حافظ ابوالحجاج المزی الشافعی نے تو اس سے بھی زیادہ وزنی بات کہہ ڈالی ہے کہ:

کل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعيف يعنى بذالك ما انفرد به من الحديث عن الائمة الخمسة۔ (تہذیب التہذیب، ۵۳۱/۹)

''جو حدیث امام ابن ماجہ نے باقی پانچ ائمہ سے منفرد ہو کر روایت کی ہے، وہ ضعیف ہے۔''

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ

فانه تفرد باخراج احاديث عن رجال متهمين بالكذب و سرقة الاحاديث۔ (زہر الربیٰ علی المجتبیٰ ص ۸)

''وہ جھوٹ اور حدیث میں چوری کرنے سے متہم راویوں سے احادیث روایت کرنے میں

*ابن ماجہ کو 'صحاح' میں شمار کرنے کے حوالے سے محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابن الصلاح، امام نووی اور بیشتر محققین اسے امہات کتب حدیث میں شمار نہیں کرتے، لیکن بعض محدثین مثلاً حافظ ابوالفضل المقدسی اور حافظ عبدالغنی المقدسی نے اس کے فوائد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے صحاح خمسہ کے ساتھ ایک چھٹے ماخذ کے طور پر شمار کیا ہے۔ (الرسالۃ المستطرفہ ۱۳/۱)

Marfat.com

متفرد ہیں۔

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

وله حديث في فضل قزوين منكر بل موضوع ولهذا طعنوا فيه وفي كتابه (الحطہ،ص۱۱۰)

''انھوں نے فضائل قزوین کے بارے میں ایک منکر بلکہ جعلی اور موضوع حدیث بھی روایت کی ہے اور اس وجہ سے محدثین نے ان میں اور ان کی کتاب میں طعن کیا ہے۔'' [۳۵]

موطا امام مالکؒ

(صحاح ستہ کی پانچ کتابیں یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی تو محدثین کے مابین متفق علیہ ہیں، لیکن چھٹی کتاب کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ علامہ خطیب بغدادی، حافظ ابوبکر ابن العربی اور علمائے مغرب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے۔ محدث رزین بن معاویہ العبدری، امام ابن اثیر اور حافظ ابوجعفر الغرناطی وغیرہ تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے۔ جبکہ امام ابوالفضل بن طاہر المقدسی، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر اور محدث عبدالغنی المقدسی کی رائے یہ ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے۔[۳۶]

شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳۳ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب موطا مالک ہے اور علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ اس میں مروی تمام احادیث امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق صحیح ہیں، جبکہ ان سے اختلاف کرنے والوں کے نزدیک اس میں کوئی مرسل یا منقطع روایت ایسی نہیں جو کسی دوسرے طریق سے متصل مروی نہ ہو۔ پس اس لحاظ سے وہ بھی یقینی طور پر صحیح ہیں۔[۳۷]

[اضافہ از مرتب]

امام مالک سے روایت کیے جانے والے 'موطا' کے مختلف نسخے اہل علم میں متداول رہے

Marfat.com

ہیں۔ان میں سب سے مشہور یحییٰ بن کثیر اللیثی الاندلسی کا نسخہ ہے۔اس کے علاوہ عبداللہ بن مسلمہ القعنبی اور ابو مصعب احمد بن ابی بکر القرشی کے نسخے بھی مروی ہیں جن میں یحییٰ الاندلسی کے نسخے کے مقابلے میں بہت سی زائد روایتیں بھی شامل ہیں۔امام محمد بن الحسن الشیبانی کے مرتب کردہ 'موطا' کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ وہ موطا مالک ہی کی ایک روایت ہے یا کوئی مستقل تصنیف ہے، کیونکہ اس میں امام مالک سے مروی روایات کے علاوہ بہت سے دوسرے شیوخ سے نقل کردہ مرویات بھی ہیں اور بہت سی ایسی روایات جو دوسرے نسخوں میں پائی جاتی ہیں، اس میں موجود نہیں۔ کتانی وغیرہ نے اسے موطا مالک ہی کی ایک روایت قرار دیا ہے (الرسالۃ المستطرفۃ ۱۳/۱) جبکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ کتاب ایک مستقل تصنیف ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ التعلیق الممجد از مولانا عبدالحی لکھنویؒ)

موطا کی مراسیل

موطا امام مالک کی تمام مرسل اور منقطع روایات، چار کے علاوہ، دوسرے طرق سے سب مسند اور صحیح ہیں۔امام سیوطیؒ تدریب الراوی ج ا ص ۲۴۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابن عبدالبرؒ نے موطا میں مروی مرسل، منقطع اور معضل روایات کا اتصال ثابت کرنے کے لیے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور کہا ہے کہ موطا میں امام مالک نے 'بلغنی' اور 'من الثقۃ' کے الفاظ سے، سند کے بغیر کل اکسٹھ روایات نقل کی ہیں۔ان میں سے تمام متون امام مالک کے علاوہ دوسرے طریق سے مسند ہیں، سوائے چار کے جن کی سند کا پتہ نہیں چل سکا:

ایک یہ قول کہ: 'انی لا انسی ولکن انسی لاسن'۔

دوسرا: 'ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اری اعمار الناس قبلہ او ما شاء اللہ تعالیٰ من ذلک فکانہ تقاصر اعمار امتہ'۔

تیسرا معاذ کا یہ قول کہ: 'آخر ما اوصانی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد وضعت رجلی فی الغرز ان قال: حسن خلقك للناس'۔

اور چوتھا: 'اذا انشات بحریۃ ثم تشاء مت فتلك عین غدیقۃ'۔

Marfat.com

مرقاۃ ۱۸/۱ میں ہے کہ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ موطا میں جو مراسیل ہیں، وہ امام مالک اور مرسل کی حجیت کے بارے میں ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والے ائمہ کے نزدیک تو حجت ہیں ہی، ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں جب ان کا کسی دوسری دلیل سے اعتضاد ہو جائے، اور موطا کی ہر روایت کا ایک یا ایک سے زیادہ عاضد موجود ہے، پس صحیح بات یہ ہے کہ موطا کی تمام مرسل اور منقطع روایات بلا استثنا صحیح ہیں، (اس سے ضعیف راویوں کی روایات اور وہ روایات خارج ہیں جن میں وہم واقع ہوا ہے)۔ الرسالۃ المستطرفۃ ۴/۱ میں ہے کہ امام ابن الصلاح نے اپنی ایک تصنیف میں ان چار روایات کا اتصال بھی ثابت کیا ہے جن کے بارے میں ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ان کا اتصال معلوم نہیں ہو سکا۔

حافظ ابن کثیر ایک روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے مرسلات کو نقل کرنے کے بارے میں امام مالک کے منہج کو یوں واضح کرتے ہیں:

'الظاهر ان الامام مالكا انما اسقط ذكر نعيم بن ربيعة عمدا لما جهل حال نعيم ولم يعرفه فانه غير معروف الا فى هذا الحديث ولذلك يسقط ذكر جماعة ممن لا يرتضيهم ولهذا يرسل كثيرا من المرفوعات ويقطع كثيرا من الموصولات'

(تفسیر ابن کثیر، سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲)

''ظاہر یہی ہے کہ امام مالک نے یہاں نعیم بن ربیعہ کا نام اس لیے سند سے حذف کر دیا ہے کہ انھیں نعیم کا حال معلوم نہیں تھا، کیونکہ وہ غیر معروف ہے اور صرف اس سند میں اس کا ذکر آیا ہے۔ امام مالک اسی لیے بہت سے ایسے راویوں کا نام حذف کر دیتے ہیں جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سی مرفوع روایات کو مرسلاً بیان کرتے ہیں اور بہت سی متصل روایتوں کی سند کو مقطوع کر کے نقل کرتے ہیں۔''

مسند احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبل جو اہل السنّت والجماعت کے چار اماموں میں سے ہیں اور فقہ اور حدیث کے

Marfat.com

مانے ہوئے بلند پایہ اور عظیم القدر امام تھے، ان کے بارے میں ابوزرعہ رازی، خطیب تبریزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر سب متفق ہیں کہ انھیں دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ (البغدادی ۴۱۹/۴۔ اکمال ص ۶۲۶۔ تذکرہ ۱۷/۲۔ تہذیب ۷۴/۱)

امام احمد نے سات لاکھ اور ستر ہزار احادیث سے چھانٹ کر حدیث کا بہترین ذخیرہ تیار کیا ہے جو مسند احمد کے نام سے مشہور اور متداول ہے۔ (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۸۶۔ نواب صدیق حسن خان۔ تدریب الراوی، ص ۱۲) مسند احمد کی کل احادیث حسب تحقیق علامہ ذہبی تیس ہزار ہیں۔ (تذکرہ ۲/ ۲۱۳) اور مشہور مورخ علامہ ابن خلدون اور علامہ امیر شکیب ارسلان کی تحقیق کی رو سے پچاس ہزار ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۴۔ حاضر العالم الاسلامی ۱/ ۵۰) دونوں بزرگوں کے اقوال اور تحقیق میں کوئی تضاد نہیں اس لیے کہ مسند احمد کی غیر مکرر احادیث تیس ہزار ہیں (الکتانی ۲/ ۲۰۷) اور کل احادیث کی تعداد پچاس ہزار ہے۔ علامہ ذہبی نے غیر مکرر کی تعداد بیان کی ہے اور علامہ ابن خلدون وغیرہ نے مکرر اور غیر مکرر سب کا احصا و شمار کر دیا ہے۔

مسند احمد میں نو سو ستاسی حضرات صحابہ کرام کے مسانید ہیں اور ان میں تین سو کے قریب وہ حضرات صحابہ کرام ہیں جن کی حدیثیں صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۳۵۶/۵) [۳۸]

مسند احمد بن حنبل میں بتصریح حافظ عراقی الشافعیؒ نو حدیثیں موضوع ہیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے اس کی پندرہ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ مسند احمد میں 'لا اصل لہ' قسم کی صرف تین یا چار روایات موجود ہیں۔ (محصلہ الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۸۶) [۳۹]

[اضافہ از مرتب]

امام ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ موضوع حدیث سے مراد اگر روایت ہے جسے کسی کذاب راوی نے وضع کیا ہو تو مسند احمد میں ایسی کوئی حدیث موجود نہیں، کیونکہ رواۃ کے معاملے میں امام احمد کی شرط امام ابوداؤد کی شرط سے بھی زیادہ کڑی ہے اور امام احمد مسند میں کسی کذاب راوی سے روایت نہیں لیتے۔ البتہ اگر موضوع سے مراد ایسی روایت ہے جس کا ثبوت تو متحقق نہیں ہوا لیکن اس کی بھی

Marfat.com

کوئی دلیل نہیں کہ اس کے راوی نے اسے گھڑ لیا ہے تو ایسی روایات مسند احمد بلکہ ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہیں، بلکہ بخاری اور مسلم کی بعض روایات میں بھی کچھ الفاظ اس قبیل کے موجود ہیں۔ (المصعد الاحمد،۲۵،۲۶ بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۱۱)

مسند کے بارے میں امام احمد کا اپنا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بیان میں بطور امام اور راہنما کے لکھی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث کے بارے میں اختلاف ہو، اگر وہ اس کتاب میں مل جائے تو درست ورنہ وہ حجت نہیں۔ (ابوموسیٰ مدینی، خصائص المسند ص ۸،۹۔ ابن الجوزی، مناقب احمد ص ۱۹۱،۱۹۲۔ بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۰۸،۲۰۹) تاہم علمائے حدیث نے امام احمد کے اس بیان کو اس کے ظاہری اطلاق کے ساتھ قبول نہیں کیا اور اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ مثلاً ایک رائے یہ ہے کہ یہ بات عمومی اعتبار سے درست ہے نہ کہ کلی اعتبار سے، کیونکہ ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جو مسند احمد میں درج نہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ امام احمد کی یہ بات اس لحاظ سے درست ہے کہ مسند احمد میں کوئی حدیث بعینہ موجود ہو یا نہ ہو، لیکن ہر حدیث کی اصل ضرور موجود ہے، جبکہ ایک اور رائے یہ ہے کہ یہ بات شہرت اور تواتر کے درجے کو نہ پہنچنے والی احادیث کے بارے میں درست ہے، کیونکہ بہت سی مشہور احادیث ایسی بھی ہیں جو مسند احمد میں موجود نہیں۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۰۹)

مستدرک حاکمؒ

مستدرک وہ کتاب ہوتی ہے جس کو محدث نے اس نظریہ سے لکھا ہو کہ یہ احادیث فلاں محدث کی شرط پر ہیں، پھر اس نے ان کی تخریج کیوں نہیں کی؟ اس سلسلے میں امام حاکم کی المستدرک علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور اور رائج ہے۔

'علیٰ شرطھما' کی تفسیر

'علیٰ شرطھما' کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام نوویؒ، ابن دقیق العید تقی الدین محمد بن قیشری منفلوطی (المتوفی ۷۰۲ھ)، علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الشافعیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ)

Marfat.com

اور حافظ ابن حجرؒ عسقلانی فرماتے ہیں کہ 'علیٰ شرطھما' وہ روایت ہوتی ہے جس کے راوی بخاری اور مسلم کے ہوں۔ (بحوالہ حاشیہ نخبۃ الفکر ص ۳۱، تدریب الراوی ص ۶۷) حافظ عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ یا ۶۴۶ھ) کی بھی یہی رائے ہے۔ (تدریب الراوی ص ۶۷)

حافظ ابن طاہر المقدسی (المتوفی ۵۰۷ھ) اپنی کتاب شروط الائمۃ میں لکھتے ہیں کہ 'علیٰ شرط البخاری'، 'علیٰ شرط مسلم' اور 'علیٰ شرطھما' سے مراد یہ ہے کہ بعینہ وہ راوی بخاری اور مسلم کے نہ ہوں بلکہ ضبط و عدالت اور ثقاہت میں ان کی مثل ہوں۔ (بحوالہ حاشیہ نخبۃ الفکر ص ۱۳) یہی رائے حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم العراقی (المتوفی ۸۲۶ھ) کی بھی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۶۸) عراقی اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ امام حاکمؒ نے مستدرک ۱/۳ میں لکھا ہے: 'وانا استعین باللہ علی اخراج احادیث رواتھا ثقات احتج بمثلھا الشیخان او احدھما'۔ تدریب الراوی ص ۶۷ میں ہے: 'فقولہ بمثلھا ای بمثل رواتھا لا بھم انفسھم'، لیکن حافظ ابن حجرؒ جواب دیتے ہیں کہ امام حاکم نے مستدرک میں دو طرح کی روایتیں پیش کی ہیں:

اول: بخاری اور مسلم دونوں یا کسی ایک کی شرط پر راوی ہوں جو بخاری اور مسلم میں آچکے ہوں۔ ایسی روایات میں وہ 'علیٰ شرط البخاری' یا 'علیٰ شرط مسلم' یا 'علیٰ شرطھما' کہتے ہیں۔

ثانی: وہ جن میں صرف 'صحیح' کہتے ہیں، بخاری اور مسلم کی شرط کا حوالہ نہیں دیتے۔ ایسی روایات کے لیے انہوں نے لفظ 'بمثلھا' بولا ہے۔ (تدریب الراوی مع تفسیر ص ۶۸) [۴۰]

امام حاکم کی تصحیح کا حکم

امام حاکمؒ چونکہ تصحیح احادیث میں متساہل ہیں (تدریب الراوی، ص ۵۱) اس لیے انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی علیٰ شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ ان کے اس تساہل کی وجہ سے تو امام ابو سعید مالینی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مستدرک حاکم میں ایک

Marfat.com

حدیث بھی صحیح نہیں، لیکن علامہ سیوطی نے تدریب الراوی، ص ۵۲ میں حافظ محمد بن احمد بن عثمان شمس الدین ابوعبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) جو حاکمؒ کے سب سے بڑے نقاد ہیں، کا قول نقل کیا ہے کہ مستدرک حاکم کی تقریباً نصف احادیث تو بے شک بخاری یا مسلم کی شرائط پر ہیں اور ایک ربع انتہائی ضعیف، منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ اس پر علامہ ذہبیؒ نے تلخیص لکھی ہے۔ علامہ ذہبی کی تصدیق پر امام حاکم کی تصحیح معتبر ہے۔[۴۱]

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ مستدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں۔ (تذکرہ ۳/۳۲۱) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم ساقط الاعتبار حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۳/۸۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام حاکمؒ موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں۔* (کتاب التوسل ص ۱۰۱) علامہ ابن دحیہؒ کہتے ہیں کہ امام حاکم کثیر الغلط تھے۔ ان کے قول سے گریز کرنا چاہیے۔ (مقدمہ زیلعی ص ۱۱) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "تصحیح حاکم پیش علماء حدیث بدون شہادت دیگر ائمہ فن لیس بشئ است۔" (دلیل الطالب ص ۶۱۸) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے۔ (ابکار المنن ص ۶۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم کا تساہل علماء فن کے نزدیک معروف و مشہور ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۶) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اسی طرح امام حاکمؒ کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے۔ (ص ۲۴۳) [۴۲]

امام حاکم کا کسی روایت یا راوی کو صحیح کہہ دینا حضرات محدثین کرام کے نزدیک ہمیشہ قابل تنقید رہا ہے۔ علامہ ذہبی تلخیص المستدرک ۲/۶۱۷ میں ایک روایت کی تحقیق کرتے ہوئے، جس میں ذکر ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، فرماتے ہیں کہ امام حاکم اس کو صحیح کہتے ہیں جبکہ میں کہتا ہوں کہ

بل موضوع قبح الله من وضعه وما كنت احسب ان الجهل يبلغ بالحاكم الى ان يصحح مثل هذا واسناده هكذا۔

"یہ موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے جس نے اس کو وضع کیا ہے۔ میرا یہ خیال نہ تھا

Marfat.com

کہ امام حاکم کا جہل اس درجے کو پہنچ جائے گا کہ وہ اس روایت کو بھی صحیح کہہ دیں گے حالانکہ اس کی سند کی پوزیشن یہ ہے۔''

ابکار المنن ص ۵۴ میں ہے کہ 'فی تصحیح الحاکم نظر' یعنی حاکم کا اس روایت کو صحیح قرار دینا محل نظر ہے۔

میزان الاعتدال ۸۵/۳ میں ہے:

الحاکم یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطة ویکثر ذلک ثم ھو شیعی مشھور من غیر تعرض للشیخین وقال ابن طاھر سالت ابا اسماعیل الانصاری عن الحاکم فقال: امام فی الحدیث رافضی خبیث، قال الذھبی: اللہ یحب الانصاف، ما الرجل برافضی بل شیعی فقط۔

''امام حاکم مستدرک میں بہت گری ہوئی احادیث کو بکثرت صحیح کہہ جاتے ہیں۔ اور وہ مشہور شیعہ ہیں، البتہ ابوبکر اور عمر کو کچھ نہیں کہتے۔ امام ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے میں ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ حدیث میں امام ہیں لیکن خبیث رافضی ہیں۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ حاکم شیعہ تو ہیں لیکن رافضی نہیں۔''

کتاب التوسل لابن تیمیہ ص ۱۰۱ اور تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام حاکم میں ہے:

وقالوا ان الحاکم یصحح احادیث وھی موضوعة مکذوبة عند اھل المعرفة بالحدیث وکذلک احادیث کثیرة فی مستدرکہ یصححھا وھی عند ائمة اھل العلم بالحدیث موضوعة۔

''حضرات محدثین کرام نے کہا کہ امام حاکم ایسی احادیث کو بھی صحیح کہہ جاتے ہیں جو جھوٹی اور موضوع ہوتی ہیں اور مستدرک میں وہ بہت سی احادیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں، حالانکہ محدثین کے نزدیک وہ موضوع ہیں۔'' *

---

*امام ابن تیمیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

میزان الاعتدال ۴۵/۳ میں ایک راوی محمد بن جعفر سے ایک روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ساڑھے سات سو سال تک دنیا پر حکمران رہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

اخرجه الحاكم في مستدركه فشان الكتاب به و بامثاله۔

''امام حاکم نے اس کو اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور اپنی کتاب کو اس اور اس جیسی دوسری روایات سے عیب ناک کر دیا ہے۔''

مقدمہ زیلعی ص ۱۱ میں ابن دحیہ کی 'العلم المشہور' سے نقل کیا گیا ہے:

ويجب على اهل الحديث ان يتحفظوا من قول الحاكم ابي عبد الله فانه كثير الغلط ظاهر السقط۔

''علمائے حدیث پر واجب ہے کہ امام حاکم کی بات سے بچا کریں، کیونکہ وہ کثرت سے غلطی کرتے ہیں اور کھلے طور پر گری ہوئی روایات پیش کرتے ہیں۔'' [۴۳]

تساہل کی چند مثالیں

٥ امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

ان اهل العلم متفقون على ان الحاكم فيه من التساهل و التسامح في باب التصحيح حتى ان تصحيحه دون تصحيح الترمذي و الدارقطني وامثالهما بلا نزاع فكيف بتصحيح البخاري ومسلم؟ ....وتحسين الترمذي احيانا يكون مثل تصحيحه او ارجح و كثيرا ما يصحح الحاكم احاديث يجزم بانها موضوعة لا اصل لها (الفتاویٰ الکبریٰ ۹۷/۱)

''اہل علم اس پر متفق ہیں کہ روایات کی تصحیح کے معاملے میں حاکم کے ہاں تساہل اور تسامح پایا جاتا ہے، چنانچہ ان کی تصحیح کا درجہ کسی اختلاف کے بغیر ترمذی اور دارقطنی کی تصحیح سے بھی کم ہے، چہ جائیکہ امام بخاری اور مسلم کی تصحیح کے برابر ہو۔ امام ترمذی کی تحسین بعض اوقات امام حاکم کی تصحیح کے ہم پلہ بلکہ اس سے بھی وزنی ہوتی ہے، جبکہ حاکم اکثر ایسی حدیثوں کو صحیح قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ من گھڑت ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں۔''

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کی امت میں سے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں، ان کو بھی حکم دیں کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ سو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت کو اور نہ دوزخ کو۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلتا تھا۔ میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ تھم گیا۔ (مستدرک ۶۱۷/۲)

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے لیکن ناقد فن رجال علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ 'قلت اظنه موضوعا علی سعید' (تلخیص المستدرک ۶۱۵/۲) ''میں اس کو سعید کے نام پر جعلی اور بنائی ہوئی تصور کرتا ہوں۔''

○ امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر کے طریق سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا کہ 'لو لا محمد ما خلقتك' (مستدرک ۶۱۵/۲) امام حاکم اس کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے، لیکن علامہ ذہبیؒ جزم اور یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ 'قلت بل موضوع' (تلخیص المستدرک ۶۱۵/۲) ''میں کہتا ہوں بلکہ یہ جعلی ہے۔'' [۴۴]

○ مستدرک ۶۱۶/۲ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ چرا رہے تھے تو آپ پر بادل سایہ کیے ہوئے تھا۔ (وعلیه غمامة تظله) امام حاکم اس حدیث کو علیٰ شرط الشیخین صحیح کہتے ہیں لیکن نقاد فن حدیث علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ 'قلت اظنه موضوعا فبعضه باطل' (تلخیص المستدرک ۲۱۵/۲) ''میں کہتا ہوں کہ میں اس کو موضوع خیال کرتا ہوں اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے۔'' [۴۵]

مصنف عبد الرزاق

امام عبد الرزاق شیعہ تھے، گو غالی نہ تھے۔ مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہیں، ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳۳۱/۱) اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انھوں نے بعض ایسی

Marfat.com

روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا، چنانچہ ملک المظفر ابوبکر بن ایوب الحنفی لکھتے ہیں:

قال ابن عدی: حدث عبد الرزاق باحادیث فی الفضائل لم یوافقه احد علیها (السہم المصیب ص ۱۳۰)

''محدث ابن عدی کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی۔''

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق بن ہمام مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ انھوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (مقدمہ ص ۳۲۰)

اس پر مستزاد یہ کہ علامہ محمد طاہر الحنفی لکھتے ہیں کہ عبدالرزاق بن ہمام آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے بھانجے احمد بن عبداللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں جس کی وجہ سے وہ کاذب مشہور ہو گئے تھے۔ (قانون الموضوعات ص ۲۶۹) یعنی خارجی طور پر ان کے بھانجے کی کارستانی اور نالائقی کی وجہ سے یہ نظریہ بعض لوگوں نے ان کے بارے میں قائم کر لیا تھا، ورنہ ذاتی طور پر وہ ثقہ اور ثبت تھے۔

مصنف عبدالرزاق کا شمار کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں ہوتا ہے جس کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہائے کرام کے نزدیک عمل نہیں ہوا بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔ (عجالہ نافعہ ص ۷) یعنی اس طبقہ کی سبھی روایات بے بنیاد نہیں، البتہ اکثر ایسی روایات ایسی ہی ہیں، خصوصاً وہ جو قرآن کے خلاف ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مصنف عبدالرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا کم اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے۔ اس تردد کو قوت اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح

Marfat.com

احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے قلم تقدیر کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ: اول ما خلق الله القلم۔“ (سیرت النبی ۳/۷۷۶) [۴۶]

○ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں جمہور صحابہ کرام کے دو یا تین قول ہوں، ان سب پر اہل علم کے کسی نہ کسی طائفہ نے عمل کیا ہے۔’و آیة ذلك ان تظهر فی مثل الموطا و جامع عبد الرزاق روایاتهم‘ ((حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۷ طبع مصر) اور اس کی علامت یہ ہے کہ ان کی روایتیں، موطا اور جامع عبدالرزاق میں بیان ہوئی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اقوال صحابہ کرام جو موطا اور جامع عبدالرزاق میں ہوں، وہ مستند اور قابل اعتبار ہیں۔ [۴۷]

صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابن خزیمہ

○ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ...... کنز العمال ۱/۳ میں لکھا ہے کہ صحیح ابوعوانہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ (اعلاء السنن ۴/۴۹) تدریب الراوی ص ۵۵ میں ابوعوانہ کو صحیح کتابوں میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے ابوعوانہ کو الصحیح المسند کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۲) مبارک پوری صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے، چنانچہ وہ ایک سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ ”اور حافظ ابوعوانہ کی سند کا بھی صحیح ہونا ظاہر ہے کیونکہ انھوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔“ (تحقیق الکلام ۲/۱۱۸) [۴۸]

○ مولانا عبداللہ روپڑیؒ لکھتے ہیں کہ ”اور جن محدثین نے اپنی کتب میں صحت کی شرط لگائی ہے، ان کی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا صحت کے لیے کافی ہے جیسے کتاب ابن خزیمہ۔ اور ایسے ہی کسی حدیث کا ان کتابوں میں ہونا جو بخاری، مسلم پر بطور تخریج لکھی گئی ہیں، صحت کے لیے کافی ہے، جیسے کتاب ابی عوانہ لِلاسفرائینی اور کتاب ابی بکر اسماعیلی اور کتاب ابی بکر برقانی وغیرہ۔ یہ محدثین بخاری، مسلم کی احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کرتے ہیں جن میں بخاری، مسلم کا واسطہ نہیں ہوتا اور ان کا مقصد بخاری، مسلم کی احادیث میں کمی بیشی کو بیان کرنا ہے۔ مثلاً بخاری، مسلم کی حدیث میں کوئی محذوف ہے، اس کو پورا کر دیا یا کوئی زیادتی بخاری مسلم سے رہ گئی جس سے مطلب

Marfat.com

حدیث کی وضاحت ہوتی ہو تو اس کو ذکر کر دیا۔" (رسالہ رفع الیدین و آمین ص ۱۲۳) [۴۹]

مشکوٰۃ المصابیح

مشکوٰۃ کا اصل ماخذ مصابیح ہے جو محدث کبیر امام فراء بغوی صاحب 'معالم التنزیل' و 'شرح السنۃ' کی تصنیف ہے۔ چونکہ انھوں نے احادیث کی تخریج نہیں فرمائی، اس لیے صاحب مشکوٰۃ نے تمام احادیث کی، الا ماشاء اللہ، تخریج کر دی ہے اور ساتھ ہی فصل ثالث بڑھا دیا ہے۔

مشکوٰۃ کی کل احادیث ۵۹۴۵ ہیں اور اس کی معتبر شروح میں سے محققانہ شرح علامہ طیبی کی ہے، جبکہ اس وقت ملا علی القاری کی شرح 'مرقاۃ' اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی عربی شرح 'لمعات التنقیح' اور فارسی شرح 'اشعۃ اللمعات' موجود ہیں۔ مصابیح کی ایک شرح علامہ فضل اللہ تورپشتی حنفی نے لکھی ہے ور دوسری شرح علامہ ابن مالک عبد اللطیف بن عبد العزیز بن فرشتہ حنفی نے لکھی ہے۔ [۵۰]

مشکوٰۃ میں چند اوہام

○ مشکوٰۃ ۲/ ۵۴۴ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک میت کو دفن کیا اور اس سے فارغ ہوئے تو 'استقبلہ داعی امراتہ'، میت کی بیوی کا ایک قاصد آپ کو کھانے کی دعوت دینے آیا۔ لیکن یہاں 'امراتہ' کا نسخہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم یا کسی کاتب کی غلطی ہے۔ اصل الفاظ داعی امراۃ ہیں کہ کسی عورت کے قاصد نے آپ کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ یہی روایت ابوداؤد ۲/ ۱۱۷، مشکل الآثار ۲/ ۱۳۲، المعتصر ص ۱۶۹، شرح معانی الآثار ۲/ ۳۲۰، دارقطنی ۲/ ۵۴۵، مسند احمد ۵/ ۲۹۳، السنن الکبریٰ ۶/ ۹۷، عقود الجواہر المنیفہ ۲/ ۶۲، الخصائص الکبریٰ ۲/ ۱۰۳، مستدرک حاکم ۴/ ۲۳۴، المحلی لابن حزم ۷/ ۴۱۵، عون المعبود ۳/ ۲۴۹ اور بذل المجہود ۴/ ۲۳۹ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے اور ان تمام میں 'امراۃ' کے الفاظ ہیں اور یہی صحیح ہے۔ [۵۱]

○ صاحب مشکوٰۃ نے ۱/ ۷۷ میں حضرت ابن مسعود کی روایت کے بعد جو یہ نقل کیا ہے کہ 'قال ابو داود لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی' تو یہ ان کا نرا وہم ہے کیونکہ حضرت

Marfat.com

ابن مسعود کی یہ روایت ابوداؤد ۱/۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ یہ الفاظ حضرت براء بن عازب کی روایت سے متعلق ہیں جو ابوداؤد ۱/۱۱۰ میں ہے۔ عون المعبود کے نسخے میں ابن مسعود کی حدیث کے ذکر کے بعد لکھا ہے: 'قال ابو داود هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح علىٰ هذا اللفظ' (۱/۱۰۹) صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ یہ عبارت میرے پاس موجود دو قدیم نسخوں میں لکھی ہے، لیکن ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ جب عام اور متداول نسخوں میں یہ عبارت نہیں تو شاذ اور غیر مطبوعہ نسخوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔[۵۲]

○ علامہ عثمانی نے مشکوٰۃ ہی کے حوالے سے مسلم کا ذکر کیا ہے اور فتح الملہم ۲/۱۷۶ میں جب مسلم کی اس حدیث کو نقل کر کے اس کی تشریح کی ہے تو اس میں 'بصوته الاعلىٰ' کا جملہ مذکور نہیں اور شرح میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ علامہ طحطاوی وغیرہ نے ضرور مسلم کا نام لیا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے بھی مشکوٰۃ وغیرہ پر ہی اعتماد کیا ہے، مسلم کی طرف رجوع نہیں کیا۔ یہ روایت مسند احمد ۵/۴، ابوداؤد ۱/۲۱۱ اور نسائی ۱/۱۵۰ میں بھی ہے مگر 'بصوته الاعلىٰ' کے الفاظ ان میں بھی موجود نہیں۔ اسی طرح امام بیہقی نے السنن الکبریٰ ۲/۱۸۵ میں، علامہ ابن الجارود نے المنتقیٰ ۱/۳۱۶ میں، امام ابن قدامہ نے المغنی ۱/۵۵۹ میں اور امام نووی نے ریاض الصالحین ص ۵۶۰ میں مسلم وغیرہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے مگر کسی نے 'بصوته الاعلىٰ' کے الفاظ نقل نہیں کیے۔[۵۳]

○ مشکوٰۃ میں 'لما خلق الله العقل' کی حدیث درج ہے جس کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ صرف یہ ہلکے سے الفاظ استعمال کرتے ہیں: 'وقد تكلم فيه بعض العلماء' (۲/۴۳۰) کہ اس میں بعض علما نے کلام کیا ہے۔ حالانکہ علامہ سخاوی الشافعی، حافظ ابن تیمیہ اور محدث زرکشی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ اتفاقاً جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔ (موضوعات کبیر ص ۲۹، ۶۷) اور یہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بغیر کسی نکیر کے، بلکہ مقام استدلال میں پیش کی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳) [۵۴]

Marfat.com

حدیث کے غیر مستند مآ خذ

کسی مصنف کا فی نفسہ باعظمت ہونا اور بات ہے اور اس کی کتاب میں درج شدہ روایات اور اقوال کی صحت کا اور مقام ہے۔ جب تک کوئی مصنف اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہ کرے اور قاعدہ کے مطابق صحیح روایات اور اقوال کی صحت کو ملحوظ نہ رکھے تو محض اس کی عظمت سے روایات صحیح نہیں ہو سکتی ہیں۔ کیا امام نسائی اور امام ابو داؤد کی عظمت اپنی جگہ ثابت نہیں؟ مگر سجل والی روایت ان کی کتابوں میں بھی جعلی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۲۰۰) اور کیا امام احمد بن حنبل کا درجہ کسی پر مخفی ہے؟ مگر بقول امام عراقی نو عدد روایتیں مسند احمد بن حنبل میں بھی موضوع ہیں۔ (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۸۶) اور کیا امام ابن ماجہ کی بزرگی اہل اسلام کے نزدیک ثابت نہیں؟ مگر سنن ابن ماجہ میں جعلی اور موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ [۵۵]

o ملا علی القاری الحنفی فرماتے ہیں:

قلت ومن القواعد الكلية ان نقل الاحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز الا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فان نسخها تكون صحيحة متعددة۔

(موضوعات کبیر، ص ۱۰۴، ۱۰۵۔ بوادر النوادر، ص ۵۰۹)

''میں کہتا ہوں کہ قواعد کلیہ میں سے یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہی مسائل اور قرآن کریم کی تفاسیر کا نقل کرنا ناجائز ہے مگر صرف ان کتابوں سے جو

Marfat.com

متداول ہیں، کیونکہ دوسری کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں زندیقوں کی جعل سازی اور ملحدوں کا الحاق شامل ہو، بخلاف محفوظ کتابوں کے کیونکہ ان کے نسخے صحیح اور متعدد ہوتے ہیں (اوران میں قطع و برید کا موقع جعل سازوں کو نہیں مل سکتا)''۔[۵۶]

o حضرات محدثین کرام کے نزدیک امام طبرانی اور امام طحاوی کی جملہ تصانیف کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں اور اس طبقہ کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ ''اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ'' (عجالہ نافعہ ص ۷) جب تک اس حدیث کی صحت اصول حدیث کی رو سے ثابت نہ کی جائے، اس سے احتجاج درست نہیں۔ اور امام ابونعیم کی جملہ تالیفات اور ابن مردویہ اور ابن شاہین وغیرہ کی کتابیں طبقہ رابعہ میں داخل ہیں جن کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ ''ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود'' (ایضاً ص ۷) مزید لکھتے ہیں کہ: طبقہ رابعہ احادیث کہ نام ونشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود ومتاخران آں را روایت کردہ اند (عجالہ نافعہ ص ۷) ''طبقہ رابعہ میں وہ احادیث ہیں جن کا نام ونشان قرون سابقہ میں معلوم نہیں اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہو۔'' [۵۷]

o کامل ابن عدی چوتھے درجے کی کتابوں میں ہے اور اس طبقہ کے بارے میں محدثین کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ ''ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در عقیدہ یا عملے بآنہا تمسلک کردہ شود'' (عجالہ نافعہ ص ۷) ہاں اگر اصول حدیث کی رو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔[۵۸]

o امام بیہقی کی کتابیں طبقہ ثالثہ میں اور ابونعیم اور خطیب کی کتابیں طبقہ رابعہ سے ہیں۔ (عجالہ ص، ۸۷)* [۵۹]

---

*امام ابن تیمیہ ابوالشیخ اصفہانی، خطیب بغدادی اور ابن عساکر رحمہم اللہ وغیرہ کی تصانیف کی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی یعنی صحیح اور حسن ہیں، لیکن بہت سی احادیث ضعیف، موضوع اور بے حد کمزور ہیں۔ یہی حال ان روایات کا ہے جو خیثمہ بن سلیمان نے صحابہ کے فضائل میں، ابونعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیاء کے آغاز میں خلفا کے فضائل

Marfat.com

○ طبقہ ثالثہ کی روایات کے رَد کے متعلق چار وجوہ یہاں بیان کی گئی ہیں:

(۱) قرآن کریم کے مقابلہ میں وہ حجت نہیں۔

(۲) باب عقیدہ میں خبر واحد صحیح معتبر نہیں۔

(۳) حضرات فقہاء کرامؒ کے ہاں اس طبقہ کی اکثر (نہ کہ کل) احادیث معمول بہا نہیں۔

(۴) بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہے۔

ہم نے [عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے مسئلے میں] اس طبقہ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے، اس سے مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی بھی لازم نہیں آتی۔[۲۰]

○ نوادر الاصول کے مصنف ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسین ہیں۔ نوادر الاصول ان کتابوں میں سے ہے جن میں رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ "نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر دارد" (بستان المحدثین ص ۶۸) یعنی نوادر الاصول کی اکثر حدیثیں غیر معتبر ہیں۔ المراح فی المزاح للعلامہ بدر الدین غزیؒ کے حاشیہ میں ہے:

قال السیوطی فی الجامع الکبیر کل ما عزی الی العقیلی و ابن عدی والخطیب البغدادی و ابن عساکر او للحکیم الترمذی و ذکر جماعة غیرهم فهو ضعیف فیستغنی بالعزو الیها عن بیان ضعفه (ص ۱۵)

"امام سیوطی الجامع الکبیر میں لکھتے ہیں کہ جو روایت عقیلی اور ابن عدی اور خطیب بغدادی اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی، اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت کا ذکر کیا، کی طرف منسوب ہو تو وہ ضعیف ہوگی۔ ان کی طرف روایت کی نسبت کر دینا ہی اس کے ضعف کے لیے کافی ہے۔ اس کے ضعف کے الگ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔"

اگر ان کتابوں میں کوئی روایت با سند ہو اور سند بھی متصل ہو اور راوی بھی تمام ثقہ ہوں اور

میں، اور ابو بکر خطیب، ابو الفضل بن ناصر، ابو موسیٰ المدینی، ابو القاسم بن عساکر، حافظ عبد الغنی اور ان جیسے ائمہ نے نقل کی ہیں جو علم حدیث سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔" (کتاب التوسل ص ۱۰۵، ۱۰۶ بحوالہ سیرت النبی شبلی نعمانی ۱/۴۷)

Marfat.com

شذوذ اور علت قادحہ سے بھی محفوظ ہو تو الگ بات ہے، اور یہی وہ کتابیں ہیں جن سے جملہ اہل بدعت اپنے سب مسائل ثابت کرتے ہیں۔[۶۱]

○ امام بیہقی فرماتے ہیں:

من جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل (توجیہ النظر ص ۲۱۹، فتح المغیث ص ۹۶، مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۰)

''جس شخص نے آج کوئی حدیث پیش جو کہ تمام محدثین کرام کے پاس نہ ہو تو وہ روایت قبول نہیں کی جاسکتی۔'' [۶۲]

○ المواہب اللدنیہ کے مصنف خطیب، متاخرین میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کا شمار طبقہ رابعہ میں ہوتا ہے۔ بستان المحدثین ص ۲۰۳ میں ہے کہ المواہب اللدنیہ اپنے باب میں لاثانی کتاب ہے۔ نیز علامہ یوسف نبہانی جواہر البحار ۱/۶۰ میں لکھتے ہیں کہ مواہب لدنیہ سے افضل کوئی کتاب نہیں۔ ان بزرگوں کے اس قول کا یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ مواہب لدنیہ صحت اور ہر ہر واقعہ یا اس میں نقل کردہ ہر ہر حدیث کے قابل احتجاج ہونے کے سلسلے میں لاثانی اور افضل ہے۔ حاشا وکلا۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ سیرت کے باب میں جتنا اور جیسا کچھ مواد اس میں جمع کر دیا گیا ہے، وہ عموماً دیگر کتابوں میں یکجا طور پر نہیں ملتا اور اس لحاظ سے وہ لاثانی اور افضل ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں صحیح کے ساتھ ضعیف اور ثابت الاصل روایات کے ساتھ غیر مقبول اور قابل احتجاج روایات کے ساتھ منکر، شاذ اور معلل وغیرہ روایات اور بعض بے اصل واقعات وقصص بھی موجود ہیں اور یہ کتاب رطب و یابس کا ایک مجموعہ ہے۔[۶۳]

○ بلاشک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور صاحب کرامات ولی اور رشد و اصلاح کا درس دینے والے بہترین واعظ تھے لیکن ناقد فن رجال نہ تھے اور نہ احادیث کے صحت و سقم کو اس طرح پرکھ سکتے تھے جس طرح کہ محدثین کرام پرکھتے ہیں کہ ہندی کی چندی اور بال کی کھال اتار کر رکھ دیتے ہیں، بخلاف حضرات صوفیائے کرام کے کہ وہ نیک دل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حسن ظن کرتے ہیں اور اپنے صاف

Marfat.com

وشفاف دل پر لوگوں کے دلوں کو قیاس کرتے ہیں کہ جیسے ہم مخلص وصادق ہیں، واقعہ بیان کرنے والا راوی بھی ایسا ہی ہوگا، اس لیے وہ تنقید نہیں کرتے۔ امام ابن الجوزی کا یہ مقولہ محدثین کرام میں مشہور ہے کہ 'اذا وقع صوفی فی الاسناد فاغسل یدیك منه (العرف الشذی ص ۴۶) یعنی جب کسی سند میں صوفی واقع ہو جائے تو پھر تم اس سند (اور حدیث) سے ہاتھ دھو ڈالو کیونکہ وہ غیر معتبر ہے۔[۶۴]

o غنیۃ الطالبین میں کتنی ہی حدیثیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ صرف فضائل رجب اور شعبان وغیرہ ابواب ہی کی حدیثوں کو دیکھ لینا کافی ہے۔ علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال، ۱/۲۰۰ میں چند دیگر کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی موضوع حدیثوں کے بارے میں اور خصوصیت سے غنیۃ الطالبین کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ آنکھیں روشن کرنے کے لیے کافی ہے۔* [۶۵]

---

*امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

قال الحافظ سعید بن عمرو البردعی : شهدت ابا زرعة وقد سئل عن الحارث المحاسبی وکتبه، فقال للسائل : ایاك وهذه الکتب هذه کتب بدع وضلالات، علیك بالاثر فانك تجد فیه ما یغنیك، قیل له: فی هذه الکتب عبرة، فقال : من لم یکن له فی کتاب الله عبرة فلیس له فی هذه الکتب عبرة، بلغکم ان سفیان ومالکا والاوزاعی صنفوا هذه الکتب فی الخطرات والوساوس؟ ما اسرع الناس الی البدع ..... فکیف لو رای ابو زرعة تصانیف المتاخرین کالقوت لابی طالب واین مثل القوت، کیف لو رای بهجة الاسرار لابن جهضم وحقائق التفسیر للسلمی لطار لبه، کیف لو رای تصانیف ابی حامد الطوسی فی ذلك علی کثرة ما فی الاحیاء من الموضوعات، کیف لو رای الغنیة للشیخ عبد القادر، کیف لو رای فصوص الحکم والفتوحات المکیة، بلی لما کان الحارث لسان القوم فی ذاك العصر کان معاصره الف امام فی الحدیث مثل احمد بن حنبل وابن راهویه، ولما صار ائمة الحدیث مثل ابن الدخمیسی وابن شحانة کان

Marfat.com

○ امام قسطلانی اور علامہ زرقانی دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب ویابس سب کچھ ہوتا ہے، تحقیق بہت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خان ''معارج النبوۃ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب ویابس سب کچھ ہے۔ (احکام شریعت ۸۲/۲) [۲۶]

○ بلاشبہ حضرت امام سیوطیؒ وسیع النظر اور بڑے عالم گزرے ہیں، لیکن وہ نہ تو ائمہ جرح

قطب العارفين كصاحب الفصوص وابن سفيان، نسال الله العفو والمسامحة۔ (میزان الاعتدال، ۱۶۶/۲)

''حافظ سعید بن عمرو البردعی کہتے ہیں کہ میں ابوزرعہ کے پاس موجود تھا جب ان سے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ابوزرعہ نے کہا کہ ان کتابوں سے بچو، کیونکہ یہ بدعات اور گمراہیوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے بجائے تم احادیث کو لازم پکڑو کیونکہ تمھیں ان میں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تمھیں بے نیاز کردیں گے۔ ابوزرعہ سے کہا گیا کہ ان کتابوں میں عبرت کی باتیں ہوتی ہیں تو انھوں نے کہا کہ جس شخص کو کتاب اللہ میں عبرت کا سامان نہ ملے، اس کو ان کتابوں سے بھی عبرت نہیں مل سکتی۔ کیا تم نے کبھی سنا کہ سفیان اور مالک اور اوزاعی نے ان خطرات اور وساوس کے بارے میں کوئی تصنیف لکھی ہے؟ لوگ کتنی جلدی بدعات کی طرف مائل ہو گئے ہیں!.... (ذہبی کہتے ہیں) ابوزرعہ اگر متاخرین کی کتابیں جیسے ابو طالب مکی کی قوت القلوب دیکھ لیتے جس کی کوئی نظیر نہیں، اور اگر وہ ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار اور سلمی کی حقائق التفسیر دیکھ لیتے تو ان کے ہوش اڑ جاتے۔ اور ان کی کیا حالت ہوتی اگر وہ اس بارے میں ابو حامد الغزالی کی کی تصانیف دیکھ لیتے، خاص طور پر احیاء العلوم میں جو موضوع احادیث کی کثرت ہے! اور ان کی کیا کیفیت ہوتی اگر وہ شیخ عبدالحق کی غنیۃ الطالبین اور (ابن العربی کی) فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ دیکھ لیتے! جب حارث محاسبی اپنے زمانے میں صوفیا کے گروہ کے ترجمان تھے تو ان کے معاصرین میں ہزاروں ائمہ محدثین تھے جن میں احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے حضرات شامل تھے۔ پھر جب ابن الدخمیسی اور ابن شحانہ جیسے لوگ ائمہ حدیث کہلانے لگے تو قطب العارفین بھی فصوص الحکم کے مصنف اور ابن سفیان جیسے لوگ قرار پائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور درگزر کا سوال کرتے ہیں۔''

Marfat.com

وتعدیل میں شمار ہوتے ہیں اور نہ انھوں نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ وغیرہ میں صحت کا التزام کیا ہے۔ الخصائص الکبریٰ میں موضوع اور جعلی روایات کی بھرمار ہے، لہٰذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کردینا کسی طرح حدیث کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں۔ اپنے پرائے سب ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں، نہ کہ حدیث کی تصحیح اور تحسین میں، کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود ہو اور اس کے جملہ رواۃ ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح وتحسین کریں اور دوسرے حضرات محدثین کرام بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں تو پھر معاملہ جدا ہے۔

امام سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت وضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کل ما عزی الی العقیلی وابن عدی والخطیب البغدادی وابن عساکر او للحکیم الترمذی وذکر جماعة غیرھم فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا عن بیان ضعفه (المراح فی المزاح للعلامہ بدرالدین غزیؒ ص ۱۵)

''جو روایت عقیلی، ابن عدی، خطیب بغدادی، ابن عساکر اور حکیم ترمذی وغیرہ کی طرف نسبت کی جائے، اور ان کے علاوہ ایک اور جماعت کا بھی ذکر کیا، تو ان کی طرف نسبت ہی حدیث کے ضعیف ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کے ضعف کو الگ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔''

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''علامہ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ جو حیدرآباد دکن میں چھپ گئی ہے، معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ ممدوح نے ..... قوی وضعیف اور صحیح وغلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگادیا۔'' (سیرت النبی ۳/۶۲۵) [۶۴]

o اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثین نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں، ان کی حدیثیں بہ نسبت ان حضرات کے جنھوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے، کم ہی رہی ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلم نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لیے لگائی ہیں، وہ خود انھوں نے دوسری کتابوں کے لیے اور اسی

Marfat.com

طرح دیگر محدثین نے وہ شرطیں عائد نہیں کیں۔ بنابریں صحیحین کے علاوہ روایت حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکم ہی کو دیکھ لیں جو امام حاکم نے بزعم خویش حضرات شیخین کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انھوں نے بعض نری موضوع اور جعلی روایتوں کو بھی علیٰ شرط الشیخین صحیح کہہ دیا ہے۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ ذہبی کو جنھوں نے ان کا تعاقب کر کے علما کو صحیح راستہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقی، علامہ خطیب بغدادی، حافظ دارقطنی اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو الم نشرح ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اور عجالہ نافعہ وغیرہ میں اس کی محقق بحث ملاحظہ کر لیجیے۔

اور اگر آپ متاخرین میں خطیب، قسطلانی اور امام سیوطی وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ مس بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انھوں نے تصحیح اور تحسین کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطیؒ تو بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرام کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے، مگر انصاف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں، صرف ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو کہتے ہیں تنکوں کا پل، اور بیشتر انھی کی کتابوں سے مبتدعین مداری کی پٹاری کی طرح مفید مطلب جو عقیدہ اور عمل چاہتے ہیں، نکال لیتے ہیں اور حوالہ پر حوالہ دیے چلے جاتے ہیں اور عوام الناس موٹی موٹی کتابوں اور بیان کنندگان کے جبوں اور گنبد نما عماموں کو دیکھ کر مغالطہ کھا جاتا ہے اور اہل حق سے برسرپیکار نظر آتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے۔ یہ دعویٰ بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے۔ ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں، ان کی اسانید صحیح ہیں اور محدثین کرام نے ان کو صحیح کہا ہے اور امت کا ان پر اعتماد اور عمل ہے۔ ہاں ان کتب کی سب احادیث کی صحت کا دعویٰ باطل ہے۔[۶۸]

Marfat.com

مصادر:

[۱] شوق حدیث،ص۳۶

[۲] احسان الباری،ص۴۱تا۴۷

[۳] احسان الباری،ص۳۴

[۳/۱] شوق حدیث ص۳۲،۳۳۔انکار حدیث کے نتائج ص۱۴۳،۱۴۴

[۴] شوق حدیث،ص۱۰۶۔احسان الباری،ص۳۵

[۵] احسان الباری،ص۵۶،۵۷

[۶] الکلام الحاوی،ص۳۰،۳۱

[۷] خزائن السنن،۶۸/۱

[۸] احسان الباری،ص۴۸تا۵۱

[۹] شوق حدیث،ص۱۳۷

[۱۱] احسان الباری،ص۳۶۔شوق حدیث،ص۶۰

[۱۲] احسن الکلام،۲۵۸/۱،۲۵۹

[۱۳] ازالۃ الریب،ص۴۰۷۔راہ سنت ص۴۶،۴۷

[۱۴] احسن الکلام،۲۹۹/۱

[۱۵] احسان الباری،ص۳۴تا۳۵۔احسن الکلام،۲۵۶/۱،۲۵۷

[۱۶] شوق حدیث ص۱۵۲،۱۵۳

[۱۷] خزائن السنن،۱۰۲/۲

[۱۷/۱] احسان الباری،ص۹،۵۶

[۱۸] احسان الباری،ص۳۵۔احسن الکلام،۲۵۶/۱،۲۵۷

[۱۹] احسان الباری،ص۳۴تا۳۷۔شوق حدیث،ص۳۲،۳۳۔انکار حدیث کے نتائج ص۱۴۳،۱۴۴

Marfat.com

[۲۰] الکلام الحاوی ص۳۲، ۳۳

[۲۱] یہ معلومات سنن النسائی کے مقدمہ، طبع دارالسلام ریاض سے ماخوذ ہیں۔

[۲۲] تقریظ بر ''توضیح السنن''، مجموعہ افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق''

[۲۳] خزائن السنن، ۴/۱تا ۶

[۲۴] خزائن السنن ۴/۱تا ۱۰

[۲۵] خزائن السنن، ۱۹/۱، ۲۰

[۲۶] خزائن السنن، ۳۹/۱، ۴۰

[۲۷] خزائن السنن، ۵۶/۱

[۲۸] مقام ابی حنیفہ، ص۲۶۱ تا ۲۶۴

[۲۹] احسن الکلام، ۱۱۵/۲]

[۳۰] الکلام الحاوی، ص۴۵

[۳۱] شوق حدیث ص۶۰

[۳۲] مقام ابی حنیفہ، ص۲۶۱ تا ۲۶۴

[۳۳] عمدۃ الاثاث ص۲۹

[۳۴] یہ معلومات بیشتر الدکتور علی بن ابراہیم بن سعود کی تالیف 'تغلیق التعلیق علیٰ سنن ابی داؤد' کے باب اول سے ماخوذ ہیں۔

[۳۵] مقام ابی حنیفہ، ص۲۶۱ تا ۲۶۴

[۳۶] انکار حدیث کے نتائج ص۹۱، ۹۲

[۳۷] خزائن السنن، ۴۷/۳

[۳۸] شوق حدیث ص۳۵، ۳۶۔ احسان الباری، ص۳۹

[۳۹] مقام ابی حنیفہ، ص۲۶۱ تا ۲۶۴

[۴۰] احسان الباری، ص۳۸، ۳۹، ۴۳

[۴۱] احسان الباری، ص۴۳

Marfat.com

[۴۲] احسن الکلام ۲/ ۱۱۶

[۴۳] الکلام الحاوی ص ۱۲۰ تا ۱۲۲

[۴۴] تفریح الخواطر ص ۳۴ تا ۳۶

[۴۵] اتمام البرہان ۳/ ۷۸

[۴۶] تنقید متین ص ۸۸، ۸۹۔ اتمام البرہان ۳/ ۳۵

[۴۷] احسن الکلام ۱/ ۳۹۲

[۴۸] احسن الکلام ۱/ ۲۳۸

[۴۹] خزائن السنن ۲/ ۱۰۰

[۵۰] الکلام الحاوی ص ۳۴

[۵۱] راہ سنت ص ۲۷۰

[۵۲] خزائن السنن ۲/ ۹۷

[۵۳] اخفاء الذکر ص ۱۱، ۱۲

[۵۴] مقام ابی حنیفہ ص ۲۶۱ تا ۲۶۴

[۵۵] تفریح الخواطر ص ۳۷۳

[۵۶] سماع الموتی ص ۳۲۴، ۳۲۵

[۵۷] ازالۃ الریب، ص ۳۴۵۔ دل کا سرور، ص ۴۷۱۔ تفریح الخواطر ص ۲۴۱، ۲۴۲

[۵۸] گلدستہ توحید ص ۱۴۴

[۵۹] گلدستہ توحید ص ۱۴۶

[۶۰] المسلک المنصور، ص ۹۷، ۹۸

[۶۱] راہ سنت، ص ۲۳۳۔ تنقید متین، ص ۹۵

[۶۲] راہ سنت ص ۲۸۸

[۶۳] تفریح الخواطر ص ۲۴۲، ۲۴۳

[۶۴] اتمام البرہان، ۲/ ۱۱۷، ۱۱۸

Marfat.com

[۶۵] مقام ابی حنیفہ، ۲۶۱ تا ۲۶۴

[۶۶] اتمام البرہان ۳/ ۳۳

[۶۷] اتمام البرہان ۳/ ۶۴، ۶۵

[۶۸] مقام ابی حنیفہ ص ۱۴۲، ۱۴۳

Marfat.com

-٦-

متفرق مباحث

Marfat.com

حدیث کی مختلف اقسام

حدیث متواتر کی اقسام

فیض الباری ۱/۰۷، فیصلہ مقدمہ بہاولپور ص ۲۴ اور مقدمہ فتح الملہم ص ۵، ۶ میں متواتر کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ تواتر اسناد، جس کو تواتر لفظی کہتے ہیں۔

۲۔ تواتر طبقہ، جیسا کہ قرآن کریم کا تواتر سے نقل ہوتے چلا آنا کہ ہر پہلے طبقہ کے بعد اسے بعد کو آنے والے دوسرے طبقہ نے نقل کیا ہے۔

۳۔ تواتر عمل و توارث جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ اسلام کے بنیادی احکام کہ طبقۃً بعد طبقۃٍ امت کے عمل اور توارث سے ان کا ثبوت ہے۔

۴۔ تواتر قدر مشترک جس کو تواتر معنوی بھی کہتے ہیں، جیسے معجزہ کا تواتر کہ مفردات اگرچہ اخبار آحاد سے ثابت ہیں، لیکن قدر مشترک قطعی طور پر متواتر ہے۔

حدیث متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ (توجیہ النظر للعلامۃ طاہر بن صالح الجزائری، ص ۳۶، ۳۷ و فیصلہ مقدمہ بہاولپور، ص ۲۴) [1]

متواتر کی چند مثالیں

○ حجۃ الوداع کے موقع پر، جس میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام حاضر تھے، منیٰ کے میدان میں خیف کے مقام پر کھڑے ہو کر جو خطبہ ارشاد فرمایا (دارمی، رقم ۲۳۰۔ مستدرک،

Marfat.com

۸۷/۱)اس میں آپ نے اپنے ارشادات کو آگے پہنچانے کی ترغیب دی، چنانچہ فرمایا کہ 'لیبلغ الشاھد الغائب' (بخاری، رقم ٦٥)۔

یہ روایت اور اس کے شواہد اور مویدات تقریباً تیئس صحابہ کرام سے مروی ہیں۔(طرق اور حوالہ جات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: شوق حدیث ص ۱۷ تا ۱۹) امام حاکم اس کو مشہور حدیثوں میں شمار کرتے ہیں۔(معرفۃ علوم الحدیث، ص ۹۲) امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔(مفتاح الجنۃ، ص ۵) اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمان 'فلیبلغ الشاھد الغائب' حد تواتر کو پہنچ چکا ہے۔(لسان المیزان، ۳/۱) [۲]

○ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

نضر الله امرا سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل فقه الى من هو افقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه

(ترمذی، رقم ۲۵۸۰۔ ابوداؤد، رقم ۳۱۷۵)

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی، پھر اس کو یاد رکھا یہاں تک کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا، کیونکہ بسا اوقات فقہ پر حاوی حدیث کو سامع اس شخص تک پہنچا دیتا ہے جو حامل حدیث سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل حدیث، فقیہ نہیں ہوتا۔''

ہماری دانست میں یہ حدیث ۲۳ حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔(مفصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: شوق حدیث ص ۱۷-۱۹) امام حاکم اس کو مشہور احادیث میں شمار کرتے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث، ص ۹۲) اور امام سیوطی اس کو متواتر کہتے ہیں۔(مفتاح الجنۃ، ص ۵) حافظ ابن حجر اس کی اسانید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں۔(لسان المیزان، ۳/۱) [۳]

○ حافظ ابن حجر نے فتح الباری، ۳۰۶/۱ میں لکھا ہے کہ مسح علی الخفین ۷۰، اور ایک روایت میں ۸۰ صحابہ کرام سے ثابت ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ابن نجیم البحر الرائق، ۱۶۵/۱ میں

Marfat.com

اور ابن الہمام فتح القدیر، ۹۹/۱ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مجھے مسح علی الخفین کے منکر کے کفر کا خوف ہے۔ پھر امام صاحب نے اہل السنّت والجماعت میں سے ہونے کی علامت یہ بتائی کہ سنی وہ ہے جو تفضیل الشیخین، حب الختنین اور مسح علی الخفین کا قائل ہو۔ (فتاویٰ قاضی خان، ۲۲/۱۔ مفتاح السعادۃ، ۲۰/۲) [۴]

o حوض کوثر کی روایت مختلف اسانید اور متعدد طرق سے الفاظ کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ تیس سے زیادہ حضرات صحابہ کرام سے مروی ہے، حتیٰ کہ امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں متعدد حضرات صحابہ کرام سے اس حدیث کوثر کی تصریح کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ 'بعض ھذا ما یقتضی کون الحدیث متواترا' یعنی ان احادیث کا بعض اس کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (نووی، شرح مسلم، ۲۴۹/۲) اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ حدیث 'متواتر النقل' ہے۔ (نووی، شرح مسلم، ۲۴۹/۲) [۵]

o علامہ سید محمود آلوسی نزول مسیح کی روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ 'لعلھا بلغت مبلغ التواتر المعنوی' (روح المعانی ۳۲/۲۲) یعنی شاید یہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوں۔ علامہ آلوسی تو 'لعل' فرما رہے ہیں جبکہ جمہور محدثین، مفسرین، متکلمین، فقہا اور صوفیا ان احادیث کو حقیقتاً متواتر کہتے ہیں، چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں احادیث متواترہ وارد ہیں۔ (حجج الکرامۃ، ص ۲۳۴) علامہ عبداللہ الابی، امام ابن رشد المالکی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ (شرح الابی علیٰ مسلم، ۲۶۵/۱) محدث محمد بن جعفر الکتانی اور حافظ ابن کثیر بھی ان احادیث کو متواتر قرار دیتے ہیں۔ (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر، ص ۱۴۷۔ تفسیر ابن کثیر، ۱۳۲/۴) قاضی شوکانی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام 'التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والمسیح' ہے۔ علامہ کوثری لکھتے ہیں کہ امام مہدی کی آمد، دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث کا تواتر حضرات محدثین کرام کے نزدیک شک وشبہ سے بالاتر ہے، جبکہ بعض متکلمین کا ان میں سے بعض روایات کے تواتر میں شک کرنا علم حدیث سے

Marfat.com

بے خبری پر مبنی ہے۔ (نظرۃ عابرۃ فی مزاعم من ینکر نزول عیسیٰ علیہ السلام قبل الآخرۃ، ص ۴۹) [۶]

o اہل حق کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قیامت سے پہلے امام مہدیؒ ضرور آئیں گے۔ ان کی پیدائش اور آمد سے پہلے دنیا میں جو ظلم و جور ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اقتدار میں آنے کے بعد زیر اثر علاقہ میں وہ عدل و انصاف قائم کریں گے اور ناانصافی کو نابود کردیں گے اور اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ جہاد اور دجال کے قتل کرنے میں حضرت امام مہدی، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا پورا پورا تعاون کریں گے۔

ان علامات اور نشانیوں کے ساتھ امام مہدی کی آمد ضروری ہے اور ان کی آمد کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ چنانچہ امام سفارینی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے ہاں یہ بات ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں مدون ہے۔ (عقیدۃ السفارینی، ۸/۲) امام سیوطی لکھتے ہیں کہ امام مہدی کی آمد کی روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر اور شہرت کے ساتھ مروی ہیں۔ (الحاوی للفتاوی، ۸۵/۲) علامہ عبدالعزیز فرہاروی رقم طراز ہیں کہ حضرت امام مہدی کی آمد کی احادیث متواتر ہیں اور بعض علما نے اس پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ (نبراس، ص ۵۲۵) [۷]

o امام سیوطی نے بعد از وفات قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کی احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 'ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی الله علیه و سلم حیاة الانبیاء فی قبورهم' (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر، کذا فی شرح البوسنوی ص ۴، طبع مصر) یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی اس حدیث کو متواتر کہنے میں امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔ (المنحة الوهبية، ص ۱۱ طبع استنبول)

اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کی کئی اقسام ہیں۔ تواتر لفظی، تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر توارث وغیرہ۔ گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں، لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف اس کو حاصل ہے۔ [۸]

o مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ سماع الموتی کے بارے میں احادیث بلاشبہ

Marfat.com

درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (فیض الباری،۲/۲۶۷) [۱/۸]

○ علامہ انور شاہ کشمیری فیض الباری،۲/۲۵۹ میں لکھتے ہیں کہ فیروز آبادی نے جو یہ کہا ہے کہ رفع یدین سے متعلق چار سو صحابہ سے احادیث وآثار مروی ہیں تو یہ قول بالکل بے بنیاد ہے۔ نیز سیوطی نے 'الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة' میں جو کہا ہے کہ رفع یدین کی احادیث متواتر ہیں تو اگر تو ان کی مراد نماز کے آغاز کے موقع پر رفع یدین ہے تو یہ بات مسلم ہے، اور اگر وتر کی نماز میں رفع یدین مراد ہے تو بھی درست ہے، چنانچہ زیلعی نصب الرایہ،۱/۳۹۱ میں لکھتے ہیں کہ وتر میں رفع یدین کی روایات متواتر ہیں، لیکن اگر سیوطی کی مراد اس کے علاوہ (نماز میں رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت) رفع یدین ہے تو یہ ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔* [۹]

حدیث مستفیض

مستفیض احادیث کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

اما المستفيض باللفظ فاعنى به الحديث يرويه عنه صلى الله

---

*بعض محدثین نے متواتر احادیث کو الگ مجموعوں کی صورت میں بھی مرتب کیا ہے۔ اس ضمن کی معروف کتابیں درج ذیل ہیں:

۱) الفوائد المتكاثرة فی الاخبار المتواترة، جلال الدین السیوطیؒ

اس میں ایک سو سے زائد احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اسی کتاب کا مختصر 'الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة' کے نام سے موجود ہے۔

۲) اللآلی المتناثرة فی الاحادیث المتواترة، ابو عبداللہ المعروف بابن طولون الدمشقیؒ (وفات ۹۵۳ھ)

مرتضیٰ زبیدیؒ نے اسی کا ملخص 'لقط اللآلی المتناثرة فی الاحادیث المتواترة' کے نام سے مرتب کیا ہے۔

۳) نظم المتناثر من الحدیث المتواتر، محمد بن جعفر الکتانی۔

اس میں مولف نے لفظاً یا معناً متواتر کا درجہ رکھنے والی تین سو سے زائد احادیث جمع کی ہیں۔ (مرتب)

Marfat.com

علیه وسلم ثلاثة من الصحابة او اکثر وحالهم فی الصدق والتقوی ما قد علم وقد شهد لهم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انهم خیر الفرق وحث الناس علی تعظیمهم ونهاهم عن سبهم فکانت الاحادیث المستفیضة من هذا الوجه متواترا او ملحقا بالتواتر وهی کثیرة موجودة فی کل باب من ابواب الفقه والسیرة اتفقت صیغ الاداء فیها او اختلفت۔ (تفہیمات الٰہیہ،۱/۲۱۰)

''لفظی طور پر مشہور حدیث سے میری مراد وہ حدیث ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین یا زیادہ صحابہ کرام روایت کریں اور ان کی سچائی تقویٰ کا حال تو معلوم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ شہادت دی ہے کہ وہ بہترین جماعت ہیں اور لوگوں کو ان کی تعظیم کی ترغیب دی ہے اور ان کو برا کہنے سے منع کیا ہے، تو اس لحاظ سے مستفیض حدیثیں متواتر ہوں گی یا متواتر کے ساتھ ملحق ہوں گی اور ایسی حدیثیں فقہ اور سیرت کے ہر باب میں بکثرت موجود ہیں، خواہ ان کے الفاظ متفق ہوں یا مختلف۔'' [۱۰]

o ابوداؤد (رقم ۴۱۲۷) اور مسند احمد (رقم ۱۷۸۰۳) میں براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر مومن اور کافر کی وفات کا ذکر فرمایا اور اس میں مومن کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا 'تعاد روحه فی جسده' یعنی اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ''اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ محدثین کا اس کے مشہور اور مستفیض ہونے پر اجماع ہے۔ (شرح حدیث النزول، ص ۴۷) حافظ ابن القیم نے بھی اس کو مشہور اور مستفیض قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح، ص ۵۸،۵۹) [۱۱]

o امام حاکمؒ نے علم اصول حدیث کی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں تیئیسویں نوع اس موضوع پر قائم کی ہے: 'هذا النوع من هذا العلم معرفة المشهور من الاحادیث المرویة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم' ۔پھر ان مشہور احادیث کے بعد یہ

Marfat.com

حدیث بھی بیان کی ہے: 'من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة'، اور دیگر متعدد احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: 'فکل هذه الاحادیث مشهورة باسانیدها و طرقها' (معرفۃ علوم الحدیث، طبع قاہرہ ص ۹۲) یعنی یہ تمام احادیث اپنی سندوں اور طرق کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ [۱۲]

حدیث غریب

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غریب حدیثیں مت لکھا کرو کیونکہ یہ منکر ہوتی ہیں اور اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: 'شر العلم الغریب'، کہ سب سے برا علم غریب حدیثوں کا ہوتا ہے۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہم غریب الحدیث کو بہتر سمجھتے تھے، مگر وہ بدتر نکلی۔ امام یوسف فرماتے ہیں کہ جو شخص غریب الحدیث طلب کرتا ہے تو وہ جھوٹ کا مرتکب ہے۔ (محصلہ تدریب الراوی، ص ۳۷۶)

یہاں دو باتیں ہیں: ایک فن غریب الحدیث اور دوسرا کسی حدیث کا غریب ہونا۔ محدثین کرامؒ کے نزدیک ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک متن حدیث سے متعلق ہے اور دوسری بالعموم سند سے۔ امام ابن الصلاحؒ بتیسویں (۳۲) نوع میں معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> وهو عبارة عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضة البعیدة من الفهم لقلة استعمالها، هذا فن مهم یقبح جهله باهل الحدیث خاصة ثم باهل العلم عامة والخوض فیه لیس بالهین
>
> (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۴۵)

''غریب الحدیث وہ فن ہے جس میں متون احادیث میں وارد ہونے والے ایسے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو نہایت مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قلیل الاستعمال ہوتے ہیں۔ یہ ایک اہم فن ہے۔ محدثین کا اس سے جاہل رہنا خصوصاً اور دیگر اہل علم کا عموماً قبیح فعل ہے مگر اس میں دخل دینا بھی آسان کام نہیں ہے۔''

Marfat.com

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

غریب الحدیث هو ما وقع فی متن الحدیث من لفظة غامضة بعیدة من الفهم لقلة استعمالها وهو فن مهم والخوض فیه صعب فلیتحر خائضه (تقریب النواوی ص ۳۷۸)

''غریب الحدیث اس کو کہتے ہیں کہ متن حدیث میں کوئی مشکل اور بعید از فہم لفظ واقع ہو کیونکہ اس کا استعمال کم ہوا ہے۔ اور یہ ایک اہم فن ہے اور اس میں خوض اور دخل دینا بہت مشکل ہے، سو اس میں خوض کرنے والے کو محنت اور کوشش کرنی چاہیے۔''

چونکہ یہ فن بڑا مشکل ہے اور ہر کہ و مہ کی اس تک رسائی نہیں ہو سکتی، اس لیے حضرت امام مالکؒ، امام عبدالرزاقؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے اس میں دخل دینے سے منع کیا ہے تاکہ نااہل لوگ اس میں دخل دینے پر جری نہ ہو جائیں۔ ایسے غریب اور مشکل الفاظ صحیح حدیثوں میں بھی اکثر آجاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس حدیث پر لفظ غریب بولا گیا، وہ صحت کے معیار ہی سے گر گئی اور ضعیف ہوگی، جیسا کہ نہایت ہی سطحی فہم کے لوگوں نے سوء فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ ہاں البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے، وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی نہ کوئی راوی متفرد ہو اور ایسی احادیث کے لکھنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور منکر ہوتی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے یہ نہیں کہا کہ تمام غرائب منکر اور ضعیف ہوتی ہیں۔ ان کا دعویٰ یہی ہے کہ ان میں اکثر ضعیف ہوتی ہیں۔ ہاں ان میں صحیح بھی ہیں، اور لفظ 'عامتها' اس کا واضح قرینہ ہے۔

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ:

ثم ان الغریب ینقسم الی صحیح کالافراد المخرجة فی الصحیح والی غیر صحیح وذلك هو الغالب علی الغرائب (مقدمہ، ص ۲۴۴)

''پھر غریب کی دو قسمیں ہیں: ایک صحیح، جیسے ان منفرد راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے، اور دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی غالب ہے۔''

Marfat.com

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تمام غرائب غیر صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح بھی ہیں۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ:

وینقسم الی صحیح وغیرہ وھو الغالب (تقریب النواوی، ص۳۷۶)

''غریب کی دو قسمیں ہیں: ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح، اور غالب یہی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں۔ امام ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ بخاری کی پہلی حدیث: 'انما الاعمال بالنیات' غریب ہے۔ 'فان اسنادہ متصف بالغرابۃ' (مقدمہ ابن الصلاح، ص۲۴۵)۔ اس کی سند غرابت سے متصف ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ضعیف ہے؟

بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی متفرد ہوتا ہے مگر وہ صحیح ہیں۔ اور ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر آتا ہے: 'ھذا حدیث حسن غریب'، 'حسن صحیح غریب'۔ (مزید تشریح شرح نخبۃ الفکر ص۳۵ اور توجیہ النظر ص۱۶۱ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں) اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو یہ حسن اور صحیح کے ساتھ کیسے جمع ہوگئی؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

ان الغرابۃ لا تنافی الصحۃ ویجوز ان یکون الحدیث صحیحاً غریباً بان یکون کل واحد من رجالہ ثقۃ (مقدمہ مشکوۃ ص۶)

''غرابت صحت کے منافی نہیں اور یہ ممکن ہے کہ ایک حدیث غریب ہونے کے باوجود صحیح ہو، بایں طور کہ اس کی سند کا ہر راوی ثقہ ہو۔''

مولف ندائے حق ص۱۸۴ پر لکھتے ہیں کہ ''نری وحدت مضر نہیں اور نہ یہ جرح ہے: وحدۃ الراوی لیس بجرح عندنا۔ (فواتح الرحموت ۲/۴۳۵)'' [۱۳]

غریب حدیث کب قابل قبول نہیں؟

○ اگر کوئی غریب روایت کتاب اللہ یا سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ مشہور اصولی علامہ حسام الدین الحنفی لکھتے ہیں:

Marfat.com

او عمل بالغريب من السنة على خلاف الكتاب او السنة المشهورة مردود باطل ليس بعذر اصلاً۔ (الحسامی ص۱۵۷ بحث قیاس)

''کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے مقابلے میں غریب حدیث پر عمل کرنا مردود اور باطل ہے اور کسی طرح بھی اس میں عذر مسموع نہ ہوگا۔''

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

وما خالف القرآن والمتواتر من السنة وجب تاويله وان لم يقبل التاويل كان باطلا (انباہ الاذکیاء ص۱۰)

کہ ''جو حدیث، قرآن کریم اور متواتر حدیث کے مخالف ہو، اس کی تاویل کرنی واجب ہے۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو وہ حدیث خود باطل ہو جائے گی۔''

ان تمام اقتباسات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اصول دین اور عقائد میں اور اسی طرح قرآن کریم، حدیث مشہور، اجماع اور قیاس جلی کے مقابلہ میں اگر چہ خبر غریب بھی پیش کی جاتی ہو، تب بھی وہ باطل اور مردود ہوگی اور اس باب میں مخالف یا مخطی ہرگز معذور نہیں ہو سکتا۔[۱۴]

○ حافظ ابن القیم تہذیب سنن ابی داؤد ۱/۶۲ میں لکھتے ہیں کہ حدیث قلتین شاذ ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام میں سے صرف ابن عمرؓ اس کے راوی ہیں اور ان کے شاگردوں میں سے صرف عبید اللہ اس کو روایت کرتے ہیں، حالانکہ پانی کی طہارت اور نجاست ایسی چیز ہے جس میں تمام صحابہ کرام اور تابعین کو معلوم کرنے کی نصاب زکوٰۃ سے بھی زیادہ ضرورت اور حاجت تھی، کیونکہ زکوٰۃ تو ہر آدمی پر نہیں آتی ہے جبکہ وضو ہر مسلمان پر لازم ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صحابہ کے پورے طبقے میں اس کا اور کوئی راوی نہیں ملتا۔ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔[۱۵]

○ سنن نسائی ۱/۱۰۴ میں روایت ہے کہ نعیم مجمر نے کہا:

صليت وراء ابی هريرة فقرا بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرا بام القرآن .... انی لاشبهكم صلوة برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

علامہ زیلعی نصب الرایہ ۱/۳۳۶ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کے آٹھ سو شاگرد تھے جن

Marfat.com

میں صحابہ بھی شامل ہیں اور تابعین بھی، لیکن ان میں سے صرف نعیم مجمر ہی یہ روایت بیان کرتے ہیں، اور کوئی نہیں کرتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔[۱۶]

[اضافہ از مرتب]

غریب حدیث کے بارے میں محدثین اور فقہا کا زاویہ نگاہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ فقہا کے پیش نظر چونکہ حدیث سے مسائل و احکام کا استنباط کرنا ہوتا ہے، اس لیے وہ زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں اور رائے کی بنیاد حتی الامکان معروف اور مشہور احادیث پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

فعليك من الحديث بما تعرف العامة واياك والشاذ منه .... والرواية تزداد كثرة ويخرج منها ما لا يعرف ولا يعرفه اهل الفقه ولا يوافق الكتاب ولا السنة فاياك وشاذ الحديث وعليك بما عليه الجماعة من الحديث وما يعرفه الفقهاء وما يوافق الكتاب والسنة فقس الاشياء على ذلك فما خالف القرآن فليس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وان جاء ت به الرواية (الام ۷/۳۶۳)

”تم انھی حدیثوں کو اختیار کرو جنھیں لوگ عمومی طور پر جانتے ہیں اور شاذ حدیثوں سے گریز کرو۔ روایتوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور ان میں ایسی روایات بھی مل جاتی ہیں جو غیر معروف ہیں۔ نہ اہل فقہ ان سے واقف ہیں اور نہ وہ کتاب و سنت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ اس لیے شاذ احادیث سے گریز کرو اور انھی احادیث کو اختیار کرو جن پر مسلمانوں کی جماعت کا عمل ہے اور جن سے فقہا واقف ہیں اور جو کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ انھی پر معاملات کو قیاس کرو۔ پس جو بات قرآن کے خلاف ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہو سکتی، چاہے وہ روایت میں نقل ہوئی ہو۔“

امام ابو داؤد اہل مکہ کے نام اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:

والاحاديث التى وضعتها فى كتاب السنن اكثرها مشاهير وهى عند كل من كتب شيئا من الحديث الا ان تمييزها لا يقدر عليه

Marfat.com

كل الناس والفخر بها انها مشاهير فانه لا يحتج بحديث غريب ولو كان من رواية مالك ويحيى بن سعيد والثقات ائمة العلم ولو احتج رجل بحديث غريب وجدت من يطعن فيه ولا يحتج بالحديث الذى قد احتج به اذا كان غريبا شاذا فاما الحديث المشهور المتصل الصحيح فليس يقدر ان يرده عليك احد ، قال ابراهيم النخعي: كانوا يكرهون الغريب من الحديث وقال يزيد بن ابى حبيب اذا سمعت الحديث فانشده كما تنشد الضالة فان عرف والا فدعه۔ (رسالۃ ابی داؤد، ۱/۲۹، ۳۰)

''میں نے اپنی سنن میں جو حدیثیں درج کی ہیں، ان میں سے اکثر مشہور ہیں اور ہر اس شخص کے علم میں ہیں جو احادیث کو لکھنے سے کچھ اشتغال رکھتا ہے۔ البتہ ان کو الگ الگ کرنے پر ہر شخص کو قدرت حاصل نہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ سنن کی بیشتر حدیثیں مشہور ہیں، کیونکہ کسی غریب حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں، خواہ وہ مالک اور یحییٰ بن سعید اور دیگر ثقہ اہل علم ہی کی روایت کردہ کیوں نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی غریب حدیث سے استدلال کرتا ہے تو تم دیکھو گے کہ اس پر کوئی نہ کوئی اعتراض کرنے والا بھی موجود ہوگا، اور حدیث اگر غریب اور شاذ ہو تو اس سے استدلال قبول نہیں کیا جاتا، لیکن مشہور، متصل اور صحیح حدیث کو رد کرنے کی کوئی شخص قدرت نہیں رکھتا۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ (تابعین) غریب حدیثوں کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ اور یزید بن حبیب نے کہا کہ جب تم کوئی حدیث سنو تو اس کا اس طرح اعلان کرو جیسے کسی گم شدہ چیز کا کیا جاتا ہے۔ پھر اگر اہل علم اس کو پہچان لیں تو ٹھیک، ورنہ اس کو چھوڑ دو۔''

حنفی فقہاء کی آرا میں غریب حدیث کو قبول نہ کرنے کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

○ ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بارے میں فرمایا کہ 'لا صلاة بعدها حتى يطلع الشاهد و الشاهد النجم' (مسلم، رقم ۱۳۷۲) یعنی اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی جا سکتی جب تک کہ 'شاہد' طلوع نہ ہو جائے اور 'شاہد' سے مراد ستارے ہیں۔

Marfat.com

امام جصاص لکھتے ہیں کہ 'وھذا حدیث شاذ لا تعارض به الاخبار المتواترة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی اول وقت المغرب انه حین تغیب الشمس' (احکام القرآن ۱۱۸/۵) یعنی یہ ایک شاذ حدیث ہے جس کی بنیاد پر ان متواتر احادیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا جن میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز کا وقت سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد بیان کیا ہے۔

○ سعید بن المسیب سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اسے حاملہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کو استمتاع کے بدلے میں مہر دیا جائے، جبکہ بچے کو شوہر کا مملوک قرار دے دیا۔ (ابوداؤد، رقم ۱۸۲۰)

جصاص لکھتے ہیں کہ 'ھو حدیث شاذ غیر معمول علیه لان اکثر ما فیه انه ولد زنا اذا کان من حرة فھو حر ولا خلاف بین الفقھاء فی ان ولد الزنا واللقیط حران' (احکام القرآن ۲۱۵/۷) یعنی یہ ایک شاذ حدیث ہے جس پر فقہا کا عمل نہیں ہے، کیونکہ بچے کا قصور زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ولد زنا ہے (جو اس کو غلام بنانے کی وجہ نہیں بن سکتا)۔ اگر وہ آزاد عورت کی اولاد ہے تو خود بھی آزاد ہوگا۔ فقہا کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ولد زنا اور لقیط آزاد شمار ہوں گے۔

Marfat.com

ضعیف حدیث کا درجہ اور احکام

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کا حکم

امام نوویؒ الاذکار ص ۷، ۸ طبع مصر میں لکھتے ہیں کہ محدثین اور فقہا وغیرہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، جب تک کہ وہ موضوع نہ ہو، لیکن حلال وحرام کے مسائل میں جیسے نکاح وطلاق وغیرہ، صرف صحیح یا حسن حدیث پر عمل کیا جائے گا، الا یہ کہ کسی صورت میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط کا پہلو پایا جائے، مثلاً اگر کوئی ضعیف حدیث ایسی وارد ہو جو بیع یا نکاح کی کسی خاص صورت کو ناپسندیدہ قرار دیتی ہو تو اس سے گریز کرنا مستحب ہے لیکن واجب نہیں۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ 'فانھم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحکام' (شرح مسلم ۲۱/۱) یعنی محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں احتجاج واستدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ موضوعات کبیر ص ۵ اور شرح النقایہ ۹/۱ میں فرماتے ہیں کہ علما کے نزدیک قصص اور فضائل اعمال سے متعلق ضعیف حدیث کو اس کا ضعف واضح کیے بغیر وعظ میں بیان کرنا درست ہے، لیکن اللہ کی صفات اور حلال وحرام میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ امام حاکمؒ مستدرک ۴۹۰/۱ میں لکھتے ہیں کہ عقائد اور حلال وحرام کے مسائل میں تو ضعیف حدیث کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں، ہاں ثواب وعقاب اور فضائل میں محدثین اس کو مانتے ہیں۔ امام بخاریؒ کے استاذ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں:

Marfat.com

اذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والاحكام شددنا في الاسانيد وانتقدنا الرجال واذا روينا في فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساهلنا في الاسانيد۔ (مستدرک حاکم ۴۹۰/۱۔ تلخیص الحبیر ۴۹۱/۱)

''جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور احکام سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں تو ان کی سندوں میں سختی برتتے ہیں اور راویوں کی خوب چھان پھٹک کرتے ہیں، لیکن جب فضائل اعمال اور ثواب وعقاب اور مباحات اور دعوات کے بارے میں روایات بیان کرتے ہیں تو ان کی سندوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔''

علامہ سخاویؒ نے بھی فتح المغیث ص ۱۲۰ اور القول البدیع ص ۱۹۶ میں اس کی تصریح کی ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ فتاویٰ ۳۹/۱ میں اور امام ابن دقیق العیدؒ الامام ۱۷/۱ میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ دلیل الطالب علیٰ ارجح المطالب ص ۸۸۹ میں لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر علما کا اتفاق ہے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ فتاویٰ نذیریہ ۲۶۵/۱ میں لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو، اس سے استحباب اور جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے اخبار اہل حدیث، ۱۵؍شوال ۱۳۴۶ھ میں لکھتے ہیں کہ ''ضعیف حدیث مثبت استحباب ہے۔'' حافظ محمد لکھویؒ احوال الآخرۃ ص ۶ میں اور مولانا عبداللہ صاحب روپڑیؒ فتاویٰ اہل حدیث ۴۷۳/۲ میں لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔[۱۷]

ضعیف حدیث کی قبولیت کی شرائط

یہ خیال کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی حدیث غیر مشروط پر حجت ہوتی ہے، قطعاً غلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکی وغیرہ تو ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا مطلقاً درست نہیں۔ (القول البدیع ص ۱۹۵) جبکہ جو حضرات عمل کرتے ہیں، وہ شرطیں لگاتے ہیں،

Marfat.com

چنانچہ امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔(احکام الاحکام ۱۷۱/۲) وہ شرطیں کیا ہیں؟ امام سخاویؒ اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان شرائط العمل بالضعيف ثلاثة : الاول متفق عليه ان يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفراد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني ان يكون مندرجا تحت اصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له اصل اصلا، الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبي صلى الله عليه وسلم ما لم يقله (القول البدیع ص ۱۸۵)

''ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ اول جو تمام حضرات محدثین کے مابین متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو، لہٰذا جس حدیث کے نقل کرنے میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ عام قاعدہ کے تحت درج ہو۔ اس سے وہ حدیث خارج ہوگئی جس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کرلیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں مفقود ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔ اور آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے، کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجہ اول کی متواتر حدیث 'من كذب علي' کے بظاہر خلاف ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

واما العمل بالضعيف في فضائل الاعمال فدعوى الاتفاق فيه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروط بان لا يكون الحديث

Marfat.com

ضعيفا شديد الضعف فان كان كذلك لم يقبل فى الفضائل ايضا
(الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة ص ۳۱۰)

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ سابقہ شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہوگی تو ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔

علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں:

يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكون موضوعا۔ (القول البدیع ص ۱۹۵)

''جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ موضوع اور جعلی نہ ہو۔''

حافظ ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں:

وان كان ضعيفا لا يدخل فى حيز الموضوع فان احدث شعارا فى الدين منع منه وان لم يحدث فهو محل نظر۔ (احکام الاحکام ۵۱/۱)

''اگر ضعیف حدیث ہو بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو تو اس پر عمل جائز ہے لیکن اگر اس سے دین کے اندر کوئی شعار قائم اور پیدا ہوتا ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، ورنہ اس پر غور کیا جائے گا۔''

خلاصہ یہ نکلا کہ فضائل اعمال میں ہر ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے حضرات محدثین کے نزدیک چند شرطیں ہیں۔ اور جو حدیث موضوع اور جعلی ہو، اس پر کسی حالت اور کسی صورت میں عمل جائز نہیں ہے، نہ فضائل اعمال میں اور نہ ترغیب وترہیب وغیرہ میں۔[۱۸]

ضعیف روایت سے متابعت

تدریب الراوی ص ۲۸، الحبل المتین ص ۱۷، التعلیق الحسن ۸۷/۲، ابکار المنن ص ۱۷۹ و ۱۳۱،

Marfat.com

مقدمہ نووی ص ۱۶، میزان الاعتدال ۱/ ۳ اور انہاء السکن مقدمہ اعلاء السنن ص ۲۴ میں ہے کہ ضعیف روایت سے تائید ہوسکتی ہے اور اس بات پر محدثین کا اتفاق ہے۔[19]

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تعدد طرق سے جبر نقصان ہو جائے گا اور حدیث حسن لغیرہ کے درجے کو پہنچ جائے گی، مگر یہ باطل ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''وحدیثے کہ دراں ضعف ازروئے کذب یا ترک یا جہالت راوی آمدہ است، ایں چنیں حدیث باوجود تعدد طرق درخور اخذ وعمل نیست خواہ در احکام باشد خواہ در فضائل اعمال''

(دلیل الطالب ص ۸۸۴)

''ایسی حدیث جس میں راوی کے جھوٹا یا متروک یا مجہول ہونے کی وجہ سے ضعف پایا جائے، اس طرح کی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہونے کے باوجود قابل قبول اور قابل عمل نہیں ہے، چاہے احکام سے متعلق ہو یا فضائل اعمال سے۔''

نواب صاحب کے کلام نے یہ بات بالکل آشکارا کر دی ہے کہ وہ روایات جن میں کذاب، دجال، متروک اور مجہول و مستور راوی ہوں، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، مگر باوجود تعدد طرق کے نہ تو اثبات احکام کے لیے وہ قابل التفات ہوسکتی ہیں، اور نہ فضائل اعمال کے لیے۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھائی جائے۔* [20]

---

* علامہ زیلعی جہر بالبسملۃ کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحادیث الجهر وان کثرت رواتها لكنها كلها ضعيفة وكم من حديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف كحديث الطير وحديث الحاجم والمحجوم وحديث من كنت مولاه فعلي مولاه بل قد لا يزيد الحديث كثرة الطرق الا ضعفا (نصب الرایہ ۱/ ۳۶۰)

''بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کی احادیث کے راوی اگرچہ کثیر ہیں لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں، اور کتنی ہی حدیثیں ایسی ہیں جن کے راوی کثیر اور طرق متعدد ہیں لیکن وہ حدیث ضعیف ہے، جیسے حدیث طیر اور حدیث 'الحاجم والمحجوم' اور حدیث 'من كنت مولاه فعلي مولاه'۔ بلکہ بعض دفعہ تو طرق کی کثرت الٹا حدیث کے ضعف میں ہی اضافے کا باعث بن جاتی ہے۔''

Marfat.com

o تقریب النواوی میں ہے کہ 'واذا قالوا متروك الحديث او واهيه او كذاب فهو ساقط لا يكتب حديثه (ص۲۳۳)''جب محدثین کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ اس کی روایت لکھی بھی نہیں جا سکتی۔'' اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ 'ولا يعتبر به ولا يستشهد' (ص ۳۳۳)'' ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شاہد کے لیے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔'' [۲۱]

Marfat.com

تصحیح وتضعیف سے متعلق چند اہم نکات

سند کی اہمیت

علم حدیث اور دین کے سلسلے میں سند بڑی اہم اور ضروری چیز ہے۔ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں: 'ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم' (شمائل ترمذی ص ۳۰) یعنی یہ احادیث دین ہیں، اس لیے تم احتیاط برتو کہ کن لوگوں سے دین کی روایت کو قبول کر رہے ہو۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: 'الاسناد سلاح المومن' (تدریب الراوی ص ۳۵۹) یعنی سند، مومن کا ہتھیار ہے۔ امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں: 'الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء' (مسلم ۱۲/۱) یعنی سند بھی دین کا حصہ ہے، اور اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا، کہہ دیتا۔[۲۲]

تصحیح وتضعیف اجتہادی امر ہے

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جس طرح فقہائے کرام نے استنباط مسائل میں تفقہ واجتہاد سے کام لیا ہے، اسی طرح محدثین عظام بھی احادیث کی تصحیح وتضعیف میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ جس طرح فقہا کے اجتہاد میں غلطی کا وقوع ممکن ہے، اسی طرح محدثین کے اجتہاد میں بھی غلطی غیر اغلب نہیں ہے اور کوئی اہل علم اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ امام بخاری نے حسن قسم کی حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھا، مگر جمہور امت ان کے اس اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے۔[۲۳]

Marfat.com

تصحیح وتضعیف میں مختلف اہل علم کا مقام

○ تدریب الراوی ص ۳۱ اور مقدمہ ابن الصلاح ص ۹ میں ہے کہ تساہل میں ابو حاتم اور ابن حبان کی صحیح، مستدرک حاکم کے قریب ہیں۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے کہ امام ابن حبان بستی تساہل میں امام حاکم کے قریب ہیں۔ (ص ۲۴) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے اور اسناد اور متون کے نظیف ہونے کے اعتبار سے یہ، امام حاکم کی مستدرک سے کہیں بہتر ہے۔ (الرسالۃ المستطرفہ، ۲۱/۱) [۲۴]

○ علامہ آلوسی ایک حدیث کے بارے میں جسے ابن عبد البر *اور عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے، لکھتے ہیں کہ حافظ ابن رجب نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس کو ضعیف بلکہ منکر قرار دیا ہے۔ (روح المعانی ۵۷/۲۱) تاہم حافظ عبد الرحمٰن بن شہاب الدین ابن احمد بن رجب الحنبلی اپنے مقام پر بلاشبہ تبحر عالم ہیں، لیکن فن حدیث اور روایت حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح میں ان کا وہ مقام نہیں جو حافظ ابن عبد البر اور امام عبد الحق اشبیلی کا ہے۔ وہ دونوں اقدم ہونے کے علاوہ اس فن میں ان سے اعلم بھی ہیں اور (اس حدیث کی تصحیح میں) حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم وغیرہ بے شمار محدثین ان کی تائید کر رہے ہیں۔ [۲۵]

○ علامہ عبد الرحمٰن بن الجوزی کی کتابیں اغلاط سے پر ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ 'کان کثیر الغلط فی ما یصنفه ... وله وهم کثیر فی توالیفه' (تذکرۃ الحفاظ ۱۳۶/۴) یعنی ان کی تصنیفات اور تالیفات میں بے پناہ غلطیاں اور بہت زیادہ اوہام موجود ہیں۔

ابن الجوزی بڑے متشدد تھے۔ وہ حسن بلکہ صحیح حدیثوں کو بھی جعلی قرار دے دیتے تھے، چنانچہ ان کے متشدد ہونے کا شکوہ الآثار المرفوعۃ ص ۳۳۱ المنضمۃ مع امام الکلام میں موجود ہے۔ امام

* علامہ ابن دحیۃ الکلبی (المتوفی ۶۳۳ھ) امام ابن عبد البرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: 'وکم له فی توالیفه علی جلالة قدره من احادیث حکم بصحتها وهی اوهی من نسج العنکبوت' (کتاب اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب، ص ۱۱) یعنی انھوں نے اپنی جلالت قدر کے باوجود اپنی تالیفات میں بہت سی ایسی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

Marfat.com

نووی لکھتے ہیں کہ انھوں نے بہت سی ایسی حدیثیں کو جعلی قرار دیا ہے، جن کے موضوع ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (تقریب مع التدریب ص ۱۸۱) امام سیوطی لکھتے ہیں کہ انھوں نے حسن بلکہ صحیح مسلم (۳۸۳/۲) کی ایک حدیث (ان طالت بك مدة اوشك ان ترى قوما يغدون في سخط الله) کو بھی موضوع کہہ دیا ہے۔ (تدریب ص ۱۸۲،۱۸۱)* [۲۶]

---

*ابن الجوزی کے تشدد کے متعلق مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

اقول: مراد ابن الجوزی من قوله "انه موضوع" ان نسبة الحديث الى النبي صلى الله عليه وسلم خطا وهو لايتوقف على كون الراوى متهما بالكذب والوضع فان الثقة قد ينسب الى النبي صلى الله عليه وسلم ما ليس من حديثه خطا لا عمدا، فيكون موضوعا على اصطلاح ابن الجوزى وان لم يكن كذلك على اصطلاح غيره، فلا يرد ما اورده السيوطى، وبهذا التحقيق يندفع كثير من تعقبات السيوطى وابن حجر وامثالهما عليه لان منشا تلك التعقبات هو حمل كلامه على ما هو المتعارف عندهم في معنى الموضوع وقد علمت ان مراده غير ذلك كما لا يخفى على من تتبع كلامه وقد يكون مستنده في هذا الحكم هو الذوق الصحيح وقد يكون غيره، فلا يستقيم رد كلامه بتوثيق الرواة والذين لم يتنبهوا لهذه الدقيقة جعلوه من المتشددين في الحكم بالوضع وردوا كلامه بما لا طائل تحته فاعرف ذلك (اعلاء السنن، ج ۱۶، ص ۸۲۴۶، ۸۲۴۷، طبع دار الفکر)

''ابن الجوزی کے اس قول سے کہ یہ حدیث موضوع ہے، مراد یہ ہے کہ اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں۔ اس فیصلے کا مدار راوی کے متہم بالکذب یا متہم بالوضع ہونے پر نہیں ہوتا، کیونکہ بسا اوقات ثقہ راوی بھی غلطی سے، نہ کہ جان بوجھ کر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ بات منسوب کر دیتا ہے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ ایسی روایت ابن الجوزی کی اصطلاح کے مطابق موضوع ہوگی، چاہے وہ دوسروں کی اصطلاح کے مطابق موضوع نہ ہو۔ چنانچہ سیوطی نے جو اعتراض اٹھایا ہے، وہ وارد نہیں ہوتا اور اس تحقیق کی روشنی میں ابن الجوزی پر سیوطی اور

Marfat.com

○ ابن الجوزی نے صلوٰۃ التسبیح کو موضوع قرار دیا ہے، لیکن ائمہ حفاظ نے بعض دیگر احادیث کی طرح اس حدیث کو بھی موضوعات میں شامل کرنے کی وجہ سے ابن الجوزی کی سخت تردید کی ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے صاف الفاظ میں تحریر کیا ہے:

وقد تعقب ابن الجوزی جمع ممن جاء بعده من نقاد المحدثین وبینوا ان حدیث صلوة التسبیح صحیح وحسن عند المحقق وان ابن الجوزی فی ذکره فی الموضوعات من المتساهلین (ص ۳۵۶)

''امام ابن الجوزی کے بعد آنے والے نقاد محدثین نے ان پر تنقید کی ہے اور واضح کیا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی حدیث محققین کے نزدیک صحیح یا حسن ہے اور ابن الجوزی اس کو موضوعات میں

ابن حجر اور دیگر حضرات کے اٹھائے ہوئے بہت سے اعتراض دور ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان اعتراضات کی بنیاد ابن الجوزی کے کلام کو ''موضوع'' کے معروف معنی پر محمول کرنے پر ہے، جبکہ تم جان چکے ہو کہ ابن الجوزی کی مراد یہ نہیں، جیسا کہ ان کے کلام کے تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اس فیصلے کی بنیاد بسا اوقات ذوق صحیح پر ہوتی ہے اور کبھی کسی اور چیز پر۔ اس لیے ابن الجوزی کے فیصلے کو راویوں کی توثیق ثابت کر کے رد کرنا درست نہیں۔ جنھوں نے اس نکتے کو نہیں سمجھا، انھوں نے ابن الجوزی کو وضع کا حکم لگانے میں متشدد شمار کیا ہے اور ان کی تردید ایسے انداز سے کی ہے جو بے فائدہ ہے۔ یہ نکتہ خوب جان لو۔''

ذوقی اعتبار سے وضع کا حکم لگانے کے متعلق لکھتے ہیں:

واما الحافظ ابن حجر فالظاهر من صنیعه انه انما حکم علیه بالوضع بمجرد ذوقه لانه لم یعین من وضعه ولم یتهم احدا من رواته، ومثله لا یکون حجة الا علی من شهد ذوقه بمثل ما شهد به (اعلاء السنن ج ۱۹، ص ۹۳۹۶)

''حافظ ابن حجر کے طرز عمل سے واضح ہے کہ انھوں نے اس روایت پر موضوع ہونے کا حکم محض اپنے ذوق کی بنیاد پر لگایا ہے، کیونکہ انھوں نے اسے وضع کرنے والے کی نشان دہی نہیں کی اور نہ راویوں میں سے کسی کو متہم کیا ہے۔ اس طرح کا فیصلہ (حکم لگانے والے کے علاوہ) اسی شخص پر حجت ہو سکتا ہے جس کا ذوق بھی یہی گواہی دے۔''

Marfat.com

درج کرنے کی وجہ سے خطا کاروں میں سے ہیں۔''

مولانا عبدالحی لکھنوی نے الآثار المرفوعہ ص ۳۵۳ تا ۳۷۴ تقریباً بیس صفحات میں صلوٰۃ التسبیح کی حدیث پر طویل علمی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی حدیث حضرت عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابورافعؓ، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض کی اسانید نہایت کمزور، بعض کی محض ضعیف ہیں اور بعض میں کذاب راوی ہیں، لیکن بعض احادیث حسن بلکہ صحیح بھی ہیں۔ جن حضرات محدثین کرام نے صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کو (بعض اسانید یا تعدد طرق کی وجہ سے) صحیح یا حسن قرار دیا ہے، ان میں محدث ابن مندہ، امام آجری، علامہ خطیب، امام سمعانی، حافظ ابوموسیٰ المدینی، امام ابوالحسن بن مفضل، امام منذری، امام ابن الصلاح، امام نووی، امام دیلمی، امام بیہقی، امام مسلم، حافظ ابن حجر، حافظ علائی، الشیخ سراج الدین البلقینی، امام ابن المدینی، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم، امام دارقطنی اور علامہ زرکشی وغیرہ چوٹی کے محدثین کرام شامل ہیں۔ [۲۷]

○ امام عبدالحق الازدی الاشبیلی کو علامہ ذہبی الحافظ، العلامۃ اور الحجۃ لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۳۹) اور حافظ ابوعبداللہ الابار فرماتے ہیں:

کان فقیها حافظا عالما بالحدیث و علله عارفا بالرجال

(تذکرہ ۴/۱۴۰)

''وہ فقیہ، حافظ، حدیث اور اس کی علتوں کے عالم اور راویوں کو جاننے والے تھے۔'' [۲۸]

○ علامہ ہیثمی نرے ناقل اور جامع ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کا قوی ملکہ عطا فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرام اس سلسلے میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ [۲۹]

○ بلاشبہ امام سیوطی متساہل تھے، لیکن علامہ نورالدین ہیثمی اور علامہ زرقانی کا تساہل ثابت

Marfat.com

نہیں۔اسی طرح مولانا سید محمد انور شاہ صاحب اور مولانا عثمانی دور حاضر کے محقق علما میں تھے، نرے لکیر کے فقیر نہ تھے۔مولف ندائے حق ص ۳۷ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کو رئیس المحدثین اورابن حجر ثانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔[۳۰]

○ بلاشبہ حضرت شیخ الحق محدث دہلوی اپنے دور کے وسیع النظر عالم اور خادم دین تھے لیکن حدیث کی تصحیح وتحسین صرف ان محدثین کرام کا کام ہے جو ائمہ جرح وتعدیل میں ہوں، نہ تو متشدد ہوں اور نہ متساہل ہوں کیونکہ 'لکل فن رجال'۔[۳۱]

○ علامہ عزیزی تصحیح اور تحسین کے باب میں خاصے متساہل ہیں اور محدثین کرام کے نزدیک جس طرح متشدد اور متعنت کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی، اسی طرح متساہل کی بات بھی قابل التفات نہیں ہوتی۔[۳۲]

○ نورالدین حلبی رطب ویابس لکھنے والے ایک متاخر مورخ اور وقائع نگار صوفی ہیں، حدیث کی تصحیح اور تحسین وغیرہ میں ان کی بات کسی طرح حجت نہیں۔علامہ ابن الجوزی کا مقولہ ہے کہ 'اذا وقع فی الاسناد صوفی فاغسل یدیك منه' (العرف الشذی ص۴۶) کہ جب سند میں کوئی صوفی آجائے تو اس سے ہاتھ دھوڈالو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات حسن ظن سے کام لیتے ہیں اور نقد وجرح اور پرکھ کا مادہ ان میں نہیں ہوتا، جبکہ ائمہ جرح وتعدل تو ہندی کی چندی اور بال کی کھال اتار کر بات کو صاف اور منقح کر کے چھوڑتے ہیں اور ان کی اس فن میں اہلیت بھی ہوتی ہے، اس لیے نورالدین حلبی کا حضرات محدثین کے مقابلے میں روایت کی تصحیح کرنا یا کسی بے اصل اور بے سند حدیث کو قابل احتجاج گردانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔[۳۳]

○ صاحب روح البیان نے ایک روایت کو، جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسجد میں جمع ہو کر باجماعت اور بلند آواز سے ذکر کرنے والوں کو مبتدع قرار دینا مروی ہے، جھوٹ اور افترا کہا ہے۔(روح البیان، ۲/ ۲۴۳) لیکن ان کا قول سرے سے قابل التفات ہی نہیں۔وہ تو موضوع اور جعلی حدیثوں کو صحیح اور صحیح احادیث کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔پھر حدیث کی تصحیح اور تضعیف ان کا مقام ہی نہیں۔یہ مسلم محدثین اور صاحب بصیرت فقہا کا کام ہے۔صاحب

Marfat.com

روح البیان تو ایک صوفی مزاج مفسر ہیں، جنھوں نے رطب و یابس سبھی کچھ تفسیر میں جمع کر دیا ہے۔ (دیکھیے اکسیر، ص ۸۲) ان کو احادیث کی تصحیح کا مقام کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گیا؟ [۳۴]

o امام ابو اللیث اگرچہ ایک بہت بڑے فقیہ ہیں مگر فن روایت اور حدیث میں تو حضرات محدثین کرام کی طرف رجوع کیا جائے گا، لہٰذا ان کی پیش کردہ روایت کو اسماء الرجال کی کتابوں سے پرکھ کر دیکھیں گے، کیونکہ یہی وہ فن ہے جو حدیث کا محافظ ہے۔ [۳۵]

o حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری ص ۴ میں لکھتے ہیں کہ ہم فتح الباری میں جو حدیث بغیر گرفت کے نقل کریں گے، وہ صحیح یا حسن ہو گی۔ [۳۶]

o علامہ آلوسی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے بارے میں جس میں ذکر ہے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے لا الہ الا اللہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ میں تمھیں بدعتی سمجھتا ہوں، یہ کہا ہے کہ یہ ائمہ حفاظ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ (روح المعانی ۱۶/ ۱۶۳) لیکن نہ تو انھوں نے عدم صحت کی کوئی معقول اور صریح وجہ بیان کی ہے اور نہ حفاظ محدثین کے نام ہی بتائے ہیں۔ ممکن ہے یہ حفاظ محدثین امام خطیب بغدادی اور امام ابن الجوزی جیسے متشدد حضرات ہوں جو صحیح اور حسن قسم کی حدیثوں کو بھی موضوع قرار دیا کرتے ہیں۔ * [۳۷]

---

* علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تصحیح و تضعیف کے حوالے سے ایک اصولی نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متاخرین کی تحسین اور تصحیح متقدمین کی تحسین کے برابر نہیں کیونکہ متقدمین رواۃ حدیث کے زمانے کے قریب ہونے کی وجہ سے ان کے احوال سے زیادہ واقف تھے۔ چنانچہ وہ جو بھی حکم لگاتے، پوری تحقیق اور باریک بینی کے ساتھ لگاتے تھے، جبکہ متاخرین کے پاس رواۃ کے بارے میں جو علم ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے اصل چیز کے غائب ہو جانے کے بعد اس کا نشان، کیونکہ وہ راویوں کے حالات کتابوں میں دیکھ کر حکم لگاتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ ایک تجربہ کار اور حکیم کے مابین کیا فرق ہے! متقدمین کے پاس راویوں کے بارے میں براہ راست جو علم تھا، اس کے مقابلے میں کتابوں میں لکھا ہوا علم جو متاخرین کو میسر ہے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ متقدمین کو براہ راست راویوں سے سابقہ پڑا ہے اور وہ کسی اور سے پوچھنے اور لوگوں کی نقل کی ہوئی باتوں کا سہارا لینے سے بے نیاز تھے۔ وہی راویوں کو سب

Marfat.com

علما کا تعصب اور جانب داری

o علامہ خطیب بغدادی نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلے میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت کے بارے میں حضرت انس کی درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں اور اس پر بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں:

ما زال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقنت فی صلوة الصبح حتی مات۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تادم وفات صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔''

امام ابن الجوزی الحنبلیؒ جوش میں آ کر تحریر فرماتے ہیں:

وسکوته عن القدح فی هذا الحدیث واحتجاجه به وقاحة عظیمة وعصبیة باردة وقلة دین لانه یعلم انه باطل (نصب الرایہ ۲/۱۳۶)

''خطیب بغدادی کا اس روایت پر سکوت کر جانا اور اس سے احتجاج کرنا بڑی کمینگی اور نرا تعصب اور کم دینی ہے، کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔''

اور علامہ ذہبی الحنبلیؒ نے بھی ان کی اس اخلاقی پستی کا رونا رویا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

احمد بن علی بن ثابت الحافظ ابوبکر تکلم فیه بعضهم وهو وابو نعیم وکثیر من العلماء المتاخرین لا اعلم لهم ذنبا اکبر من روایتهم الاحادیث الموضوعة فی تالیفهم غیر محذرین منها وهذا اثم وجنایة علی السنن فالله یعفو عنا وعنهم

سے زیادہ جاننے والے تھے، لہٰذا انھی کی بات قابل اعتبار ہے۔ چنانچہ اگر تم دیکھو کہ مثال کے طور پر نووی کسی حدیث میں کلام کرتے ہیں جبکہ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے تو لازم ہے کہ ترمذی کی رائے کو اختیار کرو۔ حافظ ابن حجر کی امام ترمذی کی تحسین کو قبول نہ کرنے کی رائے اچھی نہیں ہے، کیونکہ ابن حجر کا سارا دارومدار (محدثانہ) قواعد پر ہے جبکہ ترمذی کے فیصلے کی بنیاد ذوق اور وجدان صحیح پر ہے اور یہی اصل علم ہے۔ قواعد کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں لاٹھی۔'' (فیض الباری ۶/۲۱۶)

Marfat.com

(الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بمالا یوجب ردہم ص ۱۱)

''علامہ خطیب بغدادی اور ابونعیم اور بہت سے علما متاخرین کا گناہ، میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے ہیں اور یہ گناہ ہے اور سنت وحدیث پر ایک جنایت اور ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو معاف فرما دے۔'' [۳۸]

○ شیخ الاسلام ابن تیمیہ القاعدۃ الجلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی تعصب سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کیے بغیر ان کو چین نہ آئے۔ (دیکھیے بغیۃ الالمعی ۸/۲) امام بیہقی ایک مقام پر صلوٰۃ وتر کے عدم وجوب پر عاصم بن ضمرہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ۸/۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: 'عاصم بن ضمرة ليس بالقوی' (ایضاً ۱۷۳/۲) ایک سند کے متعلق جس میں جواب تیمی ہے، لکھتے ہیں: 'رواته كلهم ثقات'، کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ ۷۶/۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: 'جواب التيمي غير قوی' (۳۳۵/۵) جواب تیمی قوی نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں: ''امام بیہقی اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا۔'' (تحقیق الکلام ۳۲/۲)

بلاشبہ ان اکابرین کا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کے علاوہ اپنے پیارے نبی کی پیاری حدیثیں بھی امت تک پہنچائیں اور ساری عمریں اس خدمت میں صرف کر دیں، لیکن تحقیق وتفحص کے میدان میں جب قدم آگے بڑھایا تو بسا اوقات کسی راوی اور حدیث کے متعلق ان کو نظریہ بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنی سابق رائے کو ترک کرنا پڑا اور کسی موقع پر بمقتضائے بشریت فروعی مسائل میں تعصب سے بھی کام لیا گیا، لیکن حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر معصوم کون ہے؟ اور تکوینی طور پر بغیر اس تنازع کے احادیث کی چھان بین بھی کہاں ہو سکتی تھی؟ باوجود اس جزوی اور فروعی اختلاف کے ہمارے لیے وہ قابل صد احترام ہیں۔ جہاں انھوں نے سونے کی بوریاں کمائیں، مٹھی خاک کی بھی ان

Marfat.com

میں ڈال دی، مگر ہمارے پاس نیکیوں کا کون سا ذخیرہ ہے؟ اس لیے ہمیں اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کی غرض سے چن چن کر ان کی خطائیں اور لغزشیں ملانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ [۳۹]

حدیث اور تاریخ کے الگ الگ دائرے

○ محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے، لیکن محدثین اور ارباب جرح وتعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق سے مغازی کی باتیں تو لکھی جا سکتی ہیں، لیکن جب حلال وحرام کا مسئلہ ہو تو ہم ایسے لوگوں کے طالب ہوں گے، اور امام احمد نے ہاتھ کی انگلیوں قبض کر کے مٹھی بنالی۔ (الترغیب والترہیب ۴/ ۲۹۰۔ فتح المغیث ص ۱۲۰) قانون الموضوعات ص ۲۸۸ میں ہے کہ محمد بن اسحاق کے قابل احتجاج ہونے میں اختلاف ہے، لیکن جمہور کے نزدیک سیرت میں اس کی بات قابل قبول ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۱۶۴ میں ہے کہ جس بات پر عمل مقرر ہو چکا ہے، وہ یہ ہے کہ مغازی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے معاملے میں ابن اسحاق کی بات مانی جائے گی، اگرچہ وہ بعض شاذ چیزیں بھی پیش کرتا ہے۔ [۴۰]

○ ابو معشرؒ کو بعض محدثین روایت حدیث میں کمزور سمجھتے تھے، مگر امام احمد ان کو صالح محلہ الصدق کہتے تھے۔.... ان کے متعلق یہ اختلاف صرف روایت حدیث کے بارے میں ہے۔ فن تفسیر میں وہ بلا اختلاف اور بلا مدافعت مسلم امام تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، امام علی بن المدینی، اور عمرو بن علی الفلاس وغیرہ ائمہ کہتے ہیں کہ ابو معشر کی وہ روایات جو تفسیر کے سلسلے میں ہیں اور خاص طور پر وہ جو محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں، وہ بلا چون وچرا صحیح، معتبر اور قابل حجت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱۰/ ۴۲۰، ۴۲۱ محصلہ) اسی طرح محدثین نے ان کی تاریخی روایت کو حجت مانا ہے۔ امام خلیلیؒ فرماتے ہیں: و تاریخه احتج به الائمة وضعفوه فی الحدیث (تہذیب التہذیب ۱۰/ ۴۲۲) اور ان سے تاریخ میں ائمہ نے احتجاج

Marfat.com

کیا ہے اور حدیث میں اس کو ضعیف سمجھا ہے، جیسا کہ محمد بن اسحاق کہ حدیث احکام میں ضعیف ہے مگر مغازی کا امام ہے۔ اس کے احادیث احکام میں ضعیف ہونے سے اس کے تاریخ میں معتبر ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی۔[۴۱]

تصحیح وتضعیف میں تعارض

جامع ترمذی میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فرایته عزو جل وضع کفه بین کتفی فوجدت برد انامله بین ثدیی فتجلی لی کل شئ وعرفت

''میں نے اپنے رب عزو جل کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت میری پشت پر رکھا جس سے میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اس وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ جان لیا۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ 'هذا حدیث حسن صحیح سالت محمد بن اسمعیل عن هذا الحدیث فقال صحیح'۔ لیکن اول تو امام ترمذی نے امام بخاری سے جو تحسین وتصحیح نقل کی ہے، وہ ترمذی کے متن میں نہیں، بلکہ حاشیہ پر ایک نسخے کا حوالہ دے کر یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ اس روایت کی سَند میں عبدالرحمٰن بن عائش الحضرمی ہے جس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ

له حدیث واحد الا انهم یضطربون فیه وقال الذهبی وحدیثه عجیب وغریب (تہذیب ۲۰۶/۶۔ میزان الاعتدال ۱۰۸/۲)

''ان سے صرف حدیث روٗیت ہی منقول ہے مگر حضرات محدثین کرام اس میں اضطراب کرتے ہیں اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث بڑی عجیب وغریب ہے۔''

مضطرب حدیث فن اصول حدیث کی رو سے ضعیف ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے امام بخاری کی تصحیح وتحسین خود متعارض ہو کر ساقط ہو جائے گی۔[۴۲]

Marfat.com

اصل ماخذ سے مراجعت ضروری ہے

○ مشکوٰۃ ۵۴۴/۲ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک میت کو دفن کیا اور اس سے فارغ ہوئے تو 'استقبله داعی امراته' ،میت کی بیوی کا ایک قاصد آپ کو کھانے کی دعوت دینے آیا۔لیکن یہاں 'امراته' کا نسخہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم یا کسی کاتب کی غلطی ہے۔اصل الفاظ داعی امراة ہیں کہ کسی عورت کے قاصد نے آپ کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ یہی روایت ابوداؤد ۱۱۷/۲، مشکل الآثار ۱۳۲/۲، المعتصر ص ۱۶۹، شرح معانی الآثار ۳۲۰/۲، دارقطنی ۵۴۵/۲، مسند احمد ۲۹۳/۵، السنن الکبریٰ ۹۷/۶، عقود الجواہر المنیفه ۶۲/۲، الخصائص الکبریٰ ۱۰۳/۲، متدرک حاکم ۲۳۴/۴، المحلی لابن حزم ۴۱۵/۷، عون المعبود ۲۴۹/۳ اور بذل المجہود ۲۳۹/۴ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے اور ان تمام میں 'امراة' کے الفاظ ہیں اور یہی صحیح ہے۔[۴۳]

○ صاحب مشکوٰۃ نے ۷۷/۱ میں حضرت ابن مسعود کی روایت کے بعد جو یہ نقل کیا ہے کہ 'قال ابوداود: لیس هو بصحیح علی هذا المعنی' تو یہ ان کا نرا وہم ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود کی یہ روایت ابوداؤد ۱۰۹/۱ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ یہ الفاظ حضرت براء بن عازب کی روایت سے متعلق ہیں جو ابوداؤد ۱۱۰/۱ میں ہے۔عون المعبود کے نسخے میں ابن مسعود کی حدیث کے ذکر کے بعد لکھا ہے:'قال ابو داود هذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس هو بصحیح علیٰ هذا اللفظ' (۱۰۹/۱)۔صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ یہ عبارت میرے پاس موجود دو قدیم نسخوں میں لکھی ہے،لیکن ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔جب عام اور متداول نسخوں میں یہ عبارت نہیں تو شاذ اور غیر مطبوعہ نسخوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔[۴۴]

○ علامہ عثمانی نے مشکوٰۃ کے حوالے سے مسلم کا ذکر کیا ہے اور فتح الملہم ۶/۲ ۱۷ میں جب مسلم کی اس حدیث کو نقل کر کے اس کی تشریح کی ہے تو اس میں 'بصوته الاعلیٰ' کا جملہ مذکور نہیں اور شرح میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔علامہ طحطاوی وغیرہ نے ضرور مسلم کا نام لیا ہے لیکن ایسا لگتا ہے

Marfat.com

کہ انھوں نے بھی مشکوۃ وغیرہ پر ہی اعتماد کیا ہے، مسلم کی طرف رجوع نہیں کیا۔ یہ روایت مسند احمد ۵/۴، ابوداؤد ۱/۲۱۱ اور نسائی ۱/۱۵۰ میں بھی ہے مگر 'بصوته الاعلیٰ' کے الفاظ ان میں بھی موجود نہیں۔ اسی طرح امام بیہقی نے السنن الکبریٰ ۲/۱۸۵ میں، علامہ ابن الجارود نے المنتقیٰ/۳۱۶ میں، امام ابن قدامہ نے المغنی ۱/۵۵۹ میں اور امام نووی نے ریاض الصالحین ص ۵۶۰ میں مسلم وغیرہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے مگر کسی نے 'بصوته الاعلیٰ' کے الفاظ نقل نہیں کیے۔[۴۵]

○ علامہ آلوسی حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر ہی وصح عن ابی الزبیر نقل کرتے ہیں۔ بظاہر انھوں نے مسلم کی طرف مراجعت نہیں کی ورنہ بخوبی دیکھ لیتے کہ اس میں 'بصوته الاعلیٰ' کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ غالباً انھوں نے کتاب الام اور مشکوۃ وغیرہ کی روایت سے مغالطہ کھایا ہے اور سند کی طرف بالکل مراجعت نہیں کی، ورنہ معاملہ بالکل واضح ہو جاتا۔[۴۶]

○ ابن القیم کی جلاء الافہام ۶۳ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ 'لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان'۔ ''جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، وہ جہاں بھی ہو، مجھ تک اس کی آواز ضرور پہنچتی ہے۔

حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اصل حدیث میں 'صوته' نہیں بلکہ 'صلوته' کے الفاظ ہوں، اور کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہو۔ (بوادر النوادر ص ۲۷۳) یہ بات بالکل درست اور صحیح ہے۔ نیل الاوطار ۳/۲۶۴ میں حضرت ابوالدرداء کے طریق سے طبرانی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی گئی ہے اور اس میں 'بلغتنی صلوته' کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح امام سخاوی طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے یہ روایت 'بلغتنی صلوته' کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۱۹) جس سے بالکل واضح ہو گیا کہ اصل روایت میں 'صلوته' تھا مگر کتابت کی غلطی سے 'صوته' بن گیا۔[۴۷]

جید، قوی اور ثابت کی اصطلاحات

○ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) محدثین کرام کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارقام

Marfat.com

فرماتے ہیں:

من الالفاظ المستعملة عند اهل الحديث فی المقبول : الجيد والقوی والصالح والمعروف والمحفوظ والمجود والثابت۔

(تدریب الراوی،ص۱۰۴)

''علماے حدیث کے ہاں حدیث مقبول کے لیے جید،قوی،صالح،معروف،محفوظ،مجوداور ثابت کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام کے نزدیک جید،قوی اور ثابت وغیرہ الفاظ ایک ہی درجہ کے ہیں اور یہ الفاظ حدیث مقبول کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

آگے امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

والمجود والثابت يشملان ايضا الصحيح (تدریب الراوی،ص۱۰۵)

''لفظ'مجود'اور'ثابت'میں حدیث صحیح بھی شامل ہے۔''

اس سے بصراحت یہ بات واضح ہوگئی کہ'صحیح'اور'ثابت'کے الفاظ ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتے ہیں،ان میں استعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔[۴۸]

o جیداور صحیح، ان دونوں لفظوں میں کوئی خاص اصولی فرق نہیں ہے، چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

ان ابن الصلاح يرى التسوية بين الجيد والصحيح ولذا قال البلقينی بعد ان نقل ذلك من ذلك يعلم ان الجودة يعبر بها عن الصحة وفی جامع الترمذی فی الطب هذا حديث جيد حسن وكذا قال غيره، لا مغايرة بين جيد وصحيح عندهم الا ان الجهبذ منهم لا يعدل عن صحيح الى جيد الا لنكتة كان يرتقى الحديث عنده من الحسن لذاته ويتردد فی بلوغه الصحيح فالوصف به انزل رتبة من الوصف بصحيح وكذا القوی (تدریب الراوی،ص۱۰۴)

Marfat.com

''امام ابن الصلاح جید اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اسی لیے بلقینی نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا کہ صحت کی تعبیر جودت سے کی جاسکتی ہے۔ اور ترمذی نے ابواب الطب میں ایک جگہ کہا ہے کہ یہ حدیث جید اور حسن ہے۔ اور اسی طرح دوسروں نے بھی کہا ہے۔ محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر ان میں سے جب بھی کوئی ماہر بجائے صحیح کے جید کہے گا تو اس میں کوئی نکتہ ہوگا۔ مثلاً اس کے نزدیک وہ روایت حسن لذاتہ سے تو اوپر ہوگی مگر اس کے صحیح کہنے میں تردد ہوگا، اس لیے وہ بجائے صحیح اور قوی کے جید کا لفظ اس پر اطلاق کرے گا۔''

الغرض جید اور صحیح ایک ہوں یا جید، صحیح سے نیچے اور حسن لذاتہ سے اوپر ہو، جمہور محدثین کے نزدیک اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن الصلاحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ دونوں ایک ہیں اور اس نظریے میں دیگر محدثین کرام بھی ان کے ہم نوا ہیں، جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

ومتی قالوا ھذا حدیث صحیح فمعناہ انہ اتصل سندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ (مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۰)

''جب محدثین یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند متصل ہے مع مذکورہ اوصاف کے جو صحت کے لیے ضروری ہیں۔''

اور جو حضرات صحیح اور جید میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کے لیے نکتہ بیان کرتے ہیں تو وہ بھی جید کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام دیتے ہیں اور جمہور محدثین کرام کے نزدیک حدیث حسن بھی حجت اور قابل استدلال ہے۔[۴۹]

○ امام ترمذی فرماتے ہیں: 'قال محمد بن اسماعیل احسن شئ فی ھذا الباب حدیث رباح بن عبد الرحمن'۔ یہاں 'احسن شئ' کا مفہوم یہ نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، بلکہ یہ ہے کہ کمزور روایات میں سے یہ اچھی ہے، جیسے اندھوں میں کانا راجہ ہوتا

Marfat.com

ہے۔اس سے فی نفسہ صحت لازم نہیں آتی، یہ صحت اضافی ہے۔[۵۰]

چند متفرق فوائد

○ صاحب ہدایہ نے نماز تراویح کے بارے میں لکھا ہے: 'ان الخلفاء الراشدین واظبوا علی التراویح' ۔حافظ ابن حجر ان الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 'لم اجد' (الدرایہ ص ۱۲۳) یعنی مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ مگر یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے کیونکہ صاحب ہدایہ 'ان الخلفاء الراشدین واظبوا علی التراویح' کے الفاظ سے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دے رہے بلکہ حضرات خلفائے راشدین کے تعامل کا ذکر کر رہے ہیں اور وہ اپنی جگہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس کا انکار روز روشن کا انکار ہے جو عقلاء کے نزدیک مسموع نہیں ہے۔[۵۱]

○ دنیا کی عمر کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔علامہ محمد طاہر الحنفی فرماتے ہیں کہ تمام مرفوع حدیثیں ضعیف ہیں۔(تذکرۃ الموضوعات ص ۲۲۳) علامہ سیوطی بھی مرفوع روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔(اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ۲/ ۴۴۳) حافظ ابن القیمؒ اور ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں:

> ومنها مخالفة الحديث لصريح القرآن كحديث مقدار الدنيا وانها سبعة الاف سنة ونحن فى الالف السابعة وهذا من ابين الكذب (المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص ۸۰۔ موضوعات کبیر ص ۱۱۸)

> ''جن قواعد سے احادیث کا جعلی ہونا ثابت ہوتا ہے، ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ حدیث صریح قرآن کے مخالف ہو، جیسا کہ یہ روایت کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ساتویں ہزارئیے میں ہیں۔ یہ حدیث واضح ترین جھوٹ ہے۔'' [۵۲]

○ حضرت ابو بکر کو وراثت جدہ کی بابت اور حضرت عمر کو حکم طاعون سے متعلق ناواقفی اور لاعلمی تھی۔حضرت ابن عمر نے مسح علی الخفین جیسے مسئلہ سے جس کا ثبوت متواتر احادیث اور تعامل امت سے ثابت ہے، لاعلمی ظاہر کی بلکہ انکار کیا، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ 'لان ابن عمر انكر المسح على الخفين مع قديم صحبته و كثرة روايته' (فتح الباری ۱/ ۲۴۵ طبع

Marfat.com

مصر) کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر نے مسح علی الخفین کا انکار کیا حالانکہ وہ پرانے صحابی اور کثیر الروایہ تھے۔ [۵۳]

o حضرت ملا علی القاریؒ (اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایت کے متعلق) فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر تک صحیح ہو گیا تو عمل کے لیے یہی کافی ہے کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم پر میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت لازم ہے۔ (موضوعات کبیر ص ۵۷) لیکن یہ حضرت ملا علی القاری کا وہم ہے، اس لیے کہ اگر واقعتاً یہ روایت حضرت ابوبکر تک موقوف بھی صحیح ہوتی، تب بھی حجت تھی مگر حضرت ابوبکر سے جو روایت منقول ہے، وہ مرفوع ہے اور اس کی سند سرے سے صحیح ہی نہیں، نہ یہ کہ مرفوع صحیح نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ مرفوع صحیح نہیں ہے، موقوف صحیح ہے اور عمل کے لیے کافی ہے، کیسے صحیح ہوا؟ ملا علی القاری کا وہم کوئی نئی چیز نہیں۔ امام عبداللہ ابن المبارک نے خوب کہا ہے کہ 'ومن ذا سلم من الوهم' (لسان المیزان ۱/۱۷) وہم سے کون بچ سکا ہے؟ [۵۴]

Marfat.com

مصادر:

[۱] احسان الباری، ص۳۲

[۲] شوق حدیث، ص۱۱ تا ۲۰

[۳] خزائن السنن، ۱/۱۱، ۱۲

[۴] خزائن السنن، ۱/۱۹۷

[۵] ازالۃ الریب، ص۳۹۸

[۶] توضیح المرام، ص۲۸ تا ۳۶

[۷] ارشاد الشیعہ، ص۱۹۵ تا ۱۹۷

[۸] تسکین الصدور، ص۲۴۴، ۲۴۵

[۸/۱] تسکین الصدور، ۳۹۳۔ المسلک المنصور، ص۱۵

[۹] خزائن السنن، ۲/۱۰۶

[۱۰] المسلک المنصور ص۱۶، ۱۷

[۱۱] تسکین الصدور، ص۱۱۲، ۱۱۳

[۱۲] احسن الکلام، ۱/۳۲۹

[۱۳] تسکین الصدور، ص۳۳۲-۳۳۴۔ خزائن السنن، ۳/۶۵

[۱۴] ازالۃ الریب ص۴۲۵۔ تبرید النواظر، ص۹۶

[۱۵] خزائن السنن ۱/۱۳۷، ۱۳۸

[۱۶] خزائن السنن ۲/۷۰

[۱۷] خزائن السنن ۱/۱۰۶، ۱۰۷۔ احسن الکلام ۲/۸۴

[۱۸] راہ سنت ص۲۴۰ تا ۲۴۳۔ اخفاء الذکر ص۲۱۔ تفریح الخواطر ص۳۶۵، ۳۶۶

[۱۹] الکلام الحاوی ص۸۴

Marfat.com

[۲۰] احسن الکلام ۲/ ۱۰۷، ۱۰۸

[۲۱] احسن الکلام ۲/ ۷۸

[۲۲] خزائن السنن، ۱/ ۱۳

[۲۳] مقام ابی حنیفہ ص ۲۶۵

[۲۴] الکلام الحاوی ص ۱۲۱

[۲۵] سماع الموتی ص ۲۰۸، ۲۰۹

[۲۶] اخفاء الذکر ص ۲۲ تا ۲۴

[۲۷] اخفاء الذکر ص ۲۲ تا ۲۴

[۲۸] سماع الموتی ص ۲۰۷

[۲۹] تسکین الصدور، ص ۲۴۵

[۳۰] تسکین الصدور، ص ۲۴۲

[۳۱] تفریح الخواطر، ص ۳۴

[۳۲] تفریح الخواطر، ص ۳۶۳، ۳۶۴

[۳۳] تفریح الخواطر، ص ۳۶۹

[۳۴] راہ سنت، ص ۱۲۸۔ ازالۃ الریب، ص ۲۲۶، ۲۲۷

[۳۵] راہ سنت، ص ۲۸۷

[۳۶] احسن الکلام ۱/ ۲۲۰

[۳۷] اخفاء الذکر ص ۷۲، ۷۳

[۳۸] مقام ابی حنیفہ ص ۲۵۴، ۲۵۵

[۳۹] احسن الکلام ۲/ ۱۱۶، ۱۱۷

[۴۰] احسن الکلام ۲/ ۷۷۔ الکلام الحاوی ص ۸۸، ۹۱، ۹۲

[۴۱] احسن الکلام ۱/ ۱۴۵، ۱۴۶

[۴۲] ازالۃ الریب ص ۵۱۸، ۵۱۹

Marfat.com

[۴۳] راہ سنت ص ۲۷۰
[۴۴] خزائن السنن ۲/۹۷
[۴۵] اخفاء الذکر ص ۱۱، ۱۲
[۴۶] اخفاء الذکر ص ۱۰
[۴۷] اخفاء الذکر ص ۴۲، ۴۶، ۴۷
[۴۸] تسکین الصدور، ص ۲۲۴
[۴۹] تسکین الصدور، ص ۳۲۹-۳۳۱
[۵۰] خزائن السنن ۱/۸۷
[۵۱] الکلام المفید، ص ۲۰۰
[۵۲] ازالۃ الریب ص ۲۲۶
[۵۳] احسن الکلام ۱/۱۲۳
[۵۴] راہِ سنت ص ۲۴۰

Marfat.com

ضمیمہ

علوم الحدیث سے متعلقہ اصطلاحات

[اصطلاحات کی توضیح پر مشتمل یہ حصہ بنیادی طور پر 'خزائن السنن' کے مقدمہ 'دفائن السنن' سے ماخوذ ہے۔اس کے علاوہ جن دیگر تصانیف سے اضافے کیے گئے ہیں، ان کے حوالے درج کر دیے گئے ہیں۔]

اثر: وہ روایت جس میں کسی صحابی یا تابعی کا قول اور فعل بیان ہوا ہو۔اس کی جمع آثار ہے۔

اجازۃ: حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ اگر استاد اپنی کتاب اور بیاض سے روایت کرنے کی شاگرد کو اجازت نہ دے تو وہ اس کتاب اور بیاض سے روایات بیان کرنے کا مجاز نہیں اور اس کی ایسی روایتیں قابل حجت نہیں ہو سکتیں۔(شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۰) [۱]

اجزا: جزء ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں ایک مسئلہ پر اس کے مثبت اور منفی پہلو کی احادیث جمع کر دی جائیں، جیسے جزء القراءۃ للبخاری، جزء رفع الیدین للبخاری، جزء الجهر ببسم الله للدارقطنی، جزء القراۃ للبیهقی اور جزء الجهر ببسم الله للخطیب البغدادی۔[۲]

اختلاف الحدیث: ایسی کتب ہیں جس میں ایک مضمون کی مختلف احادیث بیان کر کے ان کو تطبیق دی جائے جیسے اختلاف الحدیث للشافعی، مختلف الحدیث لابن قتیبہ، مشکل الآثار و شرح معانی الآثار للطحاوی۔[۳]

الاربعۃ: نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور عند الجمہور ابن ماجہ۔'السنن الاربعۃ' سے بھی یہی چار مراد

Marfat.com

ہوتی ہیں۔

اربعین: وہ کتاب ہے جس میں چالیس حدیثیں جمع کردی جائیں، ایک قسم سے متعلق ہوں یا متعدد اقسام سے، ایک سند سے متعلق ہوں یا متعدد اسانید سے، جیسے اربعین ابن مبارک، اربعین ابن دقیق العید اور اربعین نووی وغیرہ۔[۴]

اصح الاسانید: امام بخاری کا بیان ہے کہ اصح الاسانید یہ ہے: 'مالك عن نافع عن ابن عمر' (تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۴) اس سے زیادہ قوی سند فن حدیث میں تقریباً محال ہے۔[۵]

اطراف: وہ ایسی کتابیں ہیں جن میں کسی حدیث کا کوئی ایک حصہ ایسے انداز پر نقل کیا جائے جو باقی حدیث پر دال ہو، مثلاً 'انما الاعمال بالنیات'، یہ ٹکڑا بقیہ حدیث پر دال ہے۔ اس کی تمام اسانید جن جن سے یہ ثابت ہے، جمع کردیں یا کتب مخصوصہ کے ساتھ مقید کردیں، جیسے الاشراف علیٰ معرفة الاطراف لابن عساکر، تحفة الاشراف لابی حجاج المزی اور اطراف الکتب الستة لعبد الغنی المقدسی وغیرہ۔[۶]

اعتبار: کتب حدیث میں کسی روایت کے متابعات اور شواہد کی جستجو کا نام اعتبار ہے۔

امالی: یہ املا کی جمع ہے۔ وہ ایسی کتابیں ہیں کہ استاذ لکھوائے اور شاگرد لکھتے رہیں، جیسے امالی ابن حجر، امالی ابن شمعون، امالی ابن عساکر وغیرہ۔[۷]

تابعی: امام نووی فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جو صحابی کی رفاقت میں رہا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف اس سے ملا ہو اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ (تقریب، ص۴۱۶) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملا اور یہی قول مختار ہے۔ (شرح نخبة الفکر، ص۸۴) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ امام حاکم کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن الصلاح بھی اسی کو حق کے قریب تر قرار دیتے ہیں۔ امام زین الدین عراقی فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات محدثین کرام کا اسی پر عمل اور اعتماد ہے۔ (تدریب الراوی، ص۴۱۶) امام حاکم کی رائے معرفة علوم الحدیث، ص۴۲ میں جبکہ ابن الصلاح کی رائے علوم الحدیث، ص۲۷۳ میں موجود ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جمہور محدثین کرام کی تحقیق یہ ہے کہ مسلمان آدمی صحابی سے صرف ملاقات کی وجہ سے تابعی ہو جاتا

Marfat.com

ہے اور اس کے لیے مدت تک صحابی کی صحبت میں رہنا اور اس سے روایت نقل کرنا تابعی ہونے کے لیے شرط نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر تر قول کے موافق جس مسلمان نے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس سے ملاقات کی ہو تو وہ تابعی ہوتا ہے، اس کے لیے طول صحبت اور سماعت و روایت شرط نہیں ہے۔[۸]

تحدیث / اخبار: بعض علماء محدثین فرماتے ہیں کہ جب استاد خود حدیث بیان کرے اور شاگرد سنیں تو اس موقع پر لفظ 'حدث' بولا جائے گا۔ پھر شاگرد ایک ہو تو 'حدثنی' اور زیادہ ہوں تو 'حدثنا' بولا جائے گا۔ اور اگر شاگرد پڑھے اور استاد سنے تو لفظ 'اخبر' کا اطلاق ہوگا۔ شاگرد ایک ہو تو 'اخبرنی' اور زیادہ ہوں تو 'اخبرنا' کہا جاتا ہے۔ اگر استاد اپنی بیاض اور کاپی شاگردوں کو عاریتاً یا تملیکاً مطالعہ کے لیے دے اور اس سے روایت کرنے کی اجازت بھی دے تو اس موقع پر شاگرد کے اکیلے ہونے کی صورت میں 'انبانی' اور زیادہ ہونے کی شکل میں 'انبانا' کا لفظ استعمال ہوگا۔

ان الفاظ کے بارے میں یہ فرق ملحوظ رکھنا صرف مستحسن ہے۔ جمہور محدثین کرام اور حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر ان الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جائے تو بھی جائز ہے اور اس سے حدیث کے حجت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زہری، مالک، ابن عیینہ، یحییٰ القطان اور حجاز اور کوفہ کے اکثر محدثین کے نزدیک 'حدثنا' اور 'اخبرنا' اور 'انبانا' کا ایک ہی مفہوم ہے۔ لغت کے اعتبار سے ان سب کا مفہوم بالاتفاق ایک ہی ہے، تاہم اصطلاحاً بعض محدثین ان الفاظ میں فرق قائم کرتے ہیں۔ (فتح الباری ۱/۱۱۸۔ تدریب الراوی ص ۲۳۹) [۹]

تخریج: محدثین کی اصطلاح میں کسی روایت کو جس کتاب سے نقل کیا گیا ہے، اس کی طرف منسوب کر دینا تخریج کہلاتا ہے۔ تخریج کا دوسرا مفہوم ایسی کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کا ماخذ اسانید کے ساتھ بیان کیا جائے، جیسے تخریج الرافعی، نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ لجمال الدین یوسف الزیلعی (جسے تخریج زیلعی بھی کہتے ہیں) اور اس کا ملخص الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ لابن حجر۔[۱۰]

Marfat.com

تقریر: اس کا لغوی معنی ثابت کرنا ہے۔ اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے کوئی بات کی یا کوئی کام کیا، آپ نے وہ بات سنی اور کام دیکھا اور اس سے منع نہ کیا تو یہ بھی حدیث ہے، کیونکہ نبی معصوم نے سکوت فرما کر اس کا جواز ثابت کر دیا۔

حدیث: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔

حضرات محدثین کرام جب لفظ حدیث بولتے ہیں تو وہ اس سے مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے موقوفات اور آثار بھی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ علامہ بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۳۳/۷) بلکہ حضرات محدثین کرام کو قراءت وغیرہ سے متعلق بھی روایات مع سند یاد ہوتی تھیں اور ان کو بھی وہ حدیث ہی کی مد میں شامل سمجھتے تھے، چنانچہ امام ابوزرعہ کا دعویٰ تھا کہ مجھے دس ہزار حدیثیں تو صرف علم قراءت سے متعلق یاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ۱۲۴/۲) [۱۱]

جوامع: وہ کتابیں جن میں ہر قسم کی اور ہر مضمون کی احادیث ہوں، مثلاً جامع بخاری، جامع ترمذی۔ ان کے علاوہ جامع معمر بن راشدؒ، جامع سفیان ثوری، جامع عبدالرزاق بن ہمام جو 'مصنف عبدالرزاق' کے نام سے مشہور ہے، اور جامع دارمی مشاہیر جوامع ہیں۔ [۱۲]

حسن لذاتہ: اگر راوی میں صحیح کی باقی تمام شرطیں موجود ہوں مگر ضبط میں کچھ کمی ہو تو وہ حسن لذاتہ ہے۔

حسن لغیرہ: وہ روایت ہے جس کے کسی راوی میں حفظ کی کمی ہو اور وہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو۔ اسی طرح اگر روایت میں ارسال، تدلیس اور راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعف ہو مگر وہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہو تو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

رجال الصحیح: اس سے بخاری کے راوی مراد ہوتے ہیں، کیونکہ مطلق 'صحیح' کے لفظ سے بخاری ہی مراد ہوتی ہے۔ (مفتاح السعادۃ، ۱۵/۲)

رسالہ: رسالہ وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک ہی مسئلہ کی حدیثیں جمع کر دی جائیں جیسا کہ ابن جوزیؒ اور حافظ ابوموسیٰ مدینی نے لکھی ہے، اور امام شافعی کی کتاب 'الرسالۃ فی اصول

Marfat.com

الفقہ'۔ (عجالہ نافعہ للشاہ عبدالعزیز، ص ۲۰) [۱۳]

زوائد: وہ ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں مرکزی کتب پر زائد احادیث پیش کی جاتی ہیں، عام اس سے کہ ان مرکزی کتب کی اسانید کے معیار پر ہوں یا نہ ہوں، جیسے مجمع الزوائد للہیثمی وغیرہ۔[۱۴]

سنت: بعض محدثین کرام کے نزدیک لفظ حدیث اور سنت مترادف الفاظ ہیں، اور بعض کے نزدیک لفظ حدیث کا اطلاق صرف قول پر اور سنت کا اطلاق قول، فعل اور تقریر تینوں پر ہوتا ہے۔

حدیث اور سنت دونوں الفاظ مترادف ہیں اور اکثر محدثین کرام کا یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر پر لفظ حدیث اور لفظ سنت، دونوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک لفظ حدیث صرف قول پر بولا جاتا ہے اور لفظ سنت کا اطلاق قول، فعل اور تقریر، سب پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے لفظ سنت عام ہے۔ (توجیہ النظر، ص ۳) [۱۵]

سنن: ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن میں فقہی ابواب کو ملحوظ رکھا گیا ہو اور ہر باب کی احادیث ان میں درج نہ ہوں مثلاً باب التفسیر نہ ہو، جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن شعبی، سنن بیہقی، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن سعید بن منصور، سنن ابن جریج اور سنن وکیع بن الجراح وغیرہ۔[۱۶]

السنن الاربعۃ: نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور عندالجمہور ابن ماجہ۔

سیر: سیر، سیرۃ کی جمع ہے اور وہ ایسی کتابیں ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور زندگی کے حالات مذکور ہوں، جیسے سیرۃ ابن اسحٰق اور سیرۃ ابن الجوزی وغیرہ۔[۱۷]

شاذ: وہ روایت جس میں کوئی ثقہ راوی، ثقات کی مخالفت کرے اور جمع وتطبیق کی کوئی معقول صورت ممکن نہ ہو۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض محدثین شاذ اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ شاذ وہ روایت ہوتی ہے جس میں ثقہ یا صدوق راوی دیگر ثقات کی مخالفت کرے، اور منکر وہ روایت ہے جس میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے۔ (تدریب الراوی، ص ۱۵۲) [۱۸]

شاہد: کسی حدیث کا متن ایک صحابی سے مروی ہے اور دوسرا صحابی بھی لفظاً ومعناً یا صرف معناً اس حدیث کا مفہوم بیان کرے تو اس کو شاہد کہتے ہیں۔

Marfat.com

شمائل: یہ ایسی کتب ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات، فضائل اور محاسن ذکر ہوں، جیسے شمائل ترمذی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ شمائل جو امام ترمذی نے جمع کیے ہیں۔ [۱۹]

شیخین: محدثین کرام کی اصطلاح میں امام بخاری اور امام مسلم کو 'شیخین' کہا جاتا ہے۔

صحابی: محدثین کی اصطلاح میں وہ شخص جس نے حالت ایمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو، صحابی کہلاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جو صحابی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کافی عرصہ رہا ہو یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جہاد کیا ہو یا جس نے آپ کے جھنڈے کے نیچے شہادت کا رتبہ پایا ہو، ایسے صحابی کا مرتبہ یقیناً اس صحابی سے زیادہ ہے جس نے آپ کی خدمت اقدس میں کافی وقت نہ گزارا ہو یا جس نے آپ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جنگ نہ کی ہو یا جس کو آپ کی معیت میں شہادت نصیب نہ ہوئی ہو یا جس نے آپ سے معمولی گفتگو کی ہو یا تھوڑی مسافت آپ کے ساتھ طے کی ہو۔ اسی طرح ان کا درجہ اس صحابی سے زیادہ ہوگا جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپ کو دیکھا ہو، اگرچہ صحابی ہونے کا شرف ان سب کو حاصل ہوگا۔ (شرح نخبۃ الفکر، ص ۸۳) [۲۰]

صحاح ستہ: حدیث کی چھ مشہور کتابیں بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ۔ جمہور محدثین کرام کے نزدیک، جن میں علامہ ابن الطاہر المقدسی اور حافظ عبدالغنی وغیرہ شامل ہیں، صحاح ستہ سے یہی چھ کتابیں مراد ہیں، مگر محدث علائی، ابن الصلاح، نووی اور حافظ ابن حجر کے خیال میں ابن ماجہ کے بجائے مسند دارمی کو چھٹی کتاب شمار کرنا بہتر ہے اور محدث رزین، امام ابن اثیر اور علامہ سرقسطی چھٹی کتاب موطا امام مالک کو بتاتے ہیں۔ (ہامش تدریب الراوی، ص ۹۹، ۱۰۰۔ الرسالۃ المستطرفہ ۱/۱۳) مولانا سندھی وغیرہ کا خیال ہے کہ صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو شمار کرنا چاہیے۔ [۲۱]

صحاح: محدثین کے ہاں جب 'صحاح' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابوعوانہ اور مستدرک حاکم ہوتی ہیں۔ (صدیق حسن خان، ابجد

Marfat.com

العلوم،۲/۲۸۵) [۲۲]

صحیح لذاتہ: راوی حدیث میں دو صفتیں لازم ہیں۔ایک علمی، جس کو ضبط واتقان کہتے ہیں، چاہے ضبط صدر ہو یا ضبط کتاب۔اور دوسری عملی، جس کو عدالت اور تقویٰ کہتے ہیں۔اگر سند کے جملہ راوی تام الضبط اور اعلیٰ درجہ کے عادل ہوں اور درمیان سے کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو اور اس میں کوئی علت اور شذوذ بھی نہ ہو تو اس کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں۔

صحیح لغیرہ: یہ ہے کہ اس کے راوی درجہ اولیٰ کے رواۃ کے ہم پلہ نہ ہوں مگر ثقہ ہوں اور وہ حدیث متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہو۔

صحیحین: بخاری شریف اور مسلم شریف۔

ضعیف: وہ حدیث جس میں کوئی راوی اختلاط، قلت حفظ اور فسق وغیرہ کے طعن سے مطعون ہو۔

عالم / فقیہ / حافظ / راوی: تدریب الراوی ص۶ میں ہے بحوالہ امام ابونصر حسین بن عبدالواحد الشیرازی: العالم الذی یعلم المتن والاسناد جمیعاً۔ والفقیہ الذی عرف المتن ولا یعرف الاسناد والحافظ الذی یعرف الاسناد ولا یعرف المتن، والراوی الذی لا یعرف المتن ولا یعرف الاسناد، اور شرح نخبۃ الفکر ص۲ کے حاشیہ میں ایک اور اصطلاح بھی درج ہے کہ الحافظ اسے کہتے ہیں جسے ایک لاکھ حدیث سنداً ومتناً یاد ہو۔الحجۃ اسے کہتے ہیں جسے تین لاکھ احادیث سنداً ومتناً یاد ہوں اور الحاکم اسے کہتے ہیں جسے تمام احادیث سنداً ومتناً یاد ہوں۔[۲۳]

علیٰ شرطھما: اکثر محدثین کرام کے نزدیک 'علیٰ شرطھما' وہ حدیث ہے جس کی سند کے راوی بعینہ بخاری اور مسلم کے راوی ہوں۔اسی سے علیٰ شرط البخاری اور علیٰ شرط مسلم کا مطلب بھی سمجھا جا سکتا ہے۔امام نووی، امام ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر کی یہی رائے ہے۔جبکہ حافظ ابن الطاہر المقدسی اور حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ راوی اگر چہ بخاری اور مسلم کے نہ ہوں مگر ضبط وعدالت میں ان کے مثل ہوں تو ایسی روایت بھی 'علیٰ

Marfat.com

شرطہما' کہلائے گی۔ (تدریب الراوی، ص ۶۸)

عزیز: وہ حدیث جس کی سند میں کسی مقام پر کم سے کم دو راوی ہوں۔

علت: اگر حدیث بظاہر عیوب سے پاک ہو مگر اس میں طعن کا کوئی پوشیدہ سبب موجود ہو جس کو اس فن کے حاذق اور ماہر ہی سمجھ سکتے ہوں تو اس کو 'علت' کہتے ہیں۔

علل: وہ ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن میں معلول حدیثوں کا ذکر ہوتا ہے، جیسے کتاب العلل الصغیر والکبیر للترمذی، علل الدارقطنی، العلل المتناہیہ لابن الجوزی وغیرہ۔ [۲۴]

غریب: سند کے لحاظ سے غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی شیخ متفرد ہو اور دوسرے اس سند سے بیان نہ کرتے ہوں۔ [۲۵]

فرد مطلق: وہ حدیث جس کی سند میں کوئی تابعی منفرد ہو۔

فرد نسبی: وہ حدیث جس کی سند میں تابعی کے بعد کوئی راوی اکیلا ہو۔

مبہم: وہ راوی جس کا نام مذکور ہو مگر اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔ اس کو مجہول العین بھی کہتے ہیں۔

متابع: اگر کسی روایت کو بظاہر کوئی راوی تنہا بیان کرتا ہو مگر کوئی دوسرا راوی بھی اس روایت کے بیان کرنے میں اس کا ساتھ دیتا ہو تو متفرد راوی کو متابَع (بصیغہ اسم مفعول) اور اس کی تائید کرنے والے کو متابِع (بصیغہ اسم فاعل) کہتے ہیں۔

متروک: جس روایت کا راوی متہم بالکذب ہو، ایسی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں متروک کہتے ہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر، ص ۵۹)

متصل: وہ حدیث جس کی سند اول سے آخر تک ملی ہوئی ہو اور درمیان میں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

متقن: وہ راوی ہے جو روایت میں غلطی نہ کرے مگر بہت شاذ۔ فیض الباری ۲۰۲/۱ میں ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں متقن وہ ہے جو راویوں کے ناموں اور حدیث کے الفاظ میں غلطی نہ کرے۔ [۲۶]

Marfat.com

متواتر: وہ حدیث جس کے راوی ہر زمانہ میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال ہو۔

متفق علیہ: وہ حدیث جس پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہو۔ بعض کے نزدیک کوئی روایت اس وقت 'متفق علیہ' کہلائے گی جب دونوں امام اسے ایک ہی صحابی سے روایت کریں۔ (سبل السلام، ۱۶/۱)

مجہول العین: وہ راوی جس کا نام مذکور ہو مگر اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔ اس کو مبہم بھی کہتے ہیں۔

مجہول الحال: اگر مجہول الحال راوی سے دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور اس کو مستور بھی کہتے ہیں۔

محرف: وہ سند جس میں شکل وصورت کی بنا پر راوی کے نام میں تغیر واقع ہو جائے، جیسے حفص اور جعفر۔

محکم: وہ حدیث جس کے مقابل اور تعارض میں کوئی اور حدیث نہ ہو۔

مختلط: وہ حدیث جس کا راوی ہو تو ثقہ لیکن بڑھاپے بینائی ختم ہو جانے کی وجہ سے یا کتب ضائع ہو جانے کے باعث روایت میں گڑبڑ کرتا ہو۔ ایسے راوی کی روایت اختلاط سے پہلے حجت ہے مگر اختلاط کے بعد حجت نہیں۔

مختلف الحدیث: ایسی دو متعارض حدیثیں جن کے مابین جمع وتطبیق ممکن ہو۔

مدرج: وہ حدیث جس میں راوی کا اپنا کلام درج ہو جائے اور یہ شبہ پیدا ہوتا ہو کہ یہ کلام بھی حدیث ہی ہے۔ یا دو حدیثوں کے الگ الگ متن ہوں جو دو سندوں سے مروی ہوں مگر غلطی سے ان کو ایک ہی اسناد کے ساتھ روایت کر دیا جائے۔

مدلس: تدلیس کا لغوی معنی چھپانا ہے اور اصطلاح میں 'مدلس' وہ حدیث ہوتی ہے جس کو کوئی ایسا راوی روایت کرتا ہو کہ وہ جس استاد سے روایت کرتا ہو، اس سے ملاقات کی ہو یا اس کا ہم عصر ہو مگر اس سے روایت کو نہ سنا ہو اور ایسے الفاظ سے بیان کرتا ہو جن سے شبہ ہوتا ہو کہ اس نے یہ

Marfat.com

روایت اس سے سنی ہے، حالانکہ نہ سنی ہو۔فن حدیث میں تدلیس بڑا جرم ہے۔مدلس راوی 'عن' سے روایت کرتے تو وہ حجت نہیں، الا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو۔مگر یہ یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔

مردود: وہ حدیث جس کی سند کے راویوں کا صدق راجح نہ ہو اور اس پر عمل روا نہ ہو۔

مرسل: وہ روایت جس کو کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور صحابی کا نام ذکر نہ کرے۔

مرفوع: وہ حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قولاً یا فعلاً یا تقریراً ثابت ہو۔

المزید فی متصل الاسانید: حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اگر بعض طرق میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان زائد راوی آجائے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ جس طریق میں زائد راوی کا تذکرہ نہیں ہوا، وہ منقطع ہو یا اس سے عدم لقا ثابت ہو۔(دیکھیے شرح نخبۃ الفکر ص ۴۵) علماء اصول اس کو اپنی اصطلاح میں المزید فی متصل الاسانید سے تعبیر کرتے ہیں۔[۲۷]

مسند: امام حاکم مسند حدیث کی یہ شرط لکھتے ہیں: 'ان لا یکون فی اسناده اخبرت عن فلان ولا حدثت عن فلان' (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹) کہ اس میں 'اخبرت' اور 'حدثت عن فلان' (کہ مجھ کو خبر دی گئی اور مجھ سے بیان کیا گیا) نہ ہو۔کیونکہ نہ معلوم یہ بیان کرنے والا کون اور کیسا تھا؟ عادل تھا یا فاسق؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟ [۲۸]

مسانید: وہ کتابیں جن میں فضائل ومناقب کے لحاظ سے حروف تہجی کی ترتیب سے ہر صحابی کی تمام میسر روایتیں جمع کر دی جائیں، خواہ وہ ایک مضمون کی ہوں یا متعدد مضامین مثلاً وضو، نماز اور جہاد وغیرہ کی۔ان میں ابواب فقہیہ کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔مثلاً مسند احمد بن حنبل، مسند ابوداؤد طیالسی، مسند حمیدی،، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند البزار اور مسند ابویعلی وغیرہ۔[۲۹]

مستخرج: وہ کتاب ہوتی ہے جو کسی دوسری کتاب کی تائید اور اثبات کے لیے لکھی جاتی ہے، لیکن تدریب الراوی ص ۵۶ میں اس کی تصریح ہے کہ مستخرج اپنی جو سند پیش کرے، اس سند میں اس مصنف کا واسطہ نہ آئے جس کی تائید کے لیے مستخرج لکھی گئی ہے، جیسے مستخرج اسماعیلی اور

Marfat.com

مستخرج برقانی علی البخاری اور مستخرج ابی عوانہ اور مستخرج ابی نعیم۔[۳۰]

مستدرک: وہ کتاب ہوتی ہے جس کو محدث نے اس نظریہ سے لکھا ہو کہ یہ احادیث فلاں محدث کی شرط پر ہیں، پھر اس نے ان کی تخریج کیوں نہیں کی؟ مثلاً المستدرك علی الصحيحين للحاکم وغیرہ، یہ سب سے زیادہ مشہور اور رائج ہے۔[۳۱]

مستور: اگر مجہول الحال راوی سے دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مستور ہے اور اس کو مجہول الحال بھی کہتے ہیں۔

مسند: وہ حدیث جس کی سند کے سب راویوں کے نام مذکور ہوں۔

مسلسل: وہ حدیث جس کو بیان کرتے وقت ہر راوی اپنے استاد کے، حدیث بیان کرتے وقت کسی صفت اور حالت کو نقل کرے، خواہ وہ صفت قولی ہو یا فعلی، جیسا کہ بخاری، ۳/۱ میں حدیث تحریک الشفۃ ہے۔ اس عمل کا نفس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ رواۃ صرف اپنے ضبط اور اتقان کا ثبوت دیتے ہیں کہ حدیث بیان کرتے وقت استاد کی یہ کیفیت تھی۔ جن کتب میں ایسی روایات درج ہوں، انھیں 'مسلسلات' کہتے ہیں، جیسے مسلسلات ابن ابی عصرون، مسلسلات دیباجی، مسلسلات علائی اور مسلسلات سیوطی وغیرہ۔[۳۲]

مشہور: وہ حدیث جو اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ہر دور میں بہت سے راویوں نے اسے روایت کیا ہو اور وہ دو یا دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو۔

مصحف: وہ سند جس میں نقطے کی وجہ سے تغیر واقع ہو جائے، جیسے جسم اور حسم۔

مضطرب: وہ حدیث جس میں راویوں کا اختلاف ہو۔ کوئی راوی کا نام یا متن حدیث ایک طرح بیان کرتا ہے اور کوئی دوسری طرح، اور بظاہر راوی ایک درجہ کے ہوں اور زمانہ ورود کے لحاظ سے حدیث کا تقدم یا تاخر بھی معلوم نہ ہو۔

معاجم: معجم اس کو کہتے ہیں جس میں محدث اپنے کسی شیخ کی سنی ہوئی روایات حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کر دے، جیسے معاجم ثلاثہ: صغیر، کبیر اور اوسط للطبرانی، معجم اسماعیلی، معجم ابن الغوطی، معجم ابی بکر المقری، معجم شہاب الدین القوصی اور معجم ابن قانع وغیرہ۔[۳۳]

Marfat.com

معضل: وہ حدیث جس کی سند سے دو یا زائد راوی لگا تار چھوٹ گئے ہوں، ورنہ منقطع ہوگی۔

معلق: وہ روایت جس کی سند کے آغاز سے ایک یا زیادہ راوی چھوڑ دیے جائیں، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اور بخاری شریف میں ترجمۃ الابواب میں کافی تعداد میں اس قسم کی تعلیقات ہیں کہ مصنف نے اپنے استاد کا یا اوپر کی سند کا ذکر نہیں کیا۔ عندالجمہور وہ بھی صحیح ہیں، اگرچہ مسند کے درجہ کی نہیں۔ [۳۴]

معلل: وہ حدیث جو بظاہر تو عیوب سے پاک ہو مگر اس میں طعن کا کوئی پوشیدہ سبب موجود ہو جس کو اس فن کے حاذق اور ماہر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ہر کہ و مہ کا کام نہیں ہے۔

معنعن: وہ حدیث جس کو راوی 'عن' کے الفاظ سے نقل کرے۔

مغازی: وہ ایسی کتابیں ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر ہو، جیسے مغازی ابن اسحاق اور مغازی موسیٰ بن عقبہ وغیرہ۔ [۳۵]

مقبول: وہ حدیث جس کے راویوں کے صدق کی وجہ سے وہ جمہور کے نزدیک قابل قبول ہو اور اس پر عمل واجب ہو۔

مقطوع: وہ روایت جس کی سند میں تابعی چھوٹ گیا ہو۔

مقلوب: وہ سند جس میں راویوں کے ناموں میں تقدیم و تاخیر ہو جائے، جیسے مرہ بن کعب اور کعب بن مرہ۔ کبھی متن میں بھی قلب واقع ہو جاتا ہے۔

منقطع: وہ روایت جس کی سند میں اول یا درمیان سے یا کہیں سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو۔ بعض کے نزدیک اگر تابعی چھوٹ گیا ہو تو اس کو مقطوع اور اس سے نچلا کوئی راوی چھوٹ گیا ہو تو اس کو منقطع کہیں گے۔

اگرچہ بعض محدثین نے مرسل اور منقطع میں اصطلاحی طور پر کچھ فرق کیا ہے، لیکن علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے امام ابوزرعہ، امام ابو حاتم اور امام دارقطنی نے حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق کیا ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۴۳) [۳۶]

علامہ سید السند نے ترمذی کے مقدمہ ص ۳ میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی روایت منقطع پر بھی مرسل کا

Marfat.com

اطلاق ہوتا ہے۔ منقطع وہ ہوتی ہے جس میں تابعی کا تذکرہ نہ ہو، لیکن کبھی کبھی منقطع اس سند پر بھی بولا جاتا ہے جس میں کہیں سے راوی چھوٹ گیا ہو، خواہ اول سے، آخر سے یا وسط سے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ اصول حدیث مسلکہ مع مشکوۃ ص۴ میں لکھا ہے۔ امام نووی نے التقریب مع التدریب ص ۱۲۶، ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ حضرات فقہائے کرام، خطیب بغدادی اور ابن عبدالبر وغیرہ محدثین فرماتے ہیں کہ منقطع وہ روایت ہوتی ہے جس میں راوی کہیں سے ترک کر دیا گیا ہو۔ امام سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں کہ اس طرح مرسل اور منقطع ایک ہی ہوگی، خواہ صحابی ساقط ہو یا کوئی اور راوی۔ [۳۷]

منکر: حضرات محدثین کرام کی اصطلاح میں منکر وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند میں کوئی ایسا راوی موجود ہو جو فاحش غلطی اور کثرت خطا کا مرتکب ہوا ہو یا اپنے سے زیادہ کسی ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۵ و ۵۹ وغیرہ) [۳۸] [دیکھیے: شاذ]

موضوع: وہ جعلی اور بناوٹی روایت جس کو کوئی کذاب اور دجال راوی خود وضع کرے یا کسی سے روایت کرے اور اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام کی طرف کر دے۔ موضوع حدیث کا اس کی وضع کی تصریح کے بغیر دانستہ بیان کرنا حرام اور سنگین جرم ہے، خواہ وہ احکام سے متعلق ہو یا قصص اور ترغیب وترہیب وغیرہ سے۔ (تدریب الراوی، ص ۱۷۸) اور حدیث 'من کذب علی فلیتبوا مقعدہ من النار' اور حدیث 'من تعمد علی کذبا' کا مصداق ہے۔ جمہور اہل اسلام اس کو گناہ کبیرہ اور بڑا جرم قرار دیتے ہیں، جبکہ امام الحرمین کے والد امام ابومحمد الجوینی جعلی حدیث بنانے اور بیان کرنے والے کی تکفیر کرتے ہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر، ص ۵۹۔ فتح الباری، ۳۲۸/۱) شاہ عبدالعزیز نے عجالہ نافعہ ص ۳۱ میں بیان کیا ہے کہ وضع کی پہچان کا ایک سبب خود واضع کا اقرار بھی ہے، جیسا کہ نوح بن ابی مریم نے اقرار کیا کہ اس نے فضائل قرآن کی احادیث وضع کیں۔ [۳۹]

موقوف: وہ روایت جس میں کسی صحابی یا تابعی کا قول اور فعل بیان ہوا ہو۔ اس کو اثر بھی کہتے ہیں جس کی جمع آثار ہے۔

Marfat.com

مصادر:

[۱] احسن الکلام ۱/۲۱۱

[۲] احسان الباری، ص۴۲

[۳] احسان الباری، ص۴۶

[۴] احسان الباری، ص۴۵

[۵] احسن الکلام ۱/۳۷۰

[۶] احسان الباری، ص۴۴

[۷] احسان الباری، ص۴۴

[۸] الکلام المفید، ص۲۴۷، ۲۴۸

[۹] خزائن السنن ۱/۱۶

[۱۰] الکلام الحاوی، ص۳۴۔ احسان الباری، ص۴۶

[۱۱] شوق حدیث، ص۳۴، ۳۸

[۱۲] مع اضافہ از احسان الباری، ص۴۱، ۴۲

[۱۳] احسان الباری، ص۴۵

[۱۴] احسان الباری، ص۴۶

[۱۵] شوق حدیث، ص۵۶

[۱۶] احسان الباری، ص۴۲

[۱۷] احسان الباری، ص۴۶

[۱۸] تسکین الصدور، ص۲۲۶

[۱۹] احسان الباری، ص۴۵

[۲۰] احسن الکلام ۱/۳۲۶، ۳۲۷ مع اضافہ از مرتب

Marfat.com

[۲۱] مع اضافہ از مرتب
[۲۲] اضافہ از مرتب
[۲۳] احسان الباری، ص ۴۷
[۲۴] احسان الباری، ص ۴۴
[۲۵] احسان الباری، ص ۴۶
[۲۶] خزائن السنن، ۱۹۱/۱
[۲۷] احسن الکلام ۳۴۴/۱
[۲۸] احسن الکلام ۱۲۹/۲
[۲۹] مع اضافہ از احسان الباری، ص ۴۲
[۳۰] احسان الباری، ص ۴۳
[۳۱] احسان الباری، ص ۴۳
[۳۲] مع اضافہ از احسان الباری، ص ۴۳، ۴۴
[۳۳] احسان الباری، ص ۴۲
[۳۴] خزائن السنن، ۶۸/۱
[۳۵] احسان الباری، ص ۴۵
[۳۶] احسن الکلام ۱۵۰/۱
[۳۷] خزائن السنن، ۶۸/۱۔ اخفاء الذکر، ص ۴۴
[۳۸] احسن الکلام ۲۹۵/۱
[۳۹] الکلام الحاوی، ص ۵۵۔ اخفاء الذکر، ص ۲۱، ۲۲

Marfat.com

مصادرومراجع

(تصانیف شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ)

آئینہ محمدی [۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء]

اتمام البرہان فی رد توضیح البیان (۴ حصے) [طبع چہارم، ۲۰۰۵ء]

احسان الباری لفہم البخاری [۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء]

احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام [۱۳۷۵ھ/۱۳۵۵ء]

اخفاء الذکر [۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء]

ارشاد الشیعہ [۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء]

ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب [۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء]

اظہار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب [۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء]

انکار حدیث کے نتائج [۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء]

باب جنت بجواب راہ جنت [۱۳۸۳ھ/۱۹۶۲ء]

بانی دار العلوم دیوبندؒ [۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء]

تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر [۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء]

تبلیغ اسلام [۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء]

تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور [۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء]

Marfat.com

تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر [۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء]

تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین [۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء]

توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام [۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء]

چالیس دعائیں [۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء]

حکم الذکر بالجہر [۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء]

حلیۃ المسلمین ترجمہ اللحیۃ فی نظر الدین [۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء]

ختم نبوت کتاب و سنت کی روشنی میں [۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء]

خزائن السنن (۳ حصے) [۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء]

درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ [طبع دوم ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء]

دل کا سرور یعنی تحقیق مسئلہ مختار کل [۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء]

سماع الموتی [۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء]

شوق جہاد [۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء]

شوق حدیث [۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء]

الشہاب المبین علی من انکر الحق الثابت بالادلۃ والبراہین [۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء]

صرف ایک اسلام بجواب دو اسلام [۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء]

ضوء السراج فی تحقیق المعراج [۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء]

طائفہ منصورہ [۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء]

عبارات اکابر [۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء]

عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلاث [۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء]

عیسائیت کا پس منظر [۱۳۸۴ھ/۱۹۶۲ء]

الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی [۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء]

Marfat.com

الکلام المفید فی اثبات التقلید [۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء]

گلدستۂ توحید [۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء]

مرزائی کا جنازہ اور مسلمان [۱۹۶۶ء]

المسلک المنصور فی رد الکتاب المسطور [۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء]

مسئلہ قربانی [۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء]

مقام ابی حنیفہؒ [۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء]

ملا علی قاریؒ اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر [طبع دوم: ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء]

المنہاج الواضح یعنی راہ سنت [۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء]

مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ [۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء]

ہدایۃ المرتاب فی طریق الصواب یعنی راہ ہدایت [۱۳۷۸ھ/۱۹۵۷ء]

ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح [۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء]

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، خصوصی اشاعت بیادِ امام اہل سنتؒ، جولائی تا اکتوبر ۲۰۰۹ء

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، خصوصی اشاعت بعنوان افادات امام اہل سنتؒ [۱]، دسمبر ۲۰۱۴ء

Marfat.com

علوم الحدیث ـ اصول و مبادی

رشحات قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

ترتیب و تدوین و تعلیقات

محمد عمار خان ناصر

دار الکتاب

Marfat.com